حضرت مرزا غلام احمد قادیانی

علیہ الصلوۃ والسلام

اپنی تحریروں (اور ملفوظات) کی رو سے

جلد نمبر 3

مرتبہ: وکالت تصنیف، تحریک جدید انجمن احمدیہ، ربوہ

2008
ISLAM INTERNATIONAL PUBLICATIONS LIMITED

حضرت مرزا غلام احمد قادیانیؑ اپنی تحریروں (اور ملفوظات) کی رو سے
جلد نمبر ۳

Ḥaḍrat Mirza Ghulam Ahmad Qadiani[as],
Apnī Teḥrīroń aur Malfūẓāt kī rū sei
Vol. 3

Compiled by:
Wakālat-e-Taṣnīf, Teḥrīk-e-Jadīd, Rabwah.

First published in UK in 2008

Published by:
Islam International Publications Ltd.
'Islamabad' Sheephatch Lane,
Tilford, Surrey GU10 2AQ,
United Kingdom.

Printed in U.K. at:

ISBN: 1 85372 987 6

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلّی علی رسولہ الکریم و علی عبدہ المسیح الموعود

''مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام اپنی تحریروں کی رو سے'' (مرتبہ حضرت میر داؤد احمد صاحب مرحوم) کے بارہ میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا تھا کہ:

''بعض اور مضامین ضروری بھی ہیں جو میر داؤد احمد صاحب نے مجموعہ میں شامل نہیں کئے ہونگے۔ ان کا بھی مرکز انتخاب کر کے انگریزی میں ترجمہ کروائے۔''

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کی تعمیل میں نئے مضامین پر مشتمل انتخاب کیا گیا تھا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی رہنمائی میں اب یہ انتخاب ''مرزا غلام احمد قادیانی علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی تحریروں کی رُو سے'' کی جلد نمبر 3 شمار ہوگا اور اس کا انگریزی ترجمہ Essence of Islam کی جلد نمبر 6 شمار ہوگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

چوہدری محمد علی
وکیل التصنیف
تحریک جدید انجمن احمدیہ ربوہ
یکم جون 2008

فہرست مضامین

پیشگوئیاں بابت حضرت مسیح موعود علیہ السلام

احادیث میں مسیح موعود کی کھلی کھلی پیشگوئی موجود ہے بلکہ قریباً تمام مسلمانوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ احادیث کی رو سے ضرور ایک شخص آنے والا ہے جس کا نام عیسیٰ بن مریم ہو گا اور یہ پیشگوئی بخاری اور مسلم اور ترمذی وغیرہ کتب حدیث میں اس کثرت سے پائی جاتی ہے جو ایک منصف مزاج کی تسلی کے لئے کافی ہے اور بالضرورت اس قدر مشترک پر ایمان لانا پڑتا ہے کہ ایک مسیح موعود آنے والا ہے۔

(شہادت القرآن۔ روحانی خزائن جلد ۶ صفحہ ۲۹۸)

یاد رہے کہ جو شخص اترنے والا تھا وہ عین وقت پر اتر آیا اور آج تمام نوشتے پورے ہو گئے۔ تمام نبیوں کی کتابیں اسی زمانہ کا حوالہ دیتی ہیں۔ عیسائیوں کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ اسی زمانہ میں مسیح موعود کا آنا ضروری تھا۔ ان کتابوں میں صاف طور پر لکھا تھا کہ آدم سے چھٹے ہزار کے اخیر پر مسیح موعود آئے گا سو چھٹے ہزار کا اخیر ہو گیا۔ اور لکھا تھا کہ اس سے پہلے ذوالسنین ستارہ نکلے گا۔ سو مدت ہوئی کہ نکل چکا۔ اور لکھا تھا کہ اس کے ایام میں سورج اور چاند کو ایک ہی مہینہ میں جو رمضان کا مہینہ ہو گا گرہن لگے گا۔ سو مدت ہوئی کہ یہ پیشگوئی بھی پوری ہو چکی۔ اور لکھا تھا کہ اس کے زمانہ میں ایک بڑے جوش سے طاعون پیدا ہو گی۔ اس کی خبر انجیل میں بھی موجود ہے۔ سو دیکھتا ہوں کہ طاعون نے اب تک پیچھا نہیں چھوڑا۔

(تذکرۃ الشہادتین۔ روحانی خزائن جلد ۲۰ صفحہ ۲۴۔۲۵)

صحیح بخاری میں آنیوالے مسیح کی نسبت (جو کہ اس وقت آ گیا ہے) جو لکھا ہے کہ یَکۡسِرُ الصَّلِیۡبَ وَ یَقۡتُلُ الۡخِنۡزِیۡرَ یعنی وہ صلیبوں کو توڑے گا اور خنزیروں کو قتل کرے گا تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ جنگلوں میں چوہڑوں اور چماروں کی طرح شکار کھیلتا پھرے گا اور گرجوں پر چڑھ کر صلیبیں توڑتا پھرے گا۔ بلکہ اصل بات یہ ہے کہ خنزیر نجاست کھانیوالے کو

کہتے ہیں اور یہ ضروری نہیں کہ وہ نجاست جانوروں کی ہی ہو بلکہ جھوٹ اور دروغ کی جو نجاست ہے وہ سب سے گندی اور بدبودار نجاست ہے۔ اس لئے ایسے لوگوں کا جو ہر وقت جھوٹ اور فریب سے دنیا کو گمراہ کرتے رہتے ہوں اللہ تعالیٰ نے خنزیر نام رکھا ہے۔ اور یہ جو فرمایا یَکْسِرُ الصَّلِیْبَ تو اس کے یہ معنے نہیں کہ مسیح جب آوے گا تو پتھر، تانبے اور لکڑی وغیرہ کی صلیبوں کو جو پیسے پیسے پر فروخت ہوتی ہیں توڑتا پھرے گا۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ صلیبی مذہب کی بنیاد کو توڑے گا۔ اب دیکھ لو کہ ان کے مذہب کا تمام دارومدار تو عیسیٰ کی زندگی پر ہے اور یہ نہیں کہ دوسرے انبیا کی طرح وہ زندہ ہے بلکہ وہ ایسا زندہ ہے کہ پھر دوبارہ دنیا میں آئے گا اور خلقت کا فیصلہ کرے گا۔ اور پھر معلوم نہیں کہ مسلمانوں میں عیسیٰ کی زندگی کا مسئلہ کہاں سے آ گیا۔ بدقسمتی سے انہوں نے بھی عیسائیوں کی ہاں میں ہاں ملانی شروع کر دی۔ غرض سمجھنا چاہیے کہ عیسائیوں کے مذہب کی بنیاد تو صرف عیسیٰ کی زندگی پر ہے۔ جب وہ مر گیا تو پھر ان کا مذہب بھی ان کے ساتھ ہی مر گیا۔

(ملفوظات جلد پنجم۔ جدید ایڈیشن صفحہ ۳۹۵)

قرآن اور حدیث دونوں بتلا رہے ہیں کہ مسیح کے زمانہ میں اونٹ بیکار ہو جائیں گے یعنی ان کے قائم مقام کوئی اور سواری پیدا ہو جائے گی۔ یہ حدیث مسلم میں موجود ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں وَ یُتْرَکُنَّ[1] الْقِلَاصُ فَلَا یُسْعٰی عَلَیْھَا ۔ اور قرآن کے الفاظ یہ ہیں وَ اِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ۔[2] شیعوں کی کتابوں میں بھی یہ حدیث موجود ہے۔ مگر کیا کسی نے اس نشان کی کچھ بھی پروا کی۔ ابھی عنقریب اس پیشگوئی کا دلکش نظارہ مکہ اور مدینہ کے درمیان نمایاں ہونیوالا ہے جبکہ اونٹوں کی ایک لمبی قطار کی جگہ ریل کی گاڑیاں نظر آئیں گی اور تیرہ سو برس کی سواریوں میں انقلاب ہو کر ایک نئی سواری پیدا ہو جائے گی۔ اس وقت ان مسافروں کے سر پر جب یہ آیت وَ اِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ[2] اور یہ حدیث وَیُتْرَکُنَّ الْقِلَاصُ فَلَا یُسْعٰی عَلَیْھَا پڑھی جائیگی تو کیسے

---

1. سہو کتابت کی وجہ سے لَیُتْرَکُنَّ کو وَیُتْرَکُنَّ لکھا گیا ہے۔ (ناشر)
2. التکویر : ۵ (مرتب)

انشراحِ صدر سے ان کو ماننا پڑے گا کہ یہ درحقیقت آج کے دن کیلئے ایک نشان تھا اور ایک عظیم الشان پیشگوئی تھی جو ہمارے نبی کریمؐ کے مبارک لبوں سے نکلی اور آج پوری ہوئی۔
(نزول المسیح ۔ روحانی خزائن جلد ۱۸ صفحہ ۴۰۶)

ایک عظیم الشان علامت مسیح موعود کی احادیث صحیحہ میں یہ لکھی گئی ہے کہ وہ ایسے وقت میں آئیگا کہ جبکہ صلیبی مذہب زمین پر بڑے جوش سے پھیلا ہوا ہوگا جیسا کہ حدیث یَکْسِرُ الصَّلِیْبَ جو صحیح بخاری میں ہے اسی پر دلالت کرتی ہے۔ سو ایسے وقت میں اور ایسے زمانہ میں یہ عاجز آیا ہے۔

اور دوسری علامت اشارات احادیث سے مسیح موعود کے لئے یہ معلوم ہوتی ہے کہ وہ ممالک مشرقیہ میں مبعوث ہوگا کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کا پتہ ونشان مشرق ہی بتلایا تھا جیسا کہ حدیث وَ اَوْمٰی اِلَی الْمَشْرِقِ سے ظاہر ہے۔ پس اس صورت میں اس حدیث سے صاف طور پر یہ اشارہ نکلتا ہے کہ مسیح موعود مشرق سے پیدا ہوگا۔ کیونکہ جبکہ دجّال کا مستقر اور مقام مشرق ہوا تو مسیح جو دجالی کارروائیوں کو نابود کرنے کیلئے آئیگا ضرور ہے کہ وہ بھی مشرق میں ظہور کرے۔ اور یہ تو ظاہر ہے کہ ہمارا ملک ہند خاصکر پنجاب کا حصہ مکہ معظّمہ سے بجانب مشرق واقع ہے۔ اور عجب تر یہ کہ دمشقی حدیث میں بھی جو مسلم میں ہے منارہ مشرقی کا ذکر کر کے مسیح موعود کے ظہور کیلئے مشرق کی طرف ہی اشارہ کیا گیا ہے۔

ایسا ہی احادیث میں یہ بھی بیان فرمایا گیا ہے کہ وہ مہدی موعود ایسے قصبہ کا رہنے والا ہوگا جس کا نام کدعہ یا کدیہ ہوگا۔ اب ہر ایک دانا سمجھ سکتا ہے کہ یہ لفظ کدعہ دراصل قادیاں کے لفظ کا مخفف ہے۔ اور بعض روایات میں یہ جو آیا ہے کہ ”وہ کدعہ یمن کی بستیوں میں سے ایک گاؤں ہے“ یہ حدیث کے لفظ نہیں ہیں بلکہ کسی شخص نے اجتہادی طور پر یہ خیال کیا ہے۔ شاید اس نام کے مشابہ کوئی گاؤں یمن میں دیکھ کر کسی کو خیال آ گیا ہے کہ شاید وہ یہی گاؤں ہوگا۔ لیکن ظاہر ہے کہ اب ایسا کوئی گاؤں ملک یمن میں آباد نہیں ہے اور نہ اس

سرزمین میں کسی نے ایسا دعویٰ کیا۔ مگر قادیان اس وقت موجود ہے اور نیز مسیحیت اور مہدویت کا مدعی بھی موجود۔

(کتاب البریہ۔ روحانی خزائن جلد۱۳صفحہ ۲۵۹۔۲۶۱ حاشیہ)

نواب صدیق حسن خان صاحب حجج الکرامہ میں اور حضرت مجدد الف ثانی صاحب نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ احادیث صحیحہ میں لکھا ہے کہ ستارہ دنبالہ دار یعنی ذوالسنین مہدی معہود کے ظہور کے وقت میں نمودار ہوگا۔ چنانچہ وہ ستارہ ۱۸۸۲ء میں نکلا اور انگریزی اخباروں نے اسکی نسبت یہ بھی بیان کیا کہ یہی وہ ستارہ ہے کہ جو حضرت مسیح علیہ السلام کے وقت میں نکلا تھا۔

(چشمہ معرفت۔ روحانی خزائن جلد۲۳ صفحہ۳۳۰ حاشیہ)

یہ پیشگوئی جو یعلا اور حاکم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ قیامت کے قریب یعنی مسیح موعود کے وقت میں لوگ حج سے روکے جائیں گے، کیسی صفائی سے ان دنوں میں پوری ہو رہی ہے جو بباعث طاعون ہر ایک سلطنت نے حج کے ارادہ کرنیوالوں کو سفر مکہ معظّمہ سے روک دیا۔[3] کیا ایسا واقعہ پہلے بھی کبھی وقوع میں آیا؟

(ایام الصلح۔ روحانی خزائن جلد۱۴صفحہ ۲۸۰)

ایسا ہی احادیث نبویہ میں آخری زمانہ کی نسبت یہ خبر دی ہے کہ جب آخری زمانہ میں مسیح موعود آئیگا تو وہ دنیا میں صلح کاری کا پیغام دے گا اور جنگ موقوف کرے گا ...... یہ حدیث صحیح بخاری میں ہے جو حدیث کی کتابوں میں سے اول درجہ کی سمجھی جاتی ہے۔ حدیث کے لفظ یہ ہیں یَضَعُ الْحَرْبَ۔

(چشمہ معرفت۔ روحانی خزائن جلد۲۳ صفحہ ۳۹۵)

---

3. سلطان روم نے اب کے سال حج کرنے سے روک دیا۔ گورنمنٹ پنجاب نے اعلان کیا کہ اب کے موسم میں کوئی جہاز مکہ نہ جاوے گا۔ کوئی عزم حج نہ کرے۔ روسی گورنمنٹ نے حج کے جانے سے ممانعت کر دی۔ دیکھو اخبار عام ۴/اپریل ۱۸۹۸ء۔ منہ

دوسری دلیل وہ بعض احادیث اور کشوف اولیائے کرام و علمائے عظام ہیں جو اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ مسیح موعود اور مہدی معہود چودہویں صدی کے سر پر ظاہر ہوگا۔ چنانچہ حدیث اَلْاٰیَاتُ بَعْدَ الْمِاَتَیْنِ کی تشریح بہت سے متقدمین اور متاخرین نے یہی کی ہے جو مائتین کے لفظ سے وہ مأتین مراد ہیں جو الف کے بعد ہیں یعنی ہزار کے بعد۔ اس طرح پر معنے اس حدیث کے یہ ہوئے کہ مہدی اور مسیح کی پیدائش جو آیات کبریٰ میں سے ہے تیرھویں صدی میں ہوگی اور چودہویں صدی میں اس کا ظہور ہوگا۔ یہی معنے محققین علما نے کئے ہیں اور انہی قرائن سے انہوں نے حکم کیا ہے کہ مہدی معہود کا تیرہویں صدی میں پیدا ہو جانا ضروری ہے تا چودھویں صدی کے سر پر ظاہر ہو سکے۔ چنانچہ اسی بنا پر اور نیز کئی اور قرائن کے رو سے بھی مولوی نواب صدیق حسن خاں صاحب مرحوم اپنی کتاب حجج الکرامہ میں لکھتے ہیں کہ میں بلحاظ قرائن قویہ گمان کرتا ہوں کہ چودھویں صدی کے سر پر مہدی معہود کا ظہور ہوگا۔

(تحفہ گولڑویہ۔ روحانی خزائن جلد ۱۷ صفحہ ۱۳۰۔۱۳۱)

احادیث نبویہ میں صاف لکھا ہے کہ آخری زمانہ میں ایک مؤید دین وملت پیدا ہوگا اور اس کی یہ علامت ہوگی کہ وہ حارث ہوگا یعنی زمیندار ہوگا۔ اس جگہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ہر یک مسلمان کو چاہیئے کہ اس کو قبول کر لیوے اور اس کی مدد کرے۔ اب سوچو کہ زمیندار ہونا تو میرے صدق کی ایک علامت ہے نہ جائے حرج۔

(آئینہ کمالات اسلام۔ روحانی خزائن جلد ۵ صفحہ ۳۰۳)

بیہقی نے اس کے بارے میں ایک حدیث لکھی ہے یعنی یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اس زمانہ کے مولوی اور فتویٰ دینے والے ان تمام لوگوں سے بدتر ہوں گے جو اس وقت روئے زمین پر موجود ہوں گے اور حجج الکرامہ میں لکھا ہے کہ درحقیقت مہدی اللہ (مسیح موعود) پر کفر کا فتویٰ دینے والے یہی لوگ ہوں گے۔ اس بات سے اکثر مسلمان بیخبر ہیں کہ احادیث سے ثابت ہے کہ مسیح موعود پر بھی کفر کا فتویٰ ہوگا۔ چنانچہ وہ پیشگوئی پوری ہوئی۔

(آئینہ کمالات اسلام۔ روحانی خزائن جلد ۵ صفحہ ۲۱۵)

حدیث صحیح میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی کہ اٰخَرِیۡنَ مِنۡهُمۡ لَمَّا یَلۡحَقُوۡا بِهِمۡ [4] تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سلمان فارسی کے کاندھے پر ہاتھ رکھا اور فرمایا لَوْ کَانَ الْاِیْمَانُ عِنْدَ الثُّرَیَّا لَنَالَہٗ رَجُلٌ مِّنْ فَارِسَ اَوْ رِجَالٌ مِّنْ فَارِسَ۔ پس اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آخری زمانہ میں فارسی الاصل لوگوں میں سے ایک آدمی پیدا ہوگا کہ وہ ایمان میں ایسا مضبوط ہوگا کہ اگر ایمان ثریا میں ہوتا تو وہیں سے اس کو لے آتا۔ اور ایک دوسری حدیث میں اسی شخص کو مہدی کے لفظ سے موسوم کیا گیا ہے اور اس کا ظہور آخری زمانہ میں بلاد مشرقیہ سے قرار دیا گیا ہے اور دجال کا ظہور بھی آخری زمانہ میں بلاد مشرقیہ سے قرار دیا گیا ہے۔ ان دونوں حدیثوں کے ملانے سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص دجال کے مقابل پر آنیوالا ہے وہ یہی شخص ہے۔ اور سنت اللہ بھی اسی بات کو چاہتی ہے کہ جس ملک میں دجال جیسا خبیث پیدا ہوا اسی ملک میں وہ طیّب بھی پیدا ہو۔ کیونکہ طبیب جب آتا ہے تو بیمار کی طرف ہی رخ کرتا ہے۔ اور یہ نہایت تعجب کا مقام ہے کہ بموجب احادیث صحیحہ کے دجال تو ہندوستان میں پیدا ہو اور مسیح دمشق کے میناروں پر جا اترے۔ اس میں شک نہیں کہ مدینہ منورہ سے ہندوستان سمت مشرق میں واقع ہے۔ بلا شبہ حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ مشرق کی طرف سے ہی دجال کا ظہور ہوگا اور مشرق کی طرف سے ہی رایات سود مہدی اللہ کے ظاہر ہوں گے۔ گویا روزِ ازل سے یہی مقرر ہے کہ محل فتن بھی مشرق ہی ہے اور محل اصلاح فتن بھی مشرق ہی ہے۔

(آئینہ کمالات اسلام۔ روحانی خزائن جلد ۵ صفحہ ۲۱۶۔۲۱۹)

اگر کوئی یہ کہے کہ کس طرح معلوم ہوا کہ حدیث لو کان الایمان معلّقا با لثریا لناله رجل من فارس اس عاجز کے حق میں ہے اور کیوں جائز نہیں کہ امت محمدیہ میں سے کسی اور کے حق میں ہو۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ براہین احمدیہ میں بار بار اس حدیث کا مصداق وحی الٰہی نے مجھے ٹھہرایا ہے اور بتصریح بیان فرمایا کہ وہ میرے حق میں ہے۔ اور میں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ خدا تعالیٰ کا کلام ہے جو میرے پر نازل ہوا...... اور یہ دعویٰ امت

4. الجمعہ : ۴ (مرتب)

محمد یہ میں سے آج تک کسی اور نے ہرگز نہیں کیا کہ خدا تعالیٰ نے میرا یہ نام رکھا ہے اور خدا تعالیٰ کی وحی سے صرف مَیں اس نام کا مستحق ہوں۔

(حقیقۃ الوحی ۔ روحانی خزائن جلد ۲۲ صفحہ ۵۰۲۔۵۰۳)

حدیث صحیح میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت[5] کی تفسیر کے وقت سلمان فارسیؓ کے کاندھے پر ہاتھ رکھا اور فرمایا لو کان الایمان معلّقا با لثریا لناله رجل من فارس یعنی اگر ایمان ثریا پر یعنی آسمان پر بھی اٹھ گیا ہوگا تب بھی ایک آدمی فارسی الاصل اس کو واپس لائے گا۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ ایک شخص آخری زمانہ میں فارسی الاصل پیدا ہوگا۔ اس زمانہ میں جس کی نسبت لکھا گیا ہے کہ قرآن آسمان پر اٹھایا جائے گا یہی وہ زمانہ ہے جو مسیح موعود کا زمانہ ہے۔ اور یہ فارسی الاصل وہی ہے جس کا نام مسیح موعود ہے۔ کیونکہ صلیبی حملہ جس کے توڑنے کیلئے مسیح موعود کو آنا چاہیے، وہ حملہ ایمان پر ہی ہے اور یہ تمام آثار صلیبی حملہ کے زمانہ کیلئے بیان کئے گئے ہیں اور لکھا ہے کہ اس حملہ کا لوگوں کے ایمان پر بہت برا اثر ہوگا۔ وہی حملہ ہے جس کو دوسرے لفظوں میں دجالی حملہ کہتے ہیں۔ آثار میں ہے کہ اس دجال کے حملہ کے وقت بہت سے نادان خدائے لاشریک کو چھوڑ دیں گے اور بہت سے لوگوں کی ایمانی محبت ٹھنڈی ہو جائے گی۔ اور مسیح موعود کا بڑا بھاری کام تجدید ایمان ہوگا۔ کیونکہ حملہ ایمان پر ہے اور حدیث لو کان الایمان سے جو شخص فارسی الاصل کی نسبت ہے یہ بات ثابت ہے کہ وہ فارسی الاصل ایمان کو دوبارہ قائم کرنے کیلئے آئیگا۔ پس جس حالت میں مسیح موعود اور فارسی الاصل کا زمانہ بھی ایک ہی ہے اور کام بھی ایک ہی ہے یعنی ایمان کو دوبارہ قائم کرنا، اس لئے یقینی طور پر ثابت ہوا کہ مسیح موعود ہی فارسی الاصل ہے اور اسی کی جماعت کے حق میں یہ آیت ہے وَاٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِھِمْ۔[5]

(ایام الصلح ۔ روحانی خزائن جلد ۱۴ صفحہ ۳۰۴۔۳۰۵)

دانیال نبی کی کتاب میں مسیح موعود کے ظہور کا زمانہ وہی لکھا ہے جس میں خدا نے مجھے

---

5. وَاٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِھِمْ. الجمعہ : ۴ (مرتب)

مبعوث فرمایا ہے۔اور لکھا ہے کہ اس وقت بہت لوگ پاک کئے جائینگے اور سفید کئے جائینگے اور آزمائے جائینگے لیکن شریر شرارت کرتے رہینگے اور شریروں میں سے کوئی نہیں سمجھے گا پر دانشور سمجھیں گے۔ اور جس وقت سے دائمی قربانی موقوف کی جائیگی اور مکروہ چیز جو خراب کرتی ہے قائم کی جائیگی ایک ہزار دوسونوے دن ہونگے۔[6] مبارک وہ جو انتظار کرتا ہے اور ایک ہزار تین سو پینتیس روز تک آتا ہے۔ اس پیشگوئی میں مسیح موعود کی خبر ہے جو آخری زمانہ میں ظاہر ہونیوالا تھا۔ سو دانیال نبی نے اس کا یہ نشان دیاہے کہ اس وقت سے جو یہودی اپنی رسم قربانی[7] سوختنی کو چھوڑ دینگے اور بدچلنیوں میں مبتلا ہو جائیں گے ایک ہزار دو سونوے سال ہونگے جب مسیح موعود ظاہر ہو گا۔ سو اس عاجز کے ظہور کا یہی وقت تھا کیونکہ میری کتاب براہین احمدیہ صرف چند سال بعد میرے مامور اور مبعوث ہونے کے چھپ کر

---

6. دن سے مراد دانیال کی کتاب میں سال ہے اور اس جگہ وہ نبی ہجری سال کی طرف اشارہ کرتا ہے جو اسلامی فتح اور غلبہ کا پہلا سال ہے۔ منہ

7. یہود اپنی کتابوں کی تعلیم کے موافق قربانی سوختنی کے پابند تھے جو ہیکل کے آگے بکرے ذبح کرکے آگ میں جلاتے تھے۔ اس میں شریعت کا راز یہ تھا کہ اسی طرح انسان کو خدا تعالیٰ کے آگے اپنے نفس کی قربانی دینی چاہئے اور نفسانی جذبات اور سرکشیوں کو جلا دینا چاہئے۔ اس قربانی کا عملدرآمد کیا ظاہری طور پر اور کیا باطنی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں یہود نے ترک کر دیا تھااور دوسری مکروہات میں مبتلا ہو گئے تھے جیسا کہ ظاہر ہے پس جب حقیقی سوختنی قربانی یہود نے ترک کر دی جس سے مراد خدا کی راہ میں اپنا نفس قربان کرنا اور جذباتِ نفسانیہ کو جلا دینا ہے۔ تب خدا تعالیٰ کے قہری عذاب نے جسمانی قربانی سے بھی اُن کو محروم کر دیا۔ پس یہود کی پوری بدچلنی کا وہ زمانہ تھا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث فرمائے گئے۔ اسی زمانہ میں یہود کا پورا استیصال ہوا۔ اور اسلامی قربانیاں جو حج بیت اللہ میں خانہ کعبہ کے سامنے کی جاتی ہیں یہ دراصل انہیں قربانیوں کے قائم مقام ہیں جو یہود بیت المقدس کے سامنے کرتے تھے۔ صرف فرق یہ ہے کہ اسلام میں سوختنی قربانی نہیں۔ یہود ایک سرکش قوم تھی۔ اُن کے لئے نفسانی جذبات کو جلا دینا ضروری سمجھ کر یہ نشان ظاہری قربانی میں رکھا گیا تھا۔ اسلام کے لئے اس نشان کی ضرورت نہیں صرف اپنے تئیں خدا کی راہ میں قربان کر دینا کافی ہے۔منہ

شائع ہوئی ہے۔ اور یہ عجیب امر ہے اور مَیں اسکو خدا تعالیٰ کا ایک نشان سمجھتا ہوں کہ ٹھیک بارہ سو نوے ہجری میں خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ عاجز شرف مکالمہ و مخاطبہ پا چکا تھا۔ پھر سات سال بعد کتاب براہین احمدیہ جس میں میرا دعویٰ مسطور ہے تالیف ہو کر شائع کی گئی جیسا کہ میری کتاب براہین احمدیہ کے سرورق پر یہ شعر لکھا ہوا ہے :

از بس کہ یہ مغفرت کا دکھلاتی ہے راہ   تاریخ بھی یا غفور[۱۲۹۷] نکلی واہ واہ

سو دانیال نبی کی کتاب میں جو ظہور مسیح موعود کے لئے بارہ سو نوے برس لکھے ہیں اس کتاب براہین احمدیہ میں میری طرف سے مامور اور منجانب اللہ ہونے کا اعلان ہے ۔صرف سات برس اس تاریخ سے زیادہ ہیں جن کی نسبت مَیں ابھی بیان کر چکا ہوں کہ مکالمات الہیہ کا سلسلہ ان سات برس سے پہلے کا ہے یعنی بارہ سو نوے کا۔ پھر آخری زمانہ اس مسیح موعود کا دانیال تیرہ سو پینتیس برس لکھتا ہے جو خدا تعالیٰ کے اس الہام سے مشابہ ہے جو میری عمر کی نسبت بیان فرمایا ہے۔ اور یہ پیشگوئی ظنی نہیں ہے کیونکہ حضرت عیسیٰ کی پیشگوئی جو مسیح موعود کے بارہ میں انجیل میں ہے اس کا اس سے توارد ہو گیا ہے۔ اور وہ بھی یہی زمانہ مسیح موعود کا قرار دیتی ہے۔ چنانچہ اس میں مسیح موعود کے زمانہ کی یہ علامتیں لکھی ہیں کہ ان دنوں میں طاعون پڑے گی، زلزلے آئیں گے،لڑائیاں ہوں گی اور چاند اور سورج کا کسوف خسوف ہو گا۔ پس اس میں کیا شک ہے کہ جس زمانہ کے آثار انجیل ظاہر کرتی ہے اسی زمانہ کی دانیال بھی خبر دیتا ہے اور انجیل کی پیشگوئی دانیال کی پیشگوئی کو قوت دیتی ہے کیونکہ وہ سب باتیں اس زمانہ میں وقوع میں آ گئی ہیں۔

(حقیقۃ الوحی۔ روحانی خزائن جلد۲۲ صفحہ ۲۰۷۔۲۰۸)

کسوف وخسوف

صحیح دارقطنی میں یہ ایک حدیث ہے کہ امام محمد باقر فرماتے ہیں ان لمھدینا ایتین لم تکونا منذخلق السموت والارض ینکسف القمر لاول لیلۃ من رمضان و تنکسف الشمس فی النّصف منہ ترجمہ یعنی ہمارے مہدی کیلئے دو نشان ہیں اور جب سے کہ زمین و آسمان خدا نے پیدا کیا یہ دو نشان کسی اور مامور اور رسول کے وقت میں ظاہر نہیں ہوئے۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ مہدی معہود کے زمانہ میں رمضان کے مہینہ میں چاند کا گرہن اسکی اول رات میں ہوگا یعنی تیرہویں تاریخ میں اور سورج کا گرہن اسکے دنوں میں سے بیچ کے دن میں ہوگا یعنی اسی رمضان کے مہینہ کی اٹھائیسویں ۲۸ تاریخ کو۔ اور ایسا واقعہ ابتدائے دنیا سے کسی رسول یا نبی کے وقت میں کبھی ظہور میں نہیں آیا۔ صرف مہدی معہود کے وقت اس کا ہونا مقدر ہے۔ اب تمام انگریزی اور اردو اخبار اور جملہ ماہرین ہیئت اس بات کے گواہ ہیں کہ میرے زمانہ میں ہی جس کو عرصہ قریباً بارہ ۱۲ سال کا گزر چکا ہے اسی صفت کا چاند اور سورج کا گرہن رمضان کے مہینہ میں وقوع میں آیا ہے۔ اور جیسا کہ ایک اور حدیث میں بیان کیا گیا ہے یہ گرہن دو مرتبہ رمضان میں واقع ہو چکا ہے۔ اول اس ملک میں، دوسرے امریکہ میں اور دونوں مرتبہ انہیں تاریخوں میں ہوا ہے جن کی طرف حدیث اشارہ کرتی ہے۔ اور چونکہ اس گرہن کے وقت میں مہدی معہود ہونے کا مدعی کوئی زمین پر بجز میرے نہیں تھا اور نہ کسی نے میری طرح اس گرہن کو اپنی مہدویت کا نشان قرار دیکر صدہا اشتہار اور رسالے اردو اور فارسی اور عربی میں دنیا میں شائع کئے اس لئے یہ نشان آسمانی میرے لئے متعین ہوا۔ دوسری اس پر دلیل یہ ہے کہ بارہ ۱۲ برس پہلے اس نشان کے ظہور سے خدا تعالیٰ نے اس نشان کے بارے میں مجھے خبر دی تھی کہ ایسا نشان ظہور میں آئیگا۔ اور وہ خبر براہین احمدیہ میں درج ہوکر قبل اسکے جو یہ نشان ظاہر ہو لاکھوں آدمیوں میں مشتہر ہو چکی تھی۔

اور بڑا افسوس ہے کہ ہمارے مخالف سراسر تعصب سے یہ اعتراض کرتے ہیں۔ اول یہ کہ حدیث کے لفظ یہ ہیں کہ چاند گرہن پہلی رات میں ہوگا اور سورج گرہن بیچ کے دن میں، مگر ایسا نہیں ہوا یعنی ان کے زعم کے موافق ”چاند گرہن شب ہلال کو ہونا چاہئے تھا جو قمری مہینہ کی پہلی رات ہے اور سورج گرہن قمری مہینہ کے پندرہویں دن کو ہونا چاہئے تھا جو مہینہ کا بیچواں دن ہے۔“ مگر اس خیال میں سراسر ان لوگوں کی ناسمجھی ہے کیونکہ دنیا جب سے پیدا ہوئی ہے چاند گرہن کیلئے تین راتیں خداتعالیٰ کے قانون قدرت میں مقرر ہیں یعنی تیرہویں۔ چودھویں۔ پندرہویں۔ اور چاند گرہن کی پہلی رات جو خدا تعالیٰ کے قانون قدرت کے مطابق ہے وہ قمری مہینے کی تیرہویں رات ہے۔ اور سورج کے گرہن کیلئے تین دن خدا کے قانون قدرت میں مقرر ہیں یعنی قمری مہینے کا ستائیسواں، اٹھائیسواں اور انتیسواں دن۔ اور سورج کے تین دن گرہن میں سے قمری مہینہ کے رو سے اٹھائیسواں دن بیچ کا دن ہے۔ سو انہی تاریخوں میں عین حدیث کے منشاء کے موافق سورج اور چاند کا رمضان میں گرہن ہوا۔ یعنی چاند گرہن رمضان کی تیرہویں رات میں ہوا اور سورج گرہن اسی رمضان کے اٹھائیسویں دن ہوا۔

اور عرب کے محاورہ میں پہلی رات کا چاند قمر کبھی نہیں کہلاتا بلکہ تین دن تک اس کا نام ہلال ہوتا ہے اور بعض کے نزدیک سات دن کا ہلال کہلاتا ہے۔ دوسرا یہ اعتراض ہے کہ اگر ہم قبول کرلیں کہ چاند کی پہلی رات سے مراد تیرہویں رات ہے اور سورج کے بیچ کے دن سے مراد اٹھائیسواں دن ہے تو اس میں خارق عادت کونسا امر ہوا۔ کیا رمضان کے مہینہ میں کبھی چاند گرہن اور سورج گرہن نہیں ہوا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ رمضان کے مہینہ میں کبھی یہ دونوں گرہن جمع نہیں ہوئے بلکہ یہ مطلب ہے کہ کسی مدعی رسالت یا نبوت کے وقت میں کبھی یہ دونوں گرہن جمع نہیں ہوئے جیسا کہ حدیث کے ظاہر الفاظ اسی پر دلالت کر رہے ہیں۔ اگر کسی کا یہ دعویٰ ہے کہ کسی مدعی نبوت یا رسالت کے وقت میں یہ دونوں گرہن رمضان میں کبھی کسی زمانہ میں جمع ہوئے ہیں تو اس کا فرض ہے کہ

اس کا ثبوت دے۔ خاص کر یہ امر کس کو معلوم نہیں کہ اسلامی سن یعنی تیرہ سَو ۱۳۰۰ برس میں کئی لوگوں نے محض افتراء کے طور پر مہدی موعود ہونے کا دعویٰ بھی کیا بلکہ لڑائیاں بھی کیں۔مگر کون ثابت کرسکتا ہے کہ ان کے وقت میں چاند گرہن اورسورج گرہن رمضان کے مہینہ میں دونوں جمع ہوئے تھے۔ اور جب تک یہ ثبوت پیش نہ کیا جائے تب تک بلا شبہ یہ واقعہ خارقِ عادت ہے۔ کیونکہ خارق عادت اسی کو کہتے ہیں کہ اسکی نظیر دنیا میں نہ پائی جائے۔ اور صرف حدیث ہی نہیں بلکہ قرآن شریف نے بھی اس کی طرف اشارہ کیا ہے دیکھو آیت

وَخَسَفَ الْقَمَرُ وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ۔☆1

تیسرا یہ اعتراض پیش کیا جاتا ہے کہ یہ حدیث مرفوع متصل نہیں ہے صرف امام محمد باقر رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔اس کا جواب یہ ہے کہ ائمہ اہل بیت کا یہی طریق تھا کہ وہ بوجہ اپنی وجاہت ذاتی کے سلسلہ حدیث کو نام بنام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچانا ضروری نہیں سمجھتے تھے۔ ان کی یہ عادت شائع متعارف ہے۔ چنانچہ شیعہ مذہب میں صدہا اسی قسم کی حدیثیں موجود ہیں اورخود امام دارقطنی نے اسکو احادیث کے سلسلہ میں لکھا ہے۔ ما سوا اس کے یہ حدیث ایک غیبی امر پر مشتمل ہے جو تیرہ سو برس کے بعد ظہور میں آ گیا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جس وقت مہدی موعود ظاہر ہو گا اسکے زمانہ میں رمضان کے مہینہ میں چاندگرہن تیرہویں رات کو ہوگا اور اسی مہینہ میں سورج گرہن اٹھائیسویں ۲۸ دن ہو گا اور ایسا واقعہ کسی مدعی کے زمانہ میں بجز مہدی معہود کے زمانہ کے پیش نہیں آئیگا۔ اور ظاہر ہے کہ ایسی کھلی کھلی غیب کی بات بتلانا بجز نبی کے اور کسی کا کام نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں

☆ خدا تعالیٰ نے مختصر لفظوں میں فرما دیا کہ آخری زمانہ کی نشانی یہ ہے کہ ایک ہی مہینہ میں شمس اور قمر کے کسوف خسوف کا اجتماع ہوگا۔ اور اسی آیت کے اگلے حصہ میں فرمایا کہ اسوقت مکذب کوفرار کی جگہ نہیں رہیگی جس سے ظاہر ہے کہ وہ کسوف خسوف مہدی معہود کے زمانہ میں ہو گا۔ خلاصہ یہ ہے کہ چونکہ وہ کسوف خسوف خدا کی پیشگوئی کے مطابق واقع ہو گا اس لئے مکذبوں پر حجت پوری ہو جائے گی۔ منہ

1. القیامة: ۹۔۱۰ (مرتب)

فرماتا ہے لَا یُظۡہِرُ عَلٰی غَیۡبِہٖۤ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارۡتَضٰی مِنۡ رَّسُوۡلٍ [2] یعنی خدا اپنے غیب پر بجز برگزیدہ رسولوں کے کسی کو مطلع نہیں فرماتا۔ پس جبکہ یہ پیشگوئی اپنے معنوں کے رو سے کامل طور پر پوری ہوچکی تو اب یہ کچے بہانے ہیں کہ حدیث ضعیف ہے یا امام محمد باقر کا قول ہے۔ بات یہ ہے کہ یہ لوگ ہرگز نہیں چاہتے کہ کوئی پیشگوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری ہو۔ یا کوئی قرآن شریف کی پیشگوئی پوری ہو۔ دنیا ختم ہونے تک پہنچ گئی مگر بقول ان کے اب تک آخری زمانہ کے متعلق کوئی پیشگوئی پوری نہیں ہوئی۔ اور اس حدیث سے بڑھ کر اور کونسی حدیث صحیح ہوگی جس کے سر پر محدّثین کی تنقید کا بھی احسان نہیں بلکہ اس نے اپنی صحت کو آپ ظاہر کر کے دکھلا دیا کہ وہ صحت کے اعلیٰ درجہ پر ہے۔[3] خدا کے نشانوں کو قبول نہ کرنا یہ اور بات ہے ورنہ یہ عظیم الشان نشان ہے جو مجھ سے پہلے ہزاروں علماء اور محدّثین اس کے وقوع کے امیدوار تھے اور منبروں پر چڑھ چڑھ کر اور رو رو کر اس کو یاد دلایا کرتے تھے۔ چنانچہ سب سے آخر مولوی محمد لکھوکے والے اسی زمانہ میں اسی گرہن کی نسبت اپنی کتاب احوال الآخرت میں ایک شعر لکھ گئے ہیں جس میں مہدی موعود کا وقت بتایا گیا ہے اور وہ یہ ہے:-

تیرہویں چند ستیہویں[4] سورج گرہن ہوسی اس سالے
اندر ماہ رمضانے لکھیا ہک روایت والے

پھر دوسرے بزرگ جن کا شعر صدہا سال سے مشہور چلا آتا ہے یہ لکھتے ہیں:-

درسن غاشی ۱۳۱۱ ہجری دو قراں خواہد بود
از پئے مہدی و دجّال نشاں خواہد بود

---

2 الجنّ : ۲۷۔۲۸ (مرتب)

3. فانها لا تعمى الابصار ولكن تعمى القلوب التى فى الصدور. منه☆

4. شعر میں ستائیسویں ۲۷ کا لفظ سہو کاتب ہے یا خود مولوی صاحب سے بباعث بشریت سہو ہو گیا۔ ورنہ جس حدیث کا یہ شعر ترجمہ ہے اس میں بجائے ستائیس کے اٹھائیسویں تاریخ ہے۔ منہ

☆ الحج: ۴۷ (مرتب)

یعنی چودہویں صدی میں جب چاند اور سورج کا ایک ہی مہینہ میں گرہن ہو گا تب وہ مہدیِ معہود اور دجّال کے ظہور کا ایک نشان ہو گا۔ اس شعر میں ٹھیک سن کسوف خسوف درج ہوا ہے۔

(حقیقۃ الوحی۔ روحانی خزائن جلد۲۲ صفحہ ۲۰۲۔۲۰۵)

دارقطنی کی حدیث ہے کہ مہدی موعود کی یہ بھی نشانی ہے کہ خدا اس کے لئے اس کے زمانہ میں یہ نشان ظاہر کرے گا کہ چاند اپنی مقررہ راتوں میں سے (جو اس کے خسوف کے لئے خدا نے راتیں مقرر کر رکھی ہیں یعنی تیرہویں[۱۳] چودہویں[۱۴] پندرہویں[۱۵]) پہلی رات میں گرہن پذیر ہو گا اور سورج اپنے مقررہ دنوں میں سے (جو اس کے کسوف کے لئے خدا نے دن مقرر کر رکھے ہیں یعنی ۲۷، ۲۸، ۲۹) درمیانی دن میں کسوف پذیر ہو گا اور یہ دونوں خسوف کسوف رمضان میں ہوں گے۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ مہدی کے وقت میں یہ دو مرتبہ واقع ہوں گے۔ چنانچہ یہ دونوں دو مرتبہ میرے زمانہ میں رمضان میں واقع ہو گئے۔ ایک مرتبہ ہمارے اس ملک میں دوسری مرتبہ امریکہ میں۔ اور ہمیں اس بات سے بحث نہیں کہ ان تاریخوں میں کسوف خسوف رمضان کے مہینہ میں ابتدائے دنیا سے آج تک کتنی مرتبہ واقع ہوا ہے۔ ہمارا مدعا صرف اس قدر ہے کہ جب سے نسل انسان دنیا میں آئی ہے نشان کے طور پر یہ خسوف کسوف صرف میرے زمانہ میں میرے لئے واقع ہوا ہے اور مجھ سے پہلے کسی کو یہ اتفاق نصیب نہیں ہوا کہ ایک طرف تو اس نے مہدی موعود ہونے کا دعویٰ کیا ہو اور دوسری طرف اس کے دعوے کے بعد رمضان کے مہینہ میں مقرر کردہ تاریخوں میں خسوف کسوف بھی واقع ہو گیا ہو اور اس نے اس کسوف خسوف کو اپنے لئے ایک نشان ٹھہرایا ہو۔ اور دارقطنی کی حدیث میں یہ تو کہیں نہیں ہے کہ پہلے کبھی کسوف خسوف نہیں ہوا۔ ہاں یہ تصریح سے الفاظ موجود ہیں کہ نشان کے طور پر یہ پہلے کبھی کسوف خسوف نہیں ہوا کیونکہ لم تکونا کا لفظ مؤنث کے صیغہ کے ساتھ دارقطنی میں ہے جس کے یہ معنے ہیں کہ ایسا نشان کبھی ظہور میں نہیں آیا۔ اور اگر یہ مطلب ہوتا کہ کسوف خسوف پہلے کبھی ظہور میں نہیں آیا تو لفظ لم یکونا مذکر کے صیغہ سے چاہئے تھا نہ کہ لم تکونا کہ جو مؤنث کا صیغہ ہے جس سے صریح

معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد آیتین ہے یعنی دو نشان کیونکہ یہ مؤنث کا صیغہ ہے۔ پس جو شخص یہ خیال کرتا ہے کہ پہلے بھی کئی دفعہ خسوف کسوف ہو چکا ہے اس کے ذمہ یہ بار ثبوت ہے کہ وہ ایسے مدعی مہدویت کا پتہ دے جس نے اس کسوف خسوف کو اپنے لئے نشان ٹھہرایا ہو اور یہ ثبوت یقینی اور قطعی چاہئے۔اور یہ صرف اس صورت میں ہو گا کہ ایسے مدعی کی کوئی کتاب پیش کی جائے جس نے مہدی معہود ہونے کا دعویٰ کیا ہو اور نیز یہ لکھا ہو کہ خسوف کسوف جو رمضان میں دارقطنی کی مقررکردہ تاریخوں کے موافق ہوا ہے وہ میری سچائی کا نشان ہے۔غرض صرف خسوف کسوف خواہ ہزاروں مرتبہ ہوا ہو اس سے بحث نہیں۔ نشان کے طور پر ایک مدعی کے وقت صرف ایک دفعہ ہوا ہے اور حدیث نے ایک مدعی مہدویت کے وقت میں اپنے مضمون کا وقوع ظاہر کر کے اپنی صحت اور سچائی کو ثابت کر دیا۔

(چشمہ معرفت۔ روحانی خزائن جلد۲۳ صفحہ ۳۲۹۔۳۳۰ حاشیہ)

آسمان نے رمضان کے کسوف خسوف سے گواہی دی اور یہ گواہی نہ صرف سنیوں کی کتاب دارقطنی میں درج ہے بلکہ شیعوں کی کتاب اکمال الدین نے بھی جو نہایت معتبر سمجھی جاتی ہے یہی حدیث کسوف وخسوف کی مہدی موعود کی علامت لکھی ہے۔

(نزول المسیح۔ روحانی خزائن جلد ۱۸ صفحہ ۳۸۵)

منجّمین نے یہ بھی گواہی دی ہے کہ اس کسوف خسوف میں ایک خاص ندرت تھی یعنی ایک بے مثل اعجوبہ جس کی نظیر نہیں دیکھی گئی۔اور اسی ندرت کے دیکھنے کے لئے ہمارے اس ملک کے ایک حصہ میں انگریزی فلاسفروں کی طرف سے ایک رصدگاہ بنایا گیا تھا اور امریکہ اور یورپ کے دُور دُور کے ملکوں سے انگریزی منجّم کسوف خسوف کی اس طرز عجیب کے دیکھنے کے لئے آئے تھے۔ جیسا کہ اس خسوف کسوف کے ندرت کے حالات ان دنوں میں پرچہ سول ملٹری گزٹ اور ایسا ہی اور کئی انگریزی اخباروں میں اور نیز بعض اردو اخباروں میں بھی مفصل چھپے تھے۔

(تحفہ گولڑویہ۔ روحانی خزائن جلد ۱۷ صفحہ ۱۵۵)

دیکھنا چاہئے کہ چاند اور سورج کا رمضان شریف میں گرہن ہونا کس قدر ایک مشہور پیشگوئی تھی۔ یہاں تک کہ جب ہندوستان میں یہ نشان ظاہر ہوا تو مکہ معظّمہ کی ہر ایک گلی اور کوچہ میں اس کا تذکرہ تھا کہ مہدی موعود پیدا ہو گیا۔ ایک دوست نے جو ان دنوں میں مکّہ میں تھا خط میں لکھا کہ جب مکہ والوں کو سورج اور چاند گرہن کی خبر ہوئی کہ رمضان میں حدیث کے الفاظ کے مطابق گرہن ہو گیا تو وہ سب خوشی سے اچھلنے لگے کہ اب اسلام کی ترقی کا وقت آ گیا اور مہدی پیدا ہو گیا۔

(تحفہ گولڑویہ۔ روحانی خزائن جلد ۱۷ صفحہ ۱۵۴)

ان تیرہ سو برسوں میں بہتیرے لوگوں نے مہدی ہونے کا دعویٰ کیا مگر کسی کے لئے یہ آسمانی نشان ظاہر نہ ہوا۔ بادشاہوں کو بھی جن کو مہدی بننے کا شوق تھا یہ طاقت نہ ہوئی کہ کسی حیلہ سے اپنے لئے رمضان کے مہینہ میں خسوف کسوف کرا لیتے۔ بیشک وہ لوگ کروڑ ہا روپیہ دینے کو تیار تھے اگر کسی کی طاقت میں بجز خدا تعالیٰ کے ہوتا کہ ان کے دعوے کے ایام میں رمضان میں خسوف کسوف کر دیتا۔ مجھے اس خدا کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اس نے میری تصدیق کے لئے آسمان پر یہ نشان ظاہر کیا ہے اور اس وقت ظاہر کیا ہے جبکہ مولویوں نے میرا نام دجّال اور کذاب اور کافر بلکہ اکفر رکھا تھا۔ یہ وہی نشان ہے جس کی نسبت آج سے بیس برس پہلے براہین احمدیہ میں بطور پیشگوئی وعدہ دیا گیا تھا اور وہ یہ ہے۔ قل عندی شهادة من الله فهل انتم مؤمنون. قل عندی شهادة من الله فهل انتم مسلمون۔ یعنی ان کو کہدے کہ میرے پاس خدا کی ایک گواہی ہے۔کیا تم اس کو مانو گے یا نہیں؟ پھر ان کو کہدے کہ میرے پاس خدا کی ایک گواہی ہے۔کیا تم اس کو قبول کرو گے یا نہیں؟ یاد رہے کہ اگرچہ میری تصدیق کے لئے خدا تعالیٰ کی طرف سے بہت گواہیاں ہیں اور ایک سو سے زیادہ وہ پیشگوئی ہے جو پوری ہو چکی جن کے لاکھوں انسان گواہ ہیں۔ مگر اس الہام میں اس پیشگوئی کا ذکر محض تخصیص کے لئے ہے۔ یعنی مجھے ایسا نشان دیا گیا ہے جو آدم سے لے کر اس وقت تک کسی کو نہیں دیا گیا۔ غرض میں خانہ کعبہ میں کھڑا ہو کر قسم کھا

سکتا ہوں کہ یہ نشان میری تصدیق کے لئے ہے نہ کسی ایسے شخص کی تصدیق کیلئے جس کی ابھی تکذیب نہیں ہوئی اور جس پر یہ شور تکفیر اور تکذیب اور تفسیق نہیں پڑا۔

(تحفہ گولڑویہ۔ روحانی خزائن جلد ۱۷ صفحہ ۱۴۲۔۱۴۳)

نویں خصوصیت یسوع مسیح میں یہ تھی کہ جب اسکو صلیب پر چڑھایا گیا تو سورج کو گرہن لگا تھا۔ سو اس واقعہ میں بھی خدا نے مجھے شریک کیا ہے۔ کیونکہ جب میری تکذیب کی گئی تو اس کے بعد نہ صرف سورج بلکہ چاند کو بھی ایک ہی مہینہ میں جو رمضان کا مہینہ تھا گرہن لگا تھا۔ اور نہ ایک دفعہ بلکہ حدیث کے مطابق دو دفعہ یہ واقعہ ہوا۔ ان دونوں گرہنوں کی انجیلوں میں بھی خبر دی گئی ہے۔ اور قرآن شریف میں بھی یہ ہے اور حدیثوں میں بھی جیسا کہ دار قطنی میں۔

(تذکرۃ الشہادتین۔ روحانی خزائن جلد ۲۰ صفحہ ۳۴)

دوسرا نشان مہدی موعود کا یہ ہے کہ اس کے وقت میں ماہ رمضان میں خسوف کسوف ہو گا۔اور پہلے اس سے جیسا کہ منطوق حدیث صاف بتلا رہا ہے کبھی کسی رسول یا نبی یا محدث کے وقت میں خسوف کسوف کا اجتماع رمضان میں نہیں ہوا۔ اور جب سے کہ دنیا پیدا ہوئی ہے کسی مدعی رسالت یا نبوت یا محدثیت کے وقت میں کبھی چاند گرہن اور سورج گرہن اکٹھے نہیں ہوئے۔ اور اگر کوئی کہے کہ اکٹھے ہوئے ہیں تو بار ثبوت اس کے ذمہ ہے۔مگر حدیث کا مفہوم یہ نہیں کہ مہدی کے ظہور سے پہلے چاند گرہن اور سورج گرہن ماہ رمضان میں ہو گا۔ کیونکہ اس صورت میں تو ممکنات میں سے تھا کہ چاند گرہن اور سورج گرہن کو ماہ رمضان میں دیکھ کر ہر یک مفتری مہدی موعود ہونے کا دعویٰ کرے اور امر مشتبہ ہو جائے کیونکہ بعد میں مدعی ہونا سہل ہے۔ اور جب بعد میں کئی مدعی ظاہر ہو گئے تو صاف طور پر کوئی مصداق نہ رہا۔ بلکہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ مہدی موعود کے دعویٰ کے بعد بلکہ ایک مدت گزرنے کے بعد یہ نشان تائید دعویٰ کے طور پر ظاہر ہو جیسا کہ ان لمھدینا اٰیتین ای لتائید دعوی مھدینا اٰیتین صاف دلالت کر رہی ہے اور اس طور سے کسی مفتری کی پیش رفت نہیں جاتی اور

کوئی منصوبہ چل نہیں سکتا کیونکہ مہدی کا ظہور بہت پہلے ہو کر پھر مؤیّد دعوے کے طور پر سورج گرہن بھی ہو گیا۔

(انوار الاسلام۔ روحانی خزائن جلد ۹ صفحہ ۴۸۔۴۹)

آنے والے کا ایک یہ نشان بھی ہے کہ اس زمانہ میں ماہ رمضان میں کسوف وخسوف ہو گا۔ اللہ تعالیٰ کے نشان سے ٹھٹھا کرنے والے خدا سے ٹھٹھا کرتے ہیں۔ کسوف وخسوف کا اس کے دعویٰ کے بعد ہونا یہ ایک ایسا امر تھا جو افترا اور بناوٹ سے بعید تر ہے۔ اس سے پہلے کوئی کسوف وخسوف ایسا نہیں ہوا۔ یہ ایک ایسا نشان تھا کہ جس سے اللہ تعالیٰ کو کل دنیا میں آنے والے کی منادی کرنی تھی۔ چنانچہ اہل عرب نے بھی اس نشان کو دیکھ کر اپنے مذاق کے مطابق درست کہا۔ ہمارے اشتہارات بطور منادی جہاں جہاں نہ پہنچ سکتے تھے وہاں وہاں اس کسوف وخسوف نے آنے والے کے وقت کی منادی کر دی۔ یہ خدا کا نشان تھا جو انسانی منصوبوں سے بالکل پاک تھا۔ خواہ کوئی کیسا ہی فلسفی ہو وہ غور کرے اور سوچے کہ جب مقرر کردہ نشان پورا ہو گیا تو ضرور ہے کہ اس کا مصداق بھی کہیں ہو۔ یہ امر ایسا نہ تھا کہ جو کسی حساب کے ماتحت ہو جیسے کہ فرمایا تھا کہ یہ اس وقت ہو گا جب کوئی مدعی مہدویت ہو چکے گا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ آدمؑ سے لے کر اس مہدی تک کوئی ایسا واقعہ نہیں ہوا۔ اگر کوئی شخص تاریخ سے ایسا ثابت کرے تو ہم مان لیں گے۔

(ملفوظات جلد اول۔ جدید ایڈیشن صفحہ ۳۰۔۳۱)

ہم نے اس بات سے کبھی انکار نہیں کیا کہ پہلے بھی رمضان میں کبھی کسوف خسوف ہوا ہو بلکہ ہم تو نظام شمسی کے قائل ہیں اور ایمان رکھتے ہیں کہ ممکن ہے کبھی پہلے بھی ایسا واقعہ ہو گیا ہو۔ ہمارا دعویٰ تو صرف یہ ہے کہ جن شرائط اور لوازم کا ذکر حدیث دارقطنی میں درج ہے ایسا آج سے پہلے کبھی واقعہ نہیں ہوا۔ مثلاً اس حدیث میں صاف تاریخ مقرر کی گئی ہے کہ چاند گرہن اپنے گرہن کی مقررہ تاریخوں میں سے اول تاریخ میں اور سورج گرہن اپنے گرہن کی مقررہ تاریخوں میں سے ان کے نصف میں یعنی تیرہویں چاند اور اٹھائیسویں کو سورج

گرہن ہو گا اور اس وقت پہلے سے ایک مدعی مہدویّت کا دعویٰ موجود ہو گا نہ کہ سورج گرہن اور چاند گرہن کو دیکھ کر دعویٰ کرے گا بلکہ وہ پیشتر ہی سے دعویٰ موجود ہوگا اور اس کی تائید اور نصرت کے واسطے آسمان پر اس طرح سے چاند اور سورج گرہن ہو گا اور علاوہ ازیں اور اور نشانات زمینی و آسمانی اور دلائل و براہین سے اپنے دعویٰ کو مبرہن کرتا ہو گا اور اس کا دعویٰ خوب طرح سے شہرت پا کر دور دور اطراف میں مشہور ہو گیا ہو گا۔

(ملفوظات جلد پنجم۔ جدید ایڈیشن صفحہ ۴۹۵)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام بطور حکم و عدل

وقد ورد فی اخبار خیر الکائنات علیه افضل الصلوة والتحیات ان المسیح یرفع الاختلافات ویجعله اللّٰه حکما فیحکم فیما شجر بین الامة من اختلاف الاٰراء والاعتقادات فالذین یحکّمونه فی تنازعاتهم ثم لا یجدوا فی انفسهم حرجًا مما قضٰی لرفع اختلافاتهم بل یقبلونه لصفاء نیّٰتهم فاولئک هم المؤمنون حقًا و اولئک من المفلحین.

اور احادیث میں یہ بھی آیا ہے کہ ان اختلافات کو خود مسیح آ کر دور فرمائے گا اور خدا اس کو فیصلہ کیلئے حَکَم مقرر کردے گا۔ پس جو لوگ اس کو حَکَم مان لیں گے اور اسکے فیصلہ سے تنگ دل نہیں ہوں گے اور صفاءِ نیت سے قبول کریں گے وہی سچے مومن ہوں گے۔

(نجم الہدیٰ۔ روحانی خزائن جلد ۱۴ صفحہ ۱۴۷)

وہ دین کو از سرنو زندہ کرے گا اور شریعت کو قائم کر دے گا یعنی بعض غلطیاں جو مسلمانوں میں رائج ہوگئی ہیں اور ناحق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ان غلطیوں کو منسوب کیا جاتا ہے ان سب غلطیوں کو ایک حَکَم کے منصب پر ہو کر دور کر دے گا۔ اور شریعت کو جیسا کہ ابتداء میں سیدھی تھی سیدھی کر کے دکھلا دے گا۔

(براہین احمدیہ حصہ پنجم۔ روحانی خزائن جلد ۲۱ صفحہ ۸۱)

وہ جو مسیح موعود اور حَکَم ہونے کا دعویٰ کرتا ہے کیوں مولوی صاحب اس پر اس قدر ناراض ہیں کہ اس کا کشف دوسروں کے کشف کے برابر بھی نہیں مانتے حالانکہ وہ قرآن کے مطابق ہے۔ جب قرآن اور کشف کا تظاہر ہو گیا بلکہ بعض حدیثوں نے بھی اسکی تائید کی تو پھر تو اسکے قول کو قبول کرنا چاہیے۔ ورنہ مسیح موعود کا نام حَکَم رکھنا کیا فائدہ ...... حَکَم کا لفظ جو مسیح موعود کی نسبت صحیح بخاری میں آیا ہے اسکے ذرہ معنی تو کریں۔ ہم تو ابتک یہی

سمجھتے تھے کہ حَکَم اسکو کہتے ہیں کہ اختلاف رفع کرنے کیلئے اس کا حکم قبول کیا جائے اور اس کا فیصلہ گو وہ ہزار حدیث کو بھی موضوع قرار دے ناطق سمجھا جائے۔

(اعجاز احمدی۔ روحانی خزائن جلد ۱۹ صفحہ ۱۳۸۔۱۳۹)

اصل بات یہ ہے کہ جب کسی شریعت میں بہت سے اختلاف پیدا ہو جائیں تو وہی اختلافات طبعاً چاہتے ہیں کہ ان کے تصفیہ کیلئے کوئی شخص خدا کی طرف سے آوے۔ کیونکہ یہی قدیم سے سنت اللہ ہے۔ جب یہودیوں میں بہت سے اختلافات پیدا ہوئے تو ان کیلئے حضرت عیسیٰ حَکَم بن کر آئے اور جب عیسائیوں اور یہودیوں کے باہمی تنازعات بڑھ گئے تو ان کیلئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خدا تعالیٰ کی طرف سے حَکَم مقرر ہو کر مبعوث ہوئے۔

اب اس زمانہ میں دنیا اختلافات سے بھر گئی۔ ایک طرف یہودی کچھ کہتے ہیں اور عیسائی کچھ ظاہر کرتے ہیں اور امت محمدؐیہ میں الگ باہمی اختلافات ہیں۔ اور دوسرے مشرکین سب کے بر خلاف رائیں ظاہر کرتے ہیں۔ اور اس قدر نئے مذاہب اور نئے عقائد پیدا ہو گئے ہیں کہ گویا ہر ایک انسان ایک خاص مذہب رکھتا ہے۔ اس لئے بموجب سنت اللہ کے ضروری تھا کہ ان سب اختلافات کا تصفیہ کرنے کیلئے کوئی حَکَم آتا۔ سو اسی حَکَم کا نام مسیح موعود اور مہدی مسعود رکھا گیا۔ یعنی با عتبار خارجی نزاعوں کے تصفیہ کے اس کا نام مسیح ٹھہرا اور باعتبار اندرونی جھگڑوں کے فیصلہ کرنے کے اسکو مہدی معہود کر کے پکارا گیا۔ اگرچہ اس بارے میں سنت اللہ اس قدر متواتر تھی کہ کچھ ضرور نہ تھا کہ حدیثوں کے ذریعہ سے یہ ظاہر کیا جاتا کہ ایک شخص حَکَم ہو کر آئے گا جس کا نام مسیح ہو گا۔ لیکن حدیثوں میں یہ پیشگوئی موجود ہے کہ وہ مسیح موعود جو اسی امت میں سے ہو گا وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے حَکَم ہو گا یعنی جس قدر اختلاف داخلی اور خارجی موجود ہیں انکو دور کرنے کیلئے خدا اسے بھیجے گا۔ اور وہی عقیدہ سچا ہو گا جس پر وہ قائم کیا جائیگا کیونکہ خدا اسے راستی پر قائم کریگا۔ اور وہ جو کچھ کہے گا بصیرت سے کہے گا اور کسی فرقہ کا حق نہیں ہو گا کہ اپنے عقیدہ کے اختلاف کیوجہ سے اس سے بحث کرے۔ کیونکہ اس زمانہ میں مختلف عقائد کے باعث منقولی

مسائل جن کی قرآن شریف میں تصریح نہیں مشتبہ ہو جائیں گے اور بباعث کثرت اختلافات تمام اندرونی طور پر جھگڑنے والے یا بیرونی طور پر اختلاف کرنیوالے ایک حَکَم کے محتاج ہونگے جو آسمانی شہادت سے اپنی سچائی ظاہر کرے گا۔ جیسا کہ حضرت عیسیٰ کے وقت میں ہوا اور پھر بعد اسکے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں ہوا۔ سو آخری موعود کے وقت میں بھی ایسا ہی ہوگا۔

(حقیقۃ الوحی۔ روحانی خزائن جلد۲۲صفحہ ۴۵۔۴۶)

اے قابل رحم قوم! میں کب تک تمہیں سمجھاؤں گا۔ خدا تمہیں ضائع ہونے سے بچاوے۔ آپ لوگ کیوں نہیں سمجھتے۔ اور میں کیونکر دلوں کو چاک کر کے سچائی کا نور ان میں ڈال دوں۔ کیا ضرور نہ تھا کہ مسیح حَکَم ہو کر آتا اور کیا مسیح پر یہ فرض تھا کہ باوجود اس کے کہ خدا نے اس کو صحیح علم دیا پھر بھی وہ تمہاری ساری حدیثوں کو مان لیتا۔ کیا اس کو ادنیٰ سے ادنیٰ محدث کا درجہ بھی نہیں دیا گیا۔ اور اس کی تنقید جو علم لدنّی پر مبنی ہے اس کا کچھ بھی اعتبار نہیں۔ اور کیا اس پر واجب ہے کہ پہلے ناقدین حدیث کی شہادت کو ہر جگہ اور ہر مقام اور ہر موقعہ اور ہر تاویل میں قبول کرلے اور ایک ذرہ ان کے قدمگاہ سے انحراف نہ کرے۔ اگر ایسا ہی ہونا چاہئے تھا تو پھر اس کا نام حَکَم کیوں رکھا گیا؟ وہ تو تلمیذ المحدثین ہوا اور ان کی رہنمائی کا محتاج۔ اور جبکہ بہر حال محدثین کی لکیر پر ہی اس نے چلنا ہے تو یہ ایک بڑا دھوکہ ہے کہ اس کا نام یہ رکھا گیا کہ قومی تنازع کا فیصلہ کرنے والا۔ بلکہ اس صورت میں وہ نہ عَدَل رہا نہ حَکَم رہا۔

(تحفہ گولڑویہ۔ روحانی خزائن جلد ۱۷ صفحہ ۱۵۶)

مسلمانوں کے ہاتھ میں اسلامی ہدایتوں پر قائم ہونے کیلئے تین چیزیں ہیں (۱) قرآن شریف جو کتاب اللہ ہے جس سے بڑھ کر ہاتھ میں کوئی کلام قطعی اور یقینی نہیں۔ وہ خدا کا کلام ہے۔ وہ شک اور ظن کی آلائشوں سے پاک ہے (۲) دوسری سنت اور اس جگہ ہم اہلحدیث کی اصطلاحات سے الگ ہو کر بات کرتے ہیں یعنی ہم حدیث اور سنت کو ایک چیز

قرار نہیں دیتے جیسا کہ رسمی محدثین کا طریق ہے۔ بلکہ حدیث الگ چیز ہے اور سنت الگ چیز۔ سنت سے مراد ہماری صرف آنحضرتؐ کی فعلی روش ہے جو اپنے اندر تواتر رکھتی ہے اور ابتداء سے قرآن شریف کے ساتھ ہی ظاہر ہوئی اور ہمیشہ ساتھ ہی رہے گی۔ یا بہ تبدیل الفاظ یوں کہہ سکتے ہیں کہ قرآن شریف خدا تعالیٰ کا قول ہے اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل۔ اور قدیم سے عادۃ اللہ یہی ہے کہ انبیاء علیہم السلام خدا کا قول لوگوں کی ہدایت کیلئے لاتے ہیں تو اپنے عملی فعل سے یعنی عملی طور پر اس قول کی تفسیر کر دیتے ہیں تا اس قول کا سمجھنا لوگوں پر مشتبہ نہ رہے۔ اور اس قول پر آپ بھی عمل کرتے ہیں اور دوسروں سے بھی عمل کراتے ہیں (۳) تیسرا ذریعہ ہدایت کا حدیث ہے۔ اور حدیث سے مراد ہماری وہ آثار ہیں کہ جو قصوں کے رنگ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قریباً ڈیڑھ سو برس بعد مختلف راویوں کے ذریعوں سے جمع کئے گئے ہیں۔ پس سنت اور حدیث میں مابہ الامتیاز یہ ہے کہ سنت ایک عملی طریق ہے جو اپنے ساتھ تواتر رکھتا ہے جس کو آنحضرتؐ نے اپنے ہاتھ سے جاری کیا اور وہ یقینی مراتب میں قرآن شریف سے دوسرے درجہ پر ہے اور جس طرح آنحضرتؐ قرآن شریف کی اشاعت کے لئے مامور تھے ایسا ہی سنت کی اقامت کے لئے بھی مامور تھے۔ پس جیسا کہ قرآن شریف یقینی ہے ایسا ہی سنت معمولہ متواترہ بھی یقینی ہے......

ہماری جماعت کا یہ فرض ہونا چاہئے کہ اگر کوئی حدیث معارض اور مخالف قرآن اور سنت نہ ہو تو خواہ کیسے ہی ادنیٰ درجہ کی حدیث ہو اسپر وہ عمل کریں اور انسان کی بنائی ہوئی فقہ پر اسکو ترجیح دیں۔ اور اگر حدیث میں کوئی مسئلہ نہ ملے اور نہ سنت میں اور نہ قرآن میں مل سکے تو اس صورت میں فقہ حنفی پر عمل کر لیں کیونکہ اس فرقہ کی کثرت خدا کے ارادہ پر دلالت کرتی ہے۔ اور اگر بعض موجودہ تغیرات کی وجہ سے فقہ حنفی کوئی صحیح فتویٰ نہ دے سکے تو اس صورت میں علماء اس سلسلہ کے اپنے خداداد اجتہاد سے کام لیں۔

(ریویو بر مباحثہ بٹالوی و چکڑالوی۔ روحانی خزائن جلد ۱۹ صفحہ ۲۰۹۔۲۱۲)

کتاب وسنت کے جج شرعیہ ہونے میں میرا یہ مذہب ہے کہ کتاب اللہ مقدم اور امام ہے۔ جس امر میں احادیث نبویہ کے معانی جو کئے جاتے ہیں کتاب اللہ کے مخالف واقع نہ ہوں تو وہ معانی بطور حجۃ شرعیہ کے قبول کئے جائینگے۔ لیکن جو معانی نصوص بینہ قرآنیہ سے مخالف واقع ہونگے ان معنوں کو ہم ہرگز قبول نہیں کرینگے۔ بلکہ جہانتک ہمارے لئے ممکن ہوگا ہم اس حدیث کے ایسے معانی کرینگے جو کتاب اللہ کی نص بیّن سے موافق و مطابق ہوں۔ اور اگر ہم کوئی ایسی حدیث پائیں گے جو مخالف نص قرآنِ کریم ہوگی اور کسی صورت سے ہم اس کی تاویل کرنے پر قادر نہیں ہوسکیں گے تو ایسی حدیث کو ہم موضوع قرار دیں گے۔ کیونکہ اللہ جل شانہٗ فرماتا ہے۔ فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ بَعْدَ اللّٰهِ وَ اٰیٰتِهٖ یُؤْمِنُوْنَ.[1] یعنی تم بعد اللہ اور اسکی آیات کے کس حدیث پر ایمان لاؤ گے۔ اس آیت میں صریح اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اگر قرآن کریم کسی امر کی نسبت قطعی اور یقینی فیصلہ دیوے یہانتک کہ اس فیصلہ میں کسی طور سے شک باقی نہ رہ جاوے اور منشاء اچھی طرح سے کھل جائے تو پھر بعد اس کے کسی ایسی حدیث پر ایمان لانا جو صریح اس کے مخالف پڑی ہو مومن کا کام نہیں ہے۔

(الحق مباحثہ لدھیانہ۔ روحانی خزائن جلد۴ صفحہ ۱۱۔۱۲)

ایسے وقت میں مَیں ظاہر ہوا ہوں کہ جب کہ اسلامی عقیدے اختلافات سے بھر گئے تھے اور کوئی عقیدہ اختلاف سے خالی نہ تھا۔ ایسا ہی مسیحؑ کے نزول کے بارے میں نہایت غلط خیال پھیل گئے تھے اور اس عقیدے میں بھی اختلاف کا یہ حال تھا کہ کوئی حضرت عیسیٰ کی حیات کا قائل تھا اور کوئی موت کا۔ اور کوئی جسمانی نزول مانتا تھا اور کوئی بروزی نزول کا معتقد تھا۔ اور کوئی دمشق میں ان کو اتار رہا تھا اور کوئی مکہ میں اور کوئی بیت المقدس میں اور کوئی اسلامی لشکر میں اور کوئی خیال کرتا تھا کہ ہندوستان میں اتریں گے۔ پس یہ تمام مختلف رائیں اور مختلف قول ایک فیصلہ کرنے والے حَکَم کو چاہتے تھے۔ سو وہ حَکَم میں ہوں۔ میں روحانی طور پر کسر صلیب کے لئے اور نیز اختلافات کے دور کرنے کیلئے بھیجا

---

1. الجاثیہ : ۷ (مرتب)

گیا ہوں۔ ان ہی دونوں امروں نے تقاضا کیا کہ میں بھیجا جاؤں۔ میرے لئے ضروری نہیں تھا کہ میں اپنی حقیّت کی کوئی اور دلیل پیش کروں کیونکہ ضرورت خود دلیل ہے لیکن پھر بھی میری تائید میں خدا تعالیٰ نے کئی نشان ظاہر کئے ہیں۔ اور میں جیسا کہ اور اختلافات میں فیصلہ کرنے کے لئے حَکَم ہوں ایسا ہی وفات حیات کے جھگڑے میں بھی حَکَم ہوں۔ اور میں امام مالکؒ اور ابن حزمؒ اور معتزلہ کے قول کو مسیح کی وفات کے بارے میں صحیح قرار دیتا ہوں اور دوسرے اہلسنت کو غلطی کا مرتکب سمجھتا ہوں۔ سو میں بحیثیت حَکَم ہونے کے ان جھگڑا کرنیوالوں میں یہ حکم صادر کرتا ہوں کہ نزول کے اجمالی معنوں میں یہ گروہ اہلسنت کا سچا ہے کیونکہ مسیح کا بروزی طور پر نزول ہونا ضروری تھا ہاں نزول کی کیفیت بیان کرنے میں ان لوگوں نے غلطی کھائی ہے۔ نزول صفت بروزی تھا نہ کہ حقیقی۔ اور مسیح کی وفات کے مسئلہ میں معتزلہ اور امام مالک اور ابن حزم وغیرہ ہمکلام ان کے سچے ہیں کیونکہ بموجب نص صریح آیت کریمہ یعنی آیت فلما توفیتنی کے مسیح کا عیسائیوں کے بگڑنے سے پہلے وفات پانا ضروری تھا۔ یہ میری طرف سے بطور حَکَم کے فیصلہ ہے۔ اب جو شخص میرے فیصلہ کو قبول نہیں کرتا وہ اس کو قبول نہیں کرتا جس نے مجھے حَکَم مقرر فرمایا ہے۔

(ضرورۃ الامام۔ روحانی خزائن جلد۱۳صفحہ ۴۹۵۔۴۹۶)

خدا نے مجھے اطلاع دی ہے تمہارے پر حرام ہے اور قطعی حرام ہے کہ کسی مکفّر اور مکذّب یا متردّد کے پیچھے نماز پڑھو۔ بلکہ چاہئے کہ تمہارا وہی امام ہو جو تم میں سے ہو۔ اسی کی طرف حدیث بخاری کے ایک پہلو میں اشارہ ہے کہ امامکم منکم یعنی جب مسیح نازل ہوگا تو تمہیں دوسرے فرقوں کو جو دعویٰ اسلام کرتے ہیں بکلی ترک کرنا پڑے گا اور تمہارا امام تم میں سے ہوگا۔ پس تم ایسا ہی کرو۔

(تحفہ گولڑویہ۔ روحانی خزائن جلد ۱۷صفحہ ۶۴ حاشیہ)

انی علمت من ربی فی امر الخلافة علٰی وجه التحقیق و بلغت عمق الحقیقة کاھل التدقیق و اظھر علی ربی ان الصدیق والفاروق و عثمان کانوا من اھل الصلاح و الایمان و کانوا من الذین اٰثرھم اللّٰہ وخصوا بمواھب الرحمان.[2]

(سرالخلافہ۔ روحانی خزائن جلد۸صفحہ ۳۲۶)

2. ترجمہ: مجھے اپنے رب کی طرف سے خلافت کے معاملہ کے بارے میں علی وجہ التحقیق علم دیا گیا ہے اور میں اہل تحقیق کی طرح حقیقت کی تہہ تک پہنچا ہوں۔ اور میرے رب نے مجھ پر ظاہر کیا ہے کہ(حضرت ابوبکر)صدیقؓ، (حضرت عمر) فاروقؓ اور(حضرت)عثمانؓ نیک اوراہل ایمان تھے اور ان لوگوں میں سے تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے فضیلت دی تھی اور وہ رحمان خدا کی عنایات کے لئے مخصوص کئے گئے۔(مرتب)

عصمت انبیاء علیہم السلام

گناہوں سے معصوم انبیاء ہیں لیکن دوسرے لوگ توبہ و استغفار کے ذریعہ سے ان سے مشابہت پیدا کر لیتے ہیں۔

(ملفوظات جلد چہارم۔ جدید ایڈیشن صفحہ ۱۶۶)

عصمت انبیا کا یہی راز ہے یعنی نبی کیوں معصوم ہوتے ہیں؟ تو اس کا یہی جواب ہے کہ وہ استغراق محبت الٰہی کے باعث معصوم ہوتے ہیں۔

(ملفوظات جلد سوم۔ جدید ایڈیشن صفحہ ۳۴)

یہی حال انبیاء کی اجتہادی غلطی کا ہے کہ روح القدس تو کبھی ان سے علیحدہ نہیں ہوتا مگر بعض اوقات خدا تعالیٰ بعض مصالح کے لئے انبیاء کے فہم اور ادراک کو اپنے قبضہ میں لے لیتا ہے۔ تب کوئی قول یا فعل سہو یا غلطی کی شکل پر ان سے صادر ہوتا ہے اور وہ حکمت جو ارادہ کی گئی ہے ظاہر ہو جاتی ہے۔ تب پھر وحی کا دریا زور سے چلنے لگتا ہے اور غلطی کو درمیان سے اٹھا دیا جاتا ہے گویا اس کا کبھی وجود نہیں تھا۔ حضرت مسیح ایک انجیر کی طرف دوڑے گئے تا اس کا پھل کھائیں اور روح القدس ساتھ ہی تھا مگر روح القدس نے یہ اطلاع نہ دی کہ اس وقت انجیر پر کوئی پھل نہیں۔ با ایں ہمہ یہ سب لوگ جانتے ہیں کہ شاذ و نادر معدوم کے حکم میں ہوتا ہے۔ پس جس حالت میں ہمارے سید و مولیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دس لاکھ کے قریب قول و فعل میں سراسر خدائی کا ہی جلوہ نظر آتا ہے اور ہر بات میں، حرکات میں، سکنات میں، اقوال میں، افعال میں روح القدس کے چمکتے ہوئے انوار نظر آتے ہیں تو پھر اگر ایک آدھ بات میں بشریت کی بھی بو آوے تو اس سے کیا نقصان۔ بلکہ ضرور تھا کہ بشریت کے تحقق کیلئے کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا تا لوگ شرک کی بلا میں مبتلا نہ ہو جائیں۔

(آئینہ کمالات اسلام۔ روحانی خزائن جلد ۵ صفحہ ۱۱۵۔۱۱۶)

اجتہادی غلطی سب نبیوں سے ہوا کرتی ہے اور اس میں سب ہمارے شریک ہیں۔ اور یہ ضرور ہے کہ ایسا ہوتا تاکہ بشر خدا نہ ہو جائے۔ دیکھو حضرت عیسیٰؑ کے متعلق بھی یہ اعتراض بڑے زور شور سے یہود نے کیا ہے کہ اس نے کہا تھا کہ میں بادشاہت لیکر آیا ہوں اور وہ بات غلط نکلی۔ ممکن ہے کہ حضرت مسیحؑ کو یہ خیال آیا ہو کہ ہم بادشاہ بن جائیں گے۔ چنانچہ تلواریں بھی خرید رکھی ہوئی تھیں مگر یہ ان کی اجتہادی غلطی تھی۔ بعد اسکے خدا نے مطلع کر دیا اور انہوں نے اقرار کیا کہ میری بادشاہت روحانی ہے۔ سادگی انسان کا فخر ہوتا ہے۔ حضرت عیسیٰؑ نے جو کہا سو سادگی سے کہا۔ اس سے ان کی خفت اور بے عزتی نہیں ہوتی۔ ایسا ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے یہ سمجھا تھا کہ ہجرت یمامہ کی طرف ہو گی مگر ہجرت مدینہ طیبہ کی طرف ہوئی۔ اور انگوروں کے متعلق آپؐ نے یہ سمجھا تھا کہ ابوجہل کے واسطے ہیں۔ بعد میں معلوم ہوا کہ عکرمہ کے واسطے ہیں۔ انبیا کے علم میں بھی تدریجاً ترقی ہوتی ہے۔ اس واسطے قرآن شریف میں آیا ہے قُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا (طٰہٰ:۱۱۵)۔ یہ آپؐ کا کمال اور قلب کی طہارت تھی جو آپؐ اپنی غلطی کا اقرار کرتے تھے۔ اس میں انبیاؑ کی خفت کچھ نہیں۔ ایک حکیم ہزاروں بیماروں کا علاج کرتا ہے۔ اگر ایک ان میں سے مر جائے تو کیا حرج ہے۔ اس سے اسکی حکمت میں کچھ داغ نہیں آجاتا۔ کبھی حافظ قرآن کو پیچھے سے لقمہ دیا جاتا ہے تو اس سے یہ نہیں کہا جاتا کہ اب وہ حافظ نہیں رہا۔ جو باتیں متواترات اور کثرت سے ہوتی ہیں ان پر حکم لگایا جاتا ہے۔

(ملفوظات جلد اول۔ جدید ایڈیشن صفحہ ۴۵۵۔۴۵۶)

پیشگوئیوں کی تاویل اور تعبیر میں انبیا علیہم السلام کبھی غلطی بھی کھاتے ہیں۔ جس قدر الفاظ وحی کے ہوتے ہیں وہ تو بلاشبہ اول درجہ کے سچے ہوتے ہیں۔ مگر نبیوں کی عادت ہوتی ہے کہ کبھی اجتہادی طور پر بھی اپنی طرف سے ان کی کسی قدر تفصیل کرتے ہیں۔ اور چونکہ وہ انسان ہیں اس لئے تفسیر میں کبھی احتمال خطا کا ہوتا ہے۔ لیکن امور دینیہ ایمانیہ میں اس خطا کی گنجائش نہیں ہوتی کیونکہ انکی تبلیغ میں من جانب اللہ بڑا اہتمام ہوتا ہے اور وہ نبیوں کو عملی

طور پر بھی سکھلائی جاتی ہیں۔ چنانچہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بہشت اور دوزخ بھی دکھایا گیا اور آیات متواترہ محکمہ بینہ سے جنت اور نار کی حقیقت بھی ظاہر کی گئی ہے۔ پھر کیونکر ممکن تھا کہ اس کی تفسیر میں غلطی کر سکتے۔ غلطی کا احتمال صرف ایسی پیشگوئیوں میں ہوتا ہے جن کو اللہ تعالیٰ خود اپنی کسی مصلحت کیوجہ سے مبہم اور مجمل رکھنا چاہتا ہے اور مسائل دینیہ سے ان کا کچھ علاقہ نہیں ہوتا۔ یہ ایک نہایت دقیق راز ہے جس کے یاد رکھنے سے معرفت صحیحہ مرتبہٴ نبوت کی حاصل ہوتی ہے۔

(ازالہ اوہام۔ روحانی خزائن جلد ۳ صفحہ ۴۷۲۔۴۷۳)

اللہ تعالیٰ کا مسیحؑ کو روحٌ منہ فرمانے سے اصلی مطلب یہ ہے کہ تا ان تمام اعتراضات کا جواب دیا جاوے جو انکی ولادت کے متعلق کئے جاتے ہیں۔ یاد رکھو ولادت دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک ولادت تو وہ ہوتی ہے کہ اس میں روح الٰہی کا جلوہ ہوتا ہے اور ایک وہ ہوتی ہے کہ اس میں شیطانی حصہ ہوتا ہے۔ جیسا کہ قرآن شریف میں بھی آیا ہے کہ وَشَارِكْهُمْ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ (بنی اسرائیل :٦٥)۔ یہ شیطان کو خطاب ہے۔ غرض خدا تعالیٰ نے روحٌ منہ فرما کر یہودیوں کے اس اعتراض کو رد کیا ہے جو وہ نعوذ باللہ حضرت مسیحؑ کی ولادت کو ناجائز ٹھہراتے تھے۔ روحٌ منہ کہہ کر صاف کر دیا کہ ان کی ولادت پاک ہے۔

(ملفوظات جلد سوم۔ جدید ایڈیشن صفحہ ۲۷۰)

صحیح بخاری میں جو یہ حدیث ہے کہ بغیر عیسیٰ بن مریم کے کوئی مس شیطان سے محفوظ نہیں رہا اس جگہ فتح الباری میں اور نیز علامہ زمخشری نے یہ لکھا ہے کہ اس جگہ تمام نبیوں میں سے صرف عیسیٰ کو ہی معصوم ٹھہرانا قرآن شریف کے نصوص صریحہ کے مخالف ہے۔ خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں یہ کہکر کہ اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ [1] تمام نبیوں کو معصوم ٹھہرایا ہے پھر عیسیٰ بن مریم کی کیا خصوصیت ہے۔ اس لئے اس حدیث کے یہ معنی ہیں کہ تمام وہ لوگ جو بروزی طور پر عیسیٰ بن مریم کے رنگ میں ہیں یعنی روح القدس سے حصہ لینے والے اور خدا

1. بنی اسرائیل: ٦٦ (مرتب)

سے پاک تعلق رکھنے والے وہ سب معصوم ہیں اور سب عیسیٰ بن مریم ہی ہیں اور حضرت عیسیٰ کی معصومیت کو خاص طور پر اس لئے ذکر کیا گیا ہے کہ یہودیوں کا یہ بھی اعتراض تھا کہ حضرت عیسیٰ کی ولادت مس شیطان کے ساتھ ہے۔ یعنی مریم کا حمل نعوذ باللہ حلال طور پر نہیں ہوا تھا جس سے حضرت عیسیٰ پیدا ہوئے۔ سو ضرور تھا کہ اس گندے الزام کو دفع کیا جاتا۔

(تحفہ گولڑویہ۔ روحانی خزائن جلد ۱۷صفحہ ۳۰۸ حاشیہ)

شیطان کے تاریک دل سے مشابہت دینا اور وہ جو بقول ان کے خدا سے نکلا ہے اور وہ جو سراسر نور ہے اور وہ جو آسمان سے ہے اور وہ جو علم کا دروازہ اور خدا شناسی کی راہ اور خدا کا وارث ہے اسی کی نسبت نعوذ باللہ یہ خیال کرنا کہ وہ لعنتی ہو کر یعنی خدا سے مردود ہو کر اور خدا کا دشمن ہو کر اور دل سیاہ ہو کر اور برگشتہ ہو کر اور معرفت الٰہی سے نابینا ہو کر شیطان کا وارث بن گیا اور اس لقب کا مستحق ہو گیا جو شیطان کیلئے خاص ہے یعنی لعنت۔ یہ ایک ایسا عقیدہ ہے کہ اس کے سننے سے دل پاش پاش ہوتا ہے اور بدن پر لرزہ پڑتا ہے۔ کیا خدا کے مسیح کا دل خدا سے ایسا برگشتہ ہو گیا جیسے شیطان کا دل؟ کیا خدا کے پاک مسیح پر کوئی ایسا زمانہ آیا جس میں وہ خدا سے بیزار اور درحقیقت خدا کا دشمن ہو گیا۔ یہ بڑی غلطی اور بڑی بے ادبی ہے۔

(ستارہ قیصریہ۔ روحانی خزائن جلد ۱۵صفحہ۱۲۲)

دیگر مذاہب کے مسلمہ بزرگ

ان عیسٰی الا نبی اللہ کانبیاء اٰخرین وان ھو الاخادم شریعۃ النبی المعصوم الذی حرّم اللہ علیہ المراضع حتی اقبل علی ثدی امہ و کلّمہ ربہ علی طور سینین وجعلہ من المحبوبین.

[ترجمہ]: عیسٰی صرف اور نبیوں کی طرح ایک نبی خدا کا ہے اور وہ اُس نبی معصوم کی شریعت کا ایک خادم ہے جس پر تمام دودھ پلانے والی حرام کی گئی تھیں یہانتک کہ اپنی ماں کی چھاتیوں تک پہنچایا گیا اور اس کا خدا کوہ سینا میں اس سے ہمکلام ہوا اور اسکو پیارا بنایا۔

(نورالحق حصہ اوّل۔ روحانی خزائن جلد ۸ صفحہ ۶۸)

اس میں تو کچھ شک نہیں جو حضرت عیسٰے علیہ السلام خدا تعالیٰ کے ایک بزرگ نبی ہیں اور بلا شبہ عیسٰی مسیح خدا کا پیارا، خدا کا برگزیدہ اور دنیا کا نور اور ہدایت کا آفتاب اور جناب الٰہی کا مقرب اور اس کے تخت کے نزدیک مقام رکھتا ہے اور کروڑہا انسان جو اس سے سچی محبت رکھتے ہیں اور اسکی وصیتوں پر چلتے ہیں اور اسکی ہدایات کے کاربند ہیں وہ جہنم سے نجات پائیں گے۔

(گورنمنٹ انگریزی اور جہاد۔ روحانی خزائن جلد ۱۷ صفحہ ۲۶)

ہم ناظرین پر ظاہر کرتے ہیں کہ ہمارا عقیدہ حضرت مسیح علیہ السلام پر نہایت نیک عقیدہ ہے اور ہم دل سے یقین رکھتے ہیں کہ وہ خدا تعالیٰ کے سچے نبی اور اس کے پیارے تھے اور ہمارا اس بات پر ایمان ہے کہ وہ جیسا کہ قرآن شریف ہمیں خبر دیتا ہے اپنی نجات کیلئے ہمارے سیّدومولےٰ محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم پر دل وجان سے ایمان لائے تھے اور حضرت موسٰی علیہ السلام کی شریعت کے صدہا خادموں میں سے ایک مخلص خادم وہ بھی تھے۔ پس ہم ان کی حیثیت کے موافق ہر طرح ان کا ادب ملحوظ رکھتے ہیں۔

(نورالقرآن نمبر ۲۔ روحانی خزائن جلد ۹ صفحہ ۳۷۴)

میں مسیح ابن مریم کی بہت عزت کرتا ہوں کیونکہ میں روحانیت کی رو سے اسلام میں خاتم الخلفاء ہوں جیسا کہ مسیح ابن مریم اسرائیلی سلسلہ کیلئے خاتم الخلفاء تھا۔ موسیٰ کے سلسلہ میں ابن مریم مسیح موعود تھا اور محمدی سلسلہ میں مَیں مسیح موعود ہوں۔ سو میں اسکی عزت کرتا ہوں جس کا ہمنام ہوں۔ اور مفسد اور مفتری ہے وہ شخص جو مجھے کہتا ہے کہ مَیں مسیح ابن مریم کی عزت نہیں کرتا بلکہ مسیح تو مسیح مَیں تو اسکے چاروں بھائیوں کی بھی عزت کرتا ہوں [1] کیونکہ پانچوں ایک ہی ماں کے بیٹے ہیں۔ نہ صرف اسی قدر بلکہ مَیں تو حضرت مسیح کی دونوں حقیقی ہمشیروں کو بھی مقدسہ سمجھتا ہوں۔ کیونکہ یہ سب بزرگ مریم بتول کے پیٹ سے ہیں۔

(کشتی نوح۔ روحانی خزائن جلد ۱۹ صفحہ ۱۷۔۱۸)

ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دوسرے ملکوں کے انبیاء کی نسبت سوال کیا گیا تو آپ نے یہی فرمایا کہ ہر ایک ملک میں خدا تعالیٰ کے نبی گزرے ہیں اور فرمایا کہ کَانَ فِي الْهِنْدِ نَبِيًّا اَسْوَدَ اللَّوْنِ اِسْمُهٗ كَاهِنًا۔ یعنی ہند میں ایک نبی گزرا ہے جو سیاہ رنگ تھا اور نام اسکا کاہن تھا یعنی کنھیّا جس کو کرشن کہتے ہیں .... ہم تو قرآن شریف کی تعلیم کے موافق دنیا کے ہر ایک نبی کو جو مقبول الانام گزرے ہیں عزت اور تعظیم کی راہ سے دیکھتے ہیں اور ان پر ایمان لاتے ہیں .... ہم اس بات کا اعلان کرنا اور اپنے اس اقرار کو تمام دنیا میں شائع کرنا اپنی ایک سعادت سمجھتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور دوسرے نبی سب کے سب پاک اور بزرگ اور خدا کے برگزیدہ تھے۔ ایسا ہی خدا نے جن بزرگوں کے ذریعہ سے پاک ہدائتیں آریہ ورت میں نازل کیں اور نیز بعد میں آنے والے جو آریوں کے مقدس بزرگ تھے جیسا کہ راجہ رامچندر اور کرشن، یہ سب کے سب

---

1. یسوع مسیح کے چار [۴] بھائی اور دو [۲] بہنیں تھیں۔ یہ سب یسوع کے حقیقی بھائی اور حقیقی بہنیں تھیں۔ یعنی سب یوسف اور مریم کی اولاد تھی۔ چار بھائیوں کے نام یہ ہیں۔ یہودا [۱]۔ یعقوب [۲]۔ شمعون [۳]۔ یوزس [۴]۔ اور دو بہنوں کے نام یہ تھے آسیا [۱]۔ لیدیا [۲]۔ دیکھو کتاب اپاسٹولک ریکارڈس مصنّفہ پادری جان ایلن گائلز مطبوعہ لنڈن ۱۸۸۶ء صفحہ ۱۵۹ و ۱۶۶۔ منہ

مقدس لوگ تھے اور ان میں سے تھے جن پر خدا کا فضل ہوتا ہے۔

(چشمہ معرفت۔ روحانی خزائن جلد۲۳ صفحہ ۳۸۲۔۳۸۳)

یہ تو سچ ہے کہ راجہ رامچند ر اور راجہ کرشن درحقیقت پرمیشر نہیں تھے مگر اس میں کیا شک ہے کہ وہ دونوں بزرگ خدا رسیدہ اور اوتار تھے۔ خدا کی نورانی تجلّی اُن پر اتری تھی اس لئے وہ اوتار کہلائے۔

(سناتن دھرم۔ روحانی خزائن جلد ۱۹ صفحہ ۴۷۵ حاشیہ)

ایک بزرگ اوتار جو اس ملک اور نیز بنگالہ میں بڑی بزرگی اور عظمت کے ساتھ مانے جاتے ہیں جن کا نام سری کرشن ہے وہ اپنے ملہم ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور ان کے پیرو نہ صرف ان کو ملہم بلکہ پرمیشر کر کے مانتے ہیں مگر اس میں شک نہیں کہ سری کرشن اپنے وقت کا نبی اور اوتار تھا اور خدا اس سے ہمکلام ہوتا تھا۔

(پیغام صلح۔ روحانی خزائن جلد۲۳ صفحہ ۴۴۵)

اب واضح ہو کہ راجہ کرشن جیسا کہ میرے پر ظاہر کیا گیا ہے درحقیقت ایک ایسا کامل انسان تھا جس کی نظیر ہندوؤں کے کسی رشی اور اوتار میں نہیں پائی جاتی اور اپنے وقت کا اوتار یعنی نبی تھا جس پر خدا کی طرف سے روح القدس اترتا تھا۔ وہ خدا کی طرف سے فتح مند اور بااقبال تھا جس نے آریہ ورت کی زمین کو پاپ سے صاف کیا۔ وہ اپنے زمانہ کا درحقیقت نبی تھا جس کی تعلیم کو پیچھے سے بہت باتوں میں بگاڑ دیا گیا۔ وہ خدا کی محبت سے پُر تھا اور نیکی سے دوستی اور شر سے دشمنی رکھتا تھا۔

(لیکچر سیالکوٹ۔ روحانی خزائن جلد۲۰ صفحہ ۲۲۸۔۲۲۹)

جیسا کہ داؤد خدا تعالیٰ کا پہلوان اور بڑا بہادر تھا اور خدا اس سے پیار کرتا تھا ویسا ہی آریہ ورت میں کرشن تھا۔ پس یہ کہنا درست ہے کہ آریہ ورت کا داؤد کرشن ہی تھا اور اسرائیلی نبیوں کا کرشن داؤد ہی تھا اور یہ بالکل صحیح ہے کہ ہم کہیں کہ داؤد کرشن تھا یا کرشن داؤد تھا۔

(براہین احمدیہ حصہ پنجم۔ روحانی خزائن جلد۲۱ صفحہ ۱۱۷)

ہندوؤں میں سے ایک شخص یعنی باوا نانک صاحب بے تعصب انسان پیدا ہوئے ہیں۔ چونکہ وہ شخص دل کا پاک تھا اس لئے خدا نے اس کو دکھا دیا کہ اسلام سچا ہے۔ اس کے شعروں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اسلام پر فدا شدہ ہے۔ مَیں نے ڈیرہ نانک میں خود جا کر باوا صاحب کے چولہ صاحب کو دیکھا ہے۔ انہوں نے اس چولہ میں قرآن شریف کی آیتیں لکھی ہیں اور جا بجا صاف اقرار کیا ہے کہ لَااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ اور ہر ایک موقعہ پر لکھا ہے کہ بجز اسلام کے کوئی مذہب قبول کرنے کے لائق نہیں۔ اور مَیں نے ملتان میں وہ مسجد دیکھی ہے جہاں باوا صاحب نماز پڑھا کرتے تھے۔ اور ان کے ہاتھ سے یہ لفظ ملتان کی خانقاہ پر مَیں نے لکھا ہوا دیکھا ہے کہ یااللّٰہ اس میں کچھ شک نہیں کہ باوا صاحب پاک دل تھے اور انہوں نے اسلام کی سچائی کے بارے میں بار بار گواہی دی۔ سو کروڑہا ہندوؤں میں سے ایک یہی شخص پیدہوا جس کو خدا نے آنکھ کا نور بخشا اور دل کو صاف کیا اور اپنی محبت عطا کی۔

(چشمہ معرفت۔ روحانی خزائن جلد۲۳ صفحہ ۲۱۶)

باوا نانک صاحب مسلمانوں کے گھر میں پیدا نہیں ہوئے تھے۔ وہ آریہ قوم میں سے تھے مگر خدا کا الہام ان کو اسلام کی طرف کھینچ لایا۔ تاریخ سے ثابت ہے کہ انہوں نے یہ مذہب اسلام اختیار کر کے بعض ہندوؤں سے بڑے دکھ اٹھائے مگر اپنی ثابت قدمی سے ہر ایک دکھ پر صبر کیا۔ انہوں نے بصیرت کی راہ سے اسلام کو قبول کیا نہ صرف تقلید کے طور پر .... خدا نے باوا نانک صاحب کو آسمانی نور عطا کیا تھا۔ اسی نور سے انہوں نے دیکھ لیا کہ اسلام سچا ہے۔ تب بصیرت کی راہ سے نہ تقلید کے طور پر ہر ایک کو انہوں نے اسلام کی طرف بلانا شروع کیا اور کئی اسلامی بزرگوں کی خانقاہوں پر مجاہدات کئے اور تکالیف سفر اٹھا کر پیادہ پا مکہ معظّمہ کا حج بھی کیا اور مدینہ منورہ میں پہنچ کر روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت بھی کی۔

(چشمہ معرفت۔ روحانی خزائن جلد۲۳ صفحہ۳۵۵)

بابا نانک صاحب دراصل مسلمان تھے اور ان لوگوں میں سے تھے جن کا دل غیر کی محبت اور اُنس سے پاک کیا جاتا ہے۔ اور ان کا چولہ جس کو وہ پہنتے تھے اب تک ڈیرہ نانک میں موجود ہے جس پر قرآن شریف کی آیتیں لکھی ہوئی ہیں اور موٹی قلم سے عربی زبان میں یہ لکھا ہوا ہے کہ بجز اسلام کے اور تمام دین باطل ہیں جو خدا تک نہیں پہنچا سکتے۔ اب اس سے زیادہ باوا صاحب موصوف کے اسلام پر اور کیا گواہی ہو گی کہ وہ خود اپنے چولے کی تحریر میں اس بات کا اقرار ظاہر کرتے ہیں کہ زمین پر صرف اسلام ہی وہ مذہب ہے جو سچا اور خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اور مَیں نے ست بچن میں یہ بھی ثابت کیا ہے کہ باوا نانک صاحب مسلمانوں کی طرح نماز بھی پڑھا کرتے تھے اور ایک یا دو حج بھی کئے تھے۔ اور حیات خاں نامی ایک افغان کی لڑکی سے نکاح بھی کیا تھا۔ اور ملتان میں ایک بزرگ کی قبر کی ہمسائیگی میں برابر چالیس۴۰ دن تک چلّہ میں بھی بیٹھے تھے اور کئی اور اہل اللہ کی قبروں پر بھی چلّہ کشی کی۔

(تریاق القلوب۔ روحانی خزائن جلد ۱۵ صفحہ ۲۴۷)

مسئلہ بروز

محی الدین ابن العربی صاحب اپنی ایک کتاب میں جو ان کی آخری کتاب ہے لکھتے ہیں کہ عیسیٰ تو آئیگا مگر بروزی طور پر یعنی کوئی اور شخص اس امت کا عیسیٰ کی صفت پر آ جائیگا۔ صوفیوں کا یہ مقرر شدہ مسئلہ ہے کہ بعض کاملین اسی طرح پر دوبارہ دنیا میں آ جاتے ہیں کہ ان کی روحانیت کسی اور پر تجلی کرتی ہے اور اس وجہ سے وہ دوسرا شخص گویا پہلا شخص ہی ہو جاتا ہے۔ ہندوؤں میں بھی ایسا ہی اصول ہے اور ایسے آدمی کا نام وہ اوتار رکھتے ہیں۔

(براہین احمدیہ حصہ پنجم۔ روحانی خزائن جلد ۲۱ صفحہ ۲۹۱)

بعض وقت بعض گزشتہ صلحاء کی کوئی ہم شکل روح جو نہایت اتحاد ان سے رکھتی ہے دنیا میں آجاتی ہے اور اس روح کو اس روح سے صرف مناسبت ہی نہیں ہوتی بلکہ اس سے مستفیض بھی ہوتی ہے اور اس کا دنیا میں آنا بعینہٖ اس روح کا دنیا میں آنا شمار کیا جاتا ہے۔ اسکو متصوفین کی اصطلاح میں بروز کہتے ہیں۔

(ست بچن۔ روحانی خزائن جلد ۱۰ صفحہ ۱۸۲)

عیسائیوں میں بعض فرقے اس بات کے قائل ہیں کہ مسیح کی آمد ثانی الیاس نبی کی طرح بروزی طور پر ہے۔ یعنی یہ عقیدہ بالکل غلط ہے کہ مسیح زندہ آسمان پر بیٹھا ہے بلکہ درحقیقت وہ فوت ہو چکا ہے۔ اور یہ جو وعدہ ہے کہ آخری زمانہ میں مسیح دوبارہ آئیگا اس آمد ثانی سے مراد ایک ایسے آدمی کا آنا ہے کہ جو عیسیٰ مسیح کی خو اور خلق پر ہوگا نہ یہ کہ عیسیٰ خود آ جائیگا۔

(براہین احمدیہ حصہ پنجم۔ روحانی خزائن جلد ۲۱ صفحہ ۳۴۲)

اصل بات یہ ہے جس کو یاد رکھنا چاہیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو آخری زمانہ کا علم دیا گیا تھا آپؐ نے اس علم کے موافق دو۲ بروزوں کی خبر دی تھی۔ اہل اللہ اس بات کے

قائل ہیں کہ مراتب وجود دوؔرہی ہیں۔ مَیں اس کو مانتا ہوں۔ قرآن شریف سے یہی مستنبط ہوتا ہے۔ صوفیائے کرام اس کو مانتے ہیں کہ کسی گزرے ہوئے انسان کی طبیعت، خو، اخلاق ایک اور میں آتے ہیں۔ اُن کی اصطلاح میں یہ کہتے ہیں کہ فلاں شخص قدم آدم پر ہے یا قدم نوح پر ہے۔ اس کو بعض بروز بھی بولتے ہیں۔ ان کا مذہب یہ ہے کہ ہر زمانے کے لئے بروز ہے۔ جیسے ہابیل کا بروز شیث علیہ السلام اور یہ پہلا بروز تھا۔ ہبل نوحہ کو کہتے ہیں۔ خدا نے شیثؑ کو یہ بروز دیا۔ پھر یہ سلسلہ برابر چلتا گیا یہانتک کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بروز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ اسی لئے قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرَاهِيْمَ حَنِيْفاً۔ (البقرہ: ۱۳۶) فرمایا۔ اس میں یہی سرّ ہے۔ ابراہیمؑ دو اڑھائی ہزار سال کے بعد عبداللہ کے گھر میں ظاہر ہوا۔ غرض بروز کا مذہب ایک متفق علیہ مسئلہ ظہورات کا ہے۔

(ملفوظات جلد اول۔ جدید ایڈیشن صفحہ ۲۹۴۔۲۹۵)

سائل: بروز کسے کہتے ہیں؟

حضرت اقدس: جیسے شیشہ میں انسان کی شکل نظر آتی ہے حالانکہ وہ شکل بذات خود الگ قائم ہوتی ہے اس کا نام بروز ہے۔ اس کا سرّ سورۃ فاتحہ میں ہی ہے جیسے کہ لکھا ہے اِهْدِنَاالصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ. صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِالْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَاالضَّآلِّيْن۔(الفاتحہ: ۶۔۷) تمام مفسّروں نے مغضوب سے مراد یہود اور ضالین سے مراد نصاری لئے ہیں اور پھر یہ آیت ثُمَّ جَعَلْنَاكُمْ خَلٰئِفَ فِي الْاَرْضِ مِنْ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ۔ (یونس:۱۵) اور آیت وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ۔ (الاعراف:۱۳۰) یہ آیتیں بھی اس کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ ایک ان میں سے اہل اسلام کی نسبت ہے اور ایک یہود کی نسبت۔ پس مقابلہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ مَیں ہر طرح کا انعام کروں گا اور پھر دیکھوں گا کہ کس طرح شکر کرتے ہو۔

اب دیکھنے والی بات یہ ہے کہ اہل یہود کو کونسی بڑی مصیبت تھی۔ تو وہ دو بڑی مصیبتیں ہیں۔ ایک یہ کہ عیسیٰ علیہ السلام کا انکار کیا گیا اور ایک یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کیا

گیا۔ پس مماثلت کے لحاظ سے مسلمانوں کے لئے بھی وہی دو انکار لکھے تھے۔ مگر وہاں شمار میں الگ الگ دو وجود تھے اور یہاں نام الگ الگ ہیں۔ مگر وہ وجود جس میں ان دونوں کا بروز ہو ایک ہی ہے۔ ایک بروز عیسوی اور ایک محمدی۔ اور صرف نام کے لحاظ سے اہل اسلام یہود کے بروز اس طرح سے قرار پائے کہ انہوں نے مسیح اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کر دیا اور وہ مماثلت پوری ہوگئی۔ اور آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ اس امت میں بروزی طور پر وہی کرتوت یہودیوں والی پوری ہونی تھی اور یہ اس طرف اشارہ کرتی تھیں کہ آنے والا دو رنگ لے کر آویگا۔ اسی لئے مہدی اور مسیح کے زمانہ کی علامات ایک ہی ہیں اور ان دونو کا فعل بھی ایک ہی۔

(ملفوظات جلد سوم۔ جدید ایڈیشن صفحہ ۴۱۷۔۴۱۸)

مَیں بموجب آیت وَاٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِھِمْ[1] بروزی طور پر وہی نبی خاتم الانبیاء ہوں۔ اور خدا نے آج سے بیس برس پہلے براہین احمدیہ میں میرا نام محمدؐ اور احمد رکھا ہے اور مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی وجود قرار دیا ہے۔ پس اس طور سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم الانبیاء ہونے میں میری نبوت سے کوئی تزلزل نہیں آیا۔ کیونکہ ظل اپنے اصل سے علیحدہ نہیں ہوتا۔ اور چونکہ مَیں ظلّی طور پر محمد ہوں صلی اللہ علیہ وسلم پس اس طور سے خاتم النبیین کی مہر نہیں ٹوٹی۔ کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت محمدؐ تک ہی محدود رہی۔ یعنی بہر حال محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی نبی رہا نہ اور کوئی۔ یعنی جب کہ میں بروزی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہوں اور بروزی رنگ میں تمام کمالات محمدیؐ مع نبوت محمدیّہ کے میرے آئینہ ظلّیت میں منعکس ہیں تو پھر کونسا الگ انسان ہوا جس نے علیحدہ طور پر نبوت کا دعویٰ کیا۔ بھلا اگر مجھے قبول نہیں کرتے تو یوں سمجھ لو کہ تمہاری حدیثوں میں لکھا ہے کہ مہدی موعود خَلق اور خُلق میں ہم رنگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہوگا اور اُس کا اسم آنجنابؐ کے اسم سے مطابق ہوگا یعنی اس کا نام بھی محمدؐ اور احمدؐ ہوگا اور اُس کے اہل بیت میں سے

1. الجمعة : ۴ (مرتب)

ہو گا۔[2] اور بعض حدیثوں میں ہے کہ مجھ میں سے ہو گا۔ یہ عمیق اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ وہ روحانیت کے رو سے اسی نبی میں سے نکلا ہوا ہو گا اور اسی کی روح کا روپ ہو گا۔ اس پر نہایت قوی قرینہ یہ ہے کہ جن الفاظ کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

---

2. یہ بات میرے اجداد کی تاریخ سے ثابت ہے کہ ایک دادی ہماری شریف خاندان سادات سے اور بنی فاطمہ میں سے تھی۔ اسکی تصدیق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کی اور خواب میں مجھے فرمایا کہ **سلمان منّا اهل البيت علىٰ مشرب الحسن** میرانام سلمان رکھا۔ یعنی دوسلم۔ اور سلم عربی میں صلح کو کہتے ہیں یعنی مقدر ہے کہ دو صلح میرے ہاتھ پر ہونگی۔ ایک اندرونی کہ جو اندرونی بغض اور شحنا کو دور کریگی۔ دوسری بیرونی کہ جو بیرونی عداوت کے وجوہ کو پامال کر کے اور اسلام کی عظمت دکھا کر غیر مذہب والوں کو اسلام کی طرف جھکا دیگی۔ معلوم ہوتا ہے کہ حدیث میں جو سلمان آیا ہے اس سے بھی مَیں مراد ہوں۔ ورنہ اُس سلمان پر دو صلح کی پیشگوئی صادق نہیں آتی۔ اور مَیں خدا سے وحی پا کر کہتا ہوں کہ مَیں بنی فارس میں سے ہوں اور بموجب اس حدیث کے جو کنز العمال میں درج ہے بنی فارس بھی بنی اسرائیل اور اہل بیت میں سے ہیں اور حضرت فاطمہؓ نے کشفی حالت میں اپنی ران پر میرا سر رکھا اور مجھے دکھایا کہ مَیں اس میں سے ہوں۔ چنانچہ یہ کشف براہین احمدیہ میں موجود ہے۔ منہ ☆

☆ براہین احمدیہ میں یہ کشف بایں الفاظ درج ہے۔" اور ایسا ہی الہام متذکرہ بالا میں جو آل رسول پر درود بھیجنے کا حکم ہے۔ سو اس میں سرّ یہی ہے کہ افاضہ انوار الٰہی میں محبت اہل بیت کو بھی بہت عظیم دخل ہے اور جو شخص حضرت احدیت کے مقربین میں داخل ہوتا ہے وہ انہیں طیّبین طاہرین کی وراثت پاتا ہے اور تمام علوم ومعارف میں اُن کا وارث ٹھہرتا ہے۔ اس جگہ ایک نہایت روشن کشف یاد آیا۔ اور وہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ نماز مغرب کے بعد عین بیداری میں ایک تھوڑی سی غیبت حس سے جو خفیف سے نشا سے مشابہ تھی ایک عجیب عالم ظاہر ہوا کہ پہلے ایک دفعہ چند آدمیوں کے جلد جلد آنے کی آواز آئی جیسی بسرعت چلنے کی حالت میں پاؤں کی جوتی اور موزہ کی آواز آتی ہے پھر اُسی وقت پانچ آدمی نہایت وجیہہ اور مقبول اور خوبصورت سامنے آگئے یعنی جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم وحضرت علیؓ وحسنینؓ و فاطمہ زہرا رضی اللہ عنھم اجمعین۔ اور ایک نے اُن میں سے اور ایسا یاد پڑتا ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے نہایت محبت اور شفقت سے مادر مہربان کی طرح اس عاجز کا سر اپنی ران پر رکھ لیا۔ پھر بعد اس کے ایک کتاب مجھ کو دی گئی جس کی نسبت یہ بتلایا گیا کہ یہ تفسیر قرآن ہے جس کو علیؓ نے تالیف کیا ہے اور اب علیؓ وہ تفسیر تجھ کو دیتا ہے۔ **فالحمدللّٰہِ علیٰ ذالک**۔ (مرتب)

تعلق بیان کیا یہاں تک کہ دونوں کے نام ایک کر دیئے، ان الفاظ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس موعود کو اپنا بروز بیان فرمانا چاہتے ہیں جیسا کہ حضرت موسیٰؑ کا یشوعا بروز تھا۔ او ر بروز کے لئے یہ ضرور نہیں کہ بروزی انسان صاحبِ بروز کا بیٹا یا نواسہ ہو۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ روحانیت کے تعلقات کے لحاظ سے شخص مورد بروز صاحبِ بروز میں سے نکلا ہوا ہو۔ اور ازل سے باہمی کشش اور باہمی تعلق درمیان ہو۔ سو یہ خیال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان معرفت کے سراسر خلاف ہے کہ آپ اس بیان کو تو چھوڑ دیں جو اظہار مفہوم بروز کیلئے ضروری ہے اور یہ امر ظاہر کرنا شروع کر دیں کہ وہ میرا نواسہ ہوگا۔ بھلا نواسہ ہونے سے بروز کو کیا تعلق۔ اور اگر بروز کیلئے یہ تعلق ضروری تھا تو فقط نواسہ ہونے کی ایک ناقص نسبت کیوں اختیار کی گئی، بیٹا ہونا چاہئے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی کلام پاک میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی کے باپ ہونے کی نفی کی ہے لیکن بروز کی خبر دی ہے۔ اگر بروز صحیح نہ ہوتا تو پھر آیت وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ [3] میں اُس موعود کے رفیق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کیوں ٹھہرتے اور نفی بروز سے اِس آیت کی تکذیب لازم آتی ہے۔ جسمانی خیال کے لوگوں نے کبھی اس موعود کو حسنؓ کی اولاد بنایا اور کبھی حسینؓ کی اور کبھی عباسؓ کی۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صرف یہ مقصود تھا کہ وہ فرزندوں کی طرح اس کا وارث ہو گا۔ اس کے نام کا وارث، اس کے خُلق کا وارث، اس کے علم کا وارث، اس کی روحانیت کا وارث اور ہر ایک پہلو سے اپنے اندر اس کی تصویر دکھلائے گا۔ اور وہ اپنی طرف سے نہیں بلکہ سب کچھ اس سے لیگا اور اُس میں فنا ہو کر اُس کے چہرے کو دکھائیگا۔ پس جیسا کہ ظلّی طور پر اُس کا نام لیگا، اُس کا خُلق لیگا، اُس کا علم لیگا ایسا ہی اُس کا نبی لقب بھی لیگا کیونکہ بروزی تصویر پوری نہیں ہوسکتی جب تک کہ یہ تصویر ہر ایک پہلو سے اپنے اصل کے کمال اپنے اندر نہ رکھتی ہو۔ پس چونکہ نبوت بھی نبی میں ایک کمال ہے اس لئے ضروری ہے کہ تصویر بروزی میں وہ کمال بھی

---

3. الجمعة: ۴ (مرتب)

نمودار ہو۔تمام نبی اس بات کو مانتے چلے آئے ہیں کہ وجود بروزی اپنے اصل کی پوری تصویر ہوتی ہے یہاں تک کہ نام بھی ایک ہو جاتا ہے۔ پس اس صورت میں ظاہر ہے کہ جس طرح بروزی طور پر محمدؐ اور احمدؐ نام رکھے جانے سے دو محمدؐ اور دو احمدؐ نہیں ہو گئے اسی طرح بروزی طور پر نبی یا رسول کہنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ خاتم النبیین کی مہر ٹوٹ گئی ۔ کیونکہ وجود بروزی کوئی الگ وجود نہیں۔ اس طرح پر تو محمدؐ کے نام کی نبوت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک ہی محدود رہی۔ تمام انبیاء علیہم السلام کا اس پر اتفاق ہے کہ بروز میں دوئی نہیں ہوتی۔ کیونکہ بروز کا مقام اس مضمون کا مصداق ہوتا ہے کہ:

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی
تا کس نگوید بعد زیں من دیگرم تو دیگری

(ایک غلطی کا ازالہ۔ روحانی خزائن جلد ۱۸ صفحہ ۲۱۲۔۲۱۴)

خلافت

خلیفہ کے معنے جانشین کے ہیں جو تجدید دین کرے۔ نبیوں کے زمانہ کے بعد جو تاریکی پھیل جاتی ہے اسکو دور کرنے کے واسطے جو ان کی جگہ آتے ہیں انہیں خلیفہ کہتے ہیں۔ مثلاً گزشتہ انبیا میں جو خلیفے ہوئے وہ وہ تھے جو مقاصد توریت کے کھول کر بیان کیا کرتے تھے ورنہ تعلیم سب کی ایک ہی تھی ۔

(ملفوظات جلد دوم۔ جدید ایڈیشن صفحہ ۲۶۶)

سورۃ نور میں خدا تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ مسلمانوں میں سے آخری دنوں تک ان کے دین کی تقویت کے لئے خلیفے پیدا کرتا رہے گا اور ان کے ذریعہ سے خوف کے بعد امن کی صورت پیدا کر دے گا۔ آخری دنوں تک خلیفوں کا پیدا ہونا اس قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بموجب نص صریح قرآن شریف کے اسلام کا دور دنیا کے آخری دنوں تک ہے۔ پس ماننا پڑا کہ اسلام میں بھی ایک خاتم الخلفاء ہے جیسا کہ حضرت موسیٰ کے سلسلہ میں حضرت عیسیٰ خاتم الخلفاء تھے۔ اور یہ عجیب راز ہے کہ جیسا کہ حضرت عیسیٰؑ حضرت موسیٰ سے بموجب قول یہود کے چودھویںصدی میں پیدا ہوئے اسی طرح اسلام کا خاتم الخلفاء اسی مدت کے بعد مبعوث ہوا۔

(چشمہ معرفت ۔روحانی خزائن جلد ۲۳ صفحہ ۳۳۳ حاشیہ)

خدا تعالےٰ نے دائمی خلیفوں کا وعدہ دیا تا وہ ظلّی طور پر انوار نبوت پا کر دنیا کو ملزم کریں اور قرآن کریم کی خوبیاں اور اسکی پاک برکات لوگوں کو دکھلاویں۔

(شہادت القرآن۔ روحانی خزائن جلد ۶ صفحہ ۳۴۲)

پھر بعض اور آیات ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ضرور خداوند کریم نے یہی ارادہ فرمایا ہے کہ روحانی معلم جو انبیاء کے وارث ہیں ہمیشہ ہوتے رہیں اور وہ یہ ہیں۔ وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ

اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ [1] وَ لَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا تُصِيْبُهُمْ بِمَا صَنَعُوْا قَارِعَةٌ اَوْ تَحُلُّ قَرِيْبًا مِّنْ دَارِهِمْ حَتّٰى يَاْتِيَ وَعْدُ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ الجزنمبر۱۳ [2] وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا [3] یعنی خدا تعالیٰ نے تمہارے لئے اے مومنانِ امت محمدیہؐ وعدہ کیا ہے کہ تمہیں بھی وہ زمین میں خلیفہ کرے گا جیسا کہ تم سے پہلوں کو کیا اور ہمیشہ کفار پر کسی قسم کی کوفتیں جسمانی ہوں یا روحانی پڑتی رہیں گی یا ان کے گھر سے نزدیک آ جائیں گی یہانتک کہ خدا تعالیٰ کا وعدہ آ پہنچے گا۔ اور خدا تعالیٰ اپنے وعدوں میں تخلف نہیں کرتا۔ اور ہم کسی قوم پر عذاب نازل نہیں کرتے جب تک ایک رسول بھیج نہ لیں۔

ان آیات کو اگر کوئی شخص تامل اور غور کی نظر سے دیکھے تو میں کیونکر کہوں کہ وہ اس بات کو سمجھ نہ جائے کہ خدا تعالیٰ اس امت کے لئے خلافت دائمی کا صاف وعدہ فرماتا ہے۔ اگر خلافت دائمی نہیں تھی تو شریعت موسوی کے خلیفوں سے تشبیہ دینا کیا معنی رکھتا تھا۔ اور اگر خلافت راشدہ صرف تیس برس تک رہ کر پھر ہمیشہ کیلئے اس کا دور ختم ہو گیا تھا تو اس سے لازم آتا ہے کہ خدا تعالیٰ کا ہرگز یہ ارادہ نہ تھا کہ اس امت پر ہمیشہ کیلئے ابوابِ سعادت مفتوح رکھے کیونکہ روحانی سلسلہ کی موت سے دین کی موت لازم آتی ہے۔ اور ایسا مذہب ہرگز زندہ نہیں کہلا سکتا جس کے قبول کرنے والے خود اپنی زبان سے ہی یہ اقرار کریں کہ تیرہ سو برس سے یہ مذہب مرا ہوا ہے اور خدا تعالیٰ نے اس مذہب کے لئے ہرگز یہ ارادہ نہیں کیا کہ حقیقی زندگی کا وہ نور جو نبی کریمؐ کے سینہ میں تھا وہ توارث کے طور پر دوسروں میں چلا آوے۔

افسوس کہ ایسے خیال پر جمنے والے خلیفہ کے لفظ کو بھی جو استخلاف سے مفہوم ہوتا ہے تدبر سے نہیں سوچتے کیونکہ خلیفہ جانشین کو کہتے ہیں اور رسول کا جانشین حقیقی معنوں کے لحاظ سے وہی ہوسکتا ہے جو ظلّی طور پر رسول کے کمالات اپنے اندر رکھتا ہو۔ اس واسطے رسول کریمؐ نے نہ

---

1. النور : ۵۶ (مرتب)
2. الرعد: ۳۲ (مرتب)
3. بنی اسرائیل : ۱۶ (مرتب)

چاہا کہ ظالم بادشاہوں پر خلیفہ کا لفظ اطلاق ہو۔ کیونکہ خلیفہ درحقیقت رسول کا ظل ہوتا ہے اور چونکہ کسی انسان کیلئے دائمی طور پر بقا نہیں لہٰذا خداتعالیٰ نے ارادہ کیا کہ رسولوں کے وجود کو جو تمام دنیا کے وجودوں سے اشرف و اولیٰ ہیں ظلّی طور پر ہمیشہ کیلئے تا قیامت قائم رکھے۔ سو اسی غرض سے خدا تعالیٰ نے خلافت کو تجویز کیا تا دنیا کبھی اور کسی زمانہ میں برکات رسالت سے محروم نہ رہے۔ پس جو شخص خلافت کو صرف تیس برس تک مانتا ہے وہ اپنی نادانی سے خلافت کی علت غائی کو نظرانداز کرتا ہے اور نہیں جانتا کہ خدا تعالیٰ کا یہ ارادہ تو ہرگز نہیں تھا کہ رسول کریمؐ کی وفات کے بعد صرف تیس برس تک رسالت کی برکتوں کو خلیفوں کے لباس میں قائم رکھنا ضروری ہے پھر بعد اسکے دنیا تباہ ہو جائے تو ہو جائے کچھ پرواہ نہیں۔ بلکہ پہلے دنوں میں تو خلیفوں کا ہونا بجز شوکت اسلام پھیلانے کے کچھ اور زیادہ ضرورت نہیں رکھتا تھا کیونکہ انوارِ رسالت اور کمالات نبوت تازہ بتازہ پھیل رہے تھے اور ہزارہا معجزات بارش کی طرح ابھی نازل ہو چکے تھے۔ اور اگر خدا تعالیٰ چاہتا تو اسکی سنت اور قانون سے یہ بھی بعید نہ تھا کہ بجائے ان چار خلیفوں کے اس تیس برس کے عرصہ تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر کو ہی بڑھا دیتا۔ اس حساب سے تیس برس کے ختم ہونے تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کل ۹۳ برس کی عمر تک پہنچتے اور یہ اندازہ اس زمانہ کی مقرر عمروں سے نہ کچھ زیادہ اور نہ اُس قانونِ قدرت سے کچھ بڑھ کر ہے جو انسانی عمروں کے بارے میں ہماری نظر کے سامنے ہے۔

پس یہ حقیر خیال خدا تعالیٰ کی نسبت تجویز کرنا کہ اسکو صرف اس امت کے تیس برس کا ہی فکر تھا اور پھر اسکو ہمیشہ کے لئے ضلالت میں چھوڑ دیا اور وہ نور جو قدیم سے انبیاء سابقین کی امت میں خلافت کے آئینہ میں وہ دکھلاتا رہا اس امت کے لئے دکھلانا اسکو منظور نہ ہوا۔ کیا عقل سلیم خدائے رحیم وکریم کی نسبت ان باتوں کو تجویز کریگی ہرگز نہیں۔ اور پھر یہ آیت خلافت ائمہ پر گواہ ناطق ہے۔ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُوْنَ [4] کیونکہ یہ آیت صاف صاف پکار رہی ہے کہ اسلامی خلافت دائمی

4. الانبياء : ۱۰۶ (مرتب)

ہے اسلئے کہ یرثھا کا لفظ دوام کو چاہتا ہے۔ وجہ یہ کہ اگر آخری نوبت فاسقوں کی ہوتو زمین کے وارث وہی قرار پائینگے نہ کہ صالح اور سب کا وارث وہی ہوتا ہے جو سب کے بعد ہو۔

(شہادت القرآن۔ روحانی خزائن جلد ۶ صفحہ ۳۵۲۔۳۵۴)

اللہ جلّشانہ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحَافِظُوۡنَ [5] یعنی ہم نے ہی اس کتاب کو اتارا اور ہم ہی اس تنزیل کی محافظت کریں گے .... اور قرآن کی حفاظت صرف اسی قدر نہیں جو اسکے صحف مکتوبہ کو خوب نگہبانی سے رکھیں کیونکہ ایسے کام تو اوائل حال میں یہود اور نصاریٰ نے بھی کیئے یہانتک کہ توریت کے نقطے بھی گن رکھے تھے۔ بلکہ اس جگہ مع حفاظت ظاہری حفاظت فوائد و تاثیرات قرآنی مراد ہے اور وہ موافق سنت اللہ کے تبھی ہوسکتی ہے کہ جب وقتاً فوقتاً نائب رسول آویں جن میں ظلّی طور پر رسالت کی تمام نعمتیں موجود ہوں اور جن کو وہ تمام برکات دی گئی ہوں جو نبیوں کو دی جاتی ہوں جیسا کہ ان آیات میں اسی امر عظیم کی طرف اشارہ ہے اور وہ یہ ہے:

وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡکُمۡ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسۡتَخۡلِفَنَّہُمۡ فِی الۡاَرۡضِ کَمَا اسۡتَخۡلَفَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِہِمۡ وَلَیُمَکِّنَنَّ لَہُمۡ دِیۡنَہُمُ الَّذِی ارۡتَضٰی لَہُمۡ وَلَیُبَدِّلَنَّہُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ خَوۡفِہِمۡ اَمۡنًا یَعۡبُدُوۡنَنِیۡ لَا یُشۡرِکُوۡنَ بِیۡ شَیۡئًا وَمَنۡ کَفَرَ بَعۡدَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡفٰسِقُوۡنَ۔ [6]

پس یہ آیت درحقیقت اس دوسری آیت اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَ اِنَّا لَہٗ لَحَافِظُوۡنَ [7] کے لئے بطور تفسیر کے واقعہ ہے اور اس سوال کا جواب دے رہی ہے کہ حفاظتِ قرآن کیونکر اور کس طور سے ہوگی۔ سو خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اس نبی کریم کے خلیفے وقتاً فوقتاً بھیجتا رہونگا۔ اور خلیفہ کے لفظ کو اشارہ کیلئے اختیار کیا گیا کہ وہ نبی کے جانشین ہونگے اور اسکی برکتوں میں سے حصہ پائینگے جیسا کہ پہلے زمانوں میں ہوتا رہا۔ اور انکے ہاتھ سے برجائی دین کی ہوگی اور خوف کے بعد امن پیدا ہوگا یعنے ایسے وقتوں میں آئینگے کہ جب اسلام تفرقہ میں پڑا ہوگا۔ پھر انکے

5. الحجر: ۱۰ (مرتب)

6. النور: ۵۶ (مرتب)

7. الحجر: ۱۰ (مرتب)

آنے کے بعد جو ان سے سرکش رہیگا وہی لوگ بدکار اور فاسق ہیں۔ یہ اس بات کا جواب ہے کہ بعض جاہل کہا کرتے ہیں کہ کیا ہم پر اولیاء کا ماننا فرض ہے۔ سو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ بیشک فرض ہے اور ان سے مخالفت کرنے والے فاسق ہیں اگر مخالفت پر ہی مریں۔

(شہادت القرآن۔ روحانی خزائن جلد ۶ صفحہ ۳۳۸۔۳۳۹)

خلفاء کے آنے کو اللہ تعالیٰ نے قیامت تک لمبا کیا ہے اور اسلام میں یہ ایک شرف اور خصوصیت ہے کہ اسکی تائید اور تجدید کے واسطے ہر صدی پر مجدد آتے رہے اور آتے رہیں گے۔ دیکھو اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تشبیہہ دی ہے جیسا کہ کما کے لفظ سے ثابت ہوتا ہے۔ شریعت موسوی کے آخری خلیفہ حضرت عیسیٰ تھے جیسا کہ خود وہ فرماتے ہیں کہ میں آخری اینٹ ہوں۔ اسی طرح شریعت محمدی میں بھی اسکی خدمت اور تجدید کے واسطے ہمیشہ خلفاء آئے اور قیامت تک آتے رہیں گے۔

(ملفوظات جلد پنجم۔ جدید ایڈیشن صفحہ ۵۵۱)

صوفیاء نے لکھا ہے کہ جو شخص کسی شیخ یا رسول اور نبی کے بعد خلیفہ ہونے والا ہوتا ہے تو سب سے پہلے خدا کی طرف سے اس کے دل میں حق ڈالا جاتا ہے۔ جب کوئی رسول یا مشائخ وفات پاتے ہیں تو دنیا پر ایک زلزلہ آجاتا ہے اور وہ ایک بہت ہی خطرناک وقت ہوتا ہے مگر خدا تعالیٰ کسی خلیفہ کے ذریعہ اس کو مٹاتا ہے اور پھر گویا اس امر کا از سرنو اس خلیفہ کے ذریعہ اصلاح و استحکام ہوتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیوں اپنے بعد خلیفہ مقرر نہ کیا؟ اس میں بھی یہی بھید تھا کہ آپ کو خوب علم تھا کہ اللہ تعالیٰ خود ایک خلیفہ مقرر فرما دے گا کیونکہ یہ خدا کا ہی کام ہے اور خدا کے انتخاب میں نقص نہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کام کے واسطے خلیفہ بنایا اور سب سے اوّل حق انہی کے دل میں ڈالا۔

(ملفوظات جلد پنجم۔ جدید ایڈیشن صفحہ ۵۲۴۔۵۲۵)

سورۃ نور میں صریح اشارہ فرماتا ہے کہ ہر ایک رنگ میں جیسے بنی اسرائیل میں خلیفے گزرے

ہیں وہ تمام رنگ اس امت کے خلیفوں میں بھی ہوں گے۔ چنانچہ اسرائیلی خلیفوں میں سے حضرت عیسیٰ ایسے خلیفے تھے جنہوں نے نہ تلوار اٹھائی اور نہ جہاد کیا۔ سو اس امت کو بھی اسی رنگ کا مسیح موعود دیا گیا۔ دیکھو آیت وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡکُمۡ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسۡتَخۡلِفَنَّھُمۡ فِی الۡاَرۡضِ کَمَا اسۡتَخۡلَفَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِھِمۡ وَلَیُمَکِّنَنَّ لَھُمۡ دِیۡنَھُمُ الَّذِی ارۡتَضٰی لَھُمۡ وَلَیُبَدِّلَنَّھُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ خَوۡفِھِمۡ اَمۡنًا یَعۡبُدُوۡنَنِیۡ لَا یُشۡرِکُوۡنَ بِیۡ شَیۡـًٔا وَمَنۡ کَفَرَ بَعۡدَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الۡفٰسِقُوۡنَ [8] اس آیت میں فقرہ کَمَا اسۡتَخۡلَفَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِھِمۡ قابل غور ہے۔ کیونکہ اس سے سمجھا جاتا ہے کہ محمدی خلافت کا سلسلہ موسوی خلافت کے سلسلہ سے مشابہ ہے۔

(لیکچر سیالکوٹ۔ روحانی خزائن جلد ۲۰ صفحہ ۲۱۳۔۲۱۴)

وقد اشیر فی بعض الاحادیث ان المسیح الموعود والدجال المعهود یظهران فی بعض البلاد المشرقیة یعنی فی ملک الهند، ثم یسافر المسیح الموعود او خلیفة من خلفائه الی ارض دمشق۔ [9]

(حمامۃ البشریٰ۔ روحانی خزائن جلد ۷ صفحہ ۲۲۵)

یہ خدا تعالیٰ کی سنت ہے اور جب سے کہ اس نے انسان کو زمین میں پیدا کیا ہمیشہ اس سنت کو وہ ظاہر کرتا رہا ہے کہ وہ اپنے نبیوں اور رسولوں کی مدد کرتا ہے اور ان کو غلبہ دیتا ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے کَتَبَ اللّٰہُ لَاَغۡلِبَنَّ اَنَا وَ رُسُلِیۡ۔ [10] اور غلبہ سے مراد یہ ہے کہ جیسا کہ رسولوں اور نبیوں کا یہ منشاء ہوتا ہے کہ خدا کی حجت زمین پر پوری ہو جائے اور اس کا مقابلہ کوئی نہ کر سکے اسی طرح خدا تعالیٰ قوی نشانوں کے ساتھ انکی سچائی ظاہر کر دیتا ہے اور جس راستبازی کو وہ دنیا میں پھیلانا چاہتے ہیں اس کی تخم ریزی انہی کے ہاتھ سے کر دیتا ہے لیکن اس کی

---

8. النور: ۵۶ (مرتب)

9. ترجمہ: اور بعض احادیث میں اشارہ پایا جاتا ہے کہ مسیح موعود اور دجال معہود بعض مشرقی ممالک یعنی ملک ہند میں ظاہر ہوں گے۔ پھر مسیح موعود یا اس کا کوئی خلیفہ دمشق کی طرف سفر اختیار کرے گا۔ (مرتب)

10. خدا نے لکھ رکھا ہے کہ وہ اور اس کے نبی غالب رہیں گے۔ منہ ☆

☆ **المجادلہ: ۲۲ (مرتب)**

پوری تکمیل ان کے ہاتھ سے نہیں کرتا بلکہ ایسے وقت میں ان کو وفات دے کر جو بظاہر ایک ناکامی کا خوف اپنے ساتھ رکھتا ہے مخالفوں کو ہنسی اور ٹھٹھے اور طعن اور تشنیع کا موقعہ دے دیتا ہے۔ اور جب وہ ہنسی ٹھٹھا کر چکتے ہیں تو پھر ایک دوسرا ہاتھ اپنی قدرت کا دکھاتا ہے اور ایسے اسباب پیدا کر دیتا ہے جن کے ذریعہ سے وہ مقاصد جو کسی قدر ناتمام رہ گئے تھے اپنے کمال کو پہنچتے ہیں۔

غرض دو قسم کی قدرت ظاہر کرتا ہے۔ (۱) اوّل خود نبیوں کے ہاتھ سے اپنی قدرت کا ہاتھ دکھاتا ہے۔ (۲) دوسرے ایسے وقت میں جب نبی کی وفات کے بعد مشکلات کا سامنا پیدا ہو جاتا ہے اور دشمن زور میں آجاتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ اب کام بگڑ گیا اور یقین کر لیتے ہیں کہ اب یہ جماعت نابود ہو جائیگی اور خود جماعت کے لوگ بھی تردّد میں پڑ جاتے ہیں اور انکی کمریں ٹوٹ جاتی ہیں اور کئی بدقسمت مرتد ہونے کی راہیں اختیار کر لیتے ہیں تب خدا تعالیٰ دوسری مرتبہ اپنی زبردست قدرت ظاہر کرتا ہے اور گرتی ہوئی جماعت کو سنبھال لیتا ہے۔ پس وہ جو اخیر تک صبر کرتا ہے خدا تعالیٰ کے اس معجزہ کو دیکھتا ہے۔ جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے وقت میں ہوا جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موت ایک بے وقت موت سمجھی گئی اور بہت سے بادیہ نشین نادان مرتد ہو گئے اور صحابہؓ بھی مارے غم کے دیوانہ کی طرح ہو گئے۔ تب خدا تعالیٰ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو کھڑا کر کے دوبارہ اپنی قدرت کا نمونہ دکھایا اور اسلام کو نابود ہوتے ہوتے تھام لیا اور اس وعدہ کو پورا کیا جو فرمایا تھا وَلَیُمَکِّنَنَّ لَهُمْ دِیْنَهُمُ الَّذِی ارْتَضٰی لَهُمْ وَلَیُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا۔[11] یعنی خوف کے بعد پھر ہم ان کے پیر جما دیں گے۔ ایسا ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وقت میں ہوا جبکہ حضرت موسیٰؑ مصر اور کنعان کی راہ میں پہلے اس سے جو بنی اسرائیل کو وعدہ کے موافق منزل مقصود تک پہنچا دیں فوت ہو گئے اور بنی اسرائیل میں ان کے مرنے سے ایک بڑا ماتم برپا ہوا۔ جیسا کہ توریت میں لکھا ہے کہ بنی اسرائیل اس بے وقت موت کے صدمہ سے اور حضرت موسیٰؑ کی ناگہانی جدائی سے چالیس دن تک روتے

11. النور: ۵۶ (مرتب)

رہے۔ ایسا ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ معاملہ ہوا اور صلیب کے واقعہ کے وقت تمام حواری تتر بتر ہو گئے اور ایک ان میں سے مرتد بھی ہو گیا۔

سو اے عزیزو! جبکہ قدیم سے سنت اللہ یہی ہے کہ خدا تعالیٰ دو[۲] قدرتیں دکھلاتا ہے تا مخالفوں کی دو[۲] جھوٹی خوشیوں کو پامال کر کے دکھلا دے۔ سو اب ممکن نہیں ہے کہ خدا تعالیٰ اپنی قدیم سنت کو ترک کر دیوے۔ اس لئے تم میری اس بات سے جو میں نے تمہارے پاس بیان کی غمگین مت ہو اور تمہارے دل پریشان نہ ہو جائیں کیونکہ تمہارے لئے دوسری قدرت کا بھی دیکھنا ضروری ہے اور اس کا آنا تمہارے لئے بہتر ہے کیونکہ وہ دائمی ہے جس کا سلسلہ قیامت تک منقطع نہیں ہوگا۔ اور وہ دوسری قدرت نہیں آ سکتی جب تک میں نہ جاؤں۔ لیکن میں جب جاؤں گا تو پھر خدا اس دوسری قدرت کو تمہارے لئے بھیج دیگا جو ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے گی جیسا کہ خدا کا براہین احمدیہ میں وعدہ ہے۔ اور وہ وعدہ میری ذات کی نسبت نہیں ہے بلکہ تمہاری نسبت وعدہ ہے جیسا کہ خدا فرماتا ہے کہ میں اس جماعت کو جو تیرے پیرو ہیں قیامت تک دوسروں پر غلبہ دونگا۔ سو ضرور ہے کہ تم پر میری جدائی کا دن آوے تا بعد اسکے وہ دن آوے جو دائمی وعدہ کا دن ہے۔ وہ ہمارا خدا وعدوں کا سچّا اور وفادار اور صادق خدا ہے۔ وہ سب کچھ تمہیں دکھلائیگا جس کا اس نے وعدہ فرمایا ہے۔ اگرچہ یہ دن دنیا کے آخری دن ہیں اور بہت بلائیں ہیں جن کے نزول کا وقت ہے پر ضرور ہے کہ یہ دنیا قائم رہے جب تک وہ تمام باتیں پوری نہ ہو جائیں جن کی خدا نے خبر دی۔ میں خدا کی طرف سے ایک قدرت کے رنگ میں ظاہر ہوا اور میں خدا کی ایک مجسم قدرت ہوں۔ اور میرے بعد بعض اور وجود ہونگے جو دوسری قدرت کا مظہر ہونگے۔

(الوصیت۔ روحانی خزائن جلد ۲۰ صفحہ ۳۰۴۔۳۰۶)

حکومت وقت کی اطاعت

یہ ایک واقعی امر ہے کہ مسلمانوں کو خدا اور رسول کا حکم ہے کہ جس گورنمنٹ کے ماتحت ہوں وفاداری سے اسکی اطاعت کریں۔مَیں نے اپنی کتابوں میں یہ شرعی احکام مفصل بیان کر دئے ہیں۔

(کشف الغطاء۔ روحانی خزائن جلد۱۴ صفحہ ۱۸۶)

میرا مذہب جس کو میں بار بار ظاہر کرتا ہوں یہی ہے کہ اسلام کے دو حصے ہیں۔ ایک یہ کہ خدا تعالیٰ کی اطاعت کریں۔ دوسرے اس سلطنت کی جس نے امن قائم کیا ہو، جس نے ظالموں کے ہاتھ سے اپنے سایہ میں ہمیں پناہ دی ہو .... خدا تعالیٰ ہمیں صاف تعلیم دیتا ہے کہ جس بادشاہ کے زیر سایہ امن کے ساتھ بسر کرو اس کے شکر گزار اور فرمانبردار بنے رہو .... یاد رہے کہ جس بادشاہ کے زیر سایہ ہم باامن زندگی بسر کریں اس کے حقوق کو نگاہ رکھنا فی الواقعہ خدا کے حقوق ادا کرنا ہے۔ اور جب ہم ایسے بادشاہ کی دلی صدق سے اطاعت کرتے ہیں تو گویا اس وقت عبادت کر رہے ہیں۔ کیا اسلام کی یہ تعلیم ہوسکتی ہے کہ ہم اپنے محسن سے بدی کریں اور جو ہمیں ٹھنڈے سایہ میں جگہ دے اس پر آگ برساویں اور جو ہمیں روٹی دے اسے پتھر ماریں۔

(شہادت القرآن ۔ روحانی خزائن جلد ۶ صفحہ ۳۸۰۔۳۸۱)

میں ایک شخص امن دوست ہوں اور اطاعت گورنمنٹ اور ہمدردی بندگان خدا کی میرا اصول ہے۔ اور یہ وہی اصول ہے جو میرے مریدوں کی شرائط بیعت میں داخل ہے۔

(کتاب البریّہ۔ روحانی خزائن جلد۱۳ صفحہ ۱۰)

نظام وصیت

خدا نے مجھے میری وفات سے اطلاع دی ہے اور مجھے مخاطب کر کے میری زندگی کی نسبت فرمایا کہ ''بہت تھوڑے دن رہ گئے ہیں۔'' اور فرمایا کہ '' تمام حوادث اور عجائبات قدرت دکھلانے کے بعد تمہارا حادثہ آئیگا۔'' یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ضرور ہے کہ میری وفات سے پہلے دنیا پر کچھ حوادث پڑیں اور کچھ عجائبات قدرت ظاہر ہوں تا دنیا ایک انقلاب کے لئے تیار ہو جائے اور اس انقلاب کے بعد میری وفات ہو۔

اور مجھے ایک جگہ دکھلا دی گئی کہ یہ تیری قبر کی جگہ ہو گی۔ ایک فرشتہ مَیں نے دیکھا کہ وہ زمین کو ناپ رہا ہے۔ تب ایک مقام پر اس نے پہنچ کر مجھے کہا کہ یہ تیری قبر کی جگہ ہے۔ پھر ایک جگہ مجھے ایک قبر دکھلائی گئی کہ وہ چاندی سے زیادہ چمکتی تھی اور اس کی تمام مٹی چاندی کی تھی۔ تب مجھے کہا گیا کہ یہ تیری قبر ہے۔ اور ایک جگہ مجھے دکھائی گئی اور اس کا نام بہشتی مقبرہ رکھا گیا اور ظاہر کیا گیا کہ وہ ان برگزیدہ جماعت کے لوگوں کی قبریں ہیں جو بہشتی ہیں۔تب سے ہمیشہ مجھے یہ فکر رہی کہ جماعت کے لئے ایک قطعہ زمین قبرستان کی غرض سے خریدا جائے لیکن چونکہ موقع کی عمدہ زمینیں بہت قیمت سے ملتی تھیں اس لئے یہ غرض مدت دراز تک معرضِ التوا میں رہی۔ اب اخویم مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم کی وفات کے بعد جبکہ میری وفات کی نسبت بھی متواتر وحی الٰہی ہوئی مَیں نے مناسب سمجھا کہ قبرستان کا جلدی انتظام کیا جائے اس لئے میں نے اپنی ملکیت کی زمین جو ہمارے باغ کے قریب ہے جس کی قیمت ہزار روپیہ سے کم نہیں اس کام کے لئے تجویز کی۔ اور مَیں دعا کرتا ہوں کہ خدا اس میں برکت دے اور اسی کو بہشتی مقبرہ بنا دے اور یہ اس جماعت کے پاک دل لوگوں کی خوابگاہ ہو جنہوں نے درحقیقت دین کو دنیا پر مقدم کر لیا اور دنیا کی محبت چھوڑ

دی اور خدا کیلئے ہو گئے اور پاک تبدیلی اپنے اندر پیدا کر لی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کی طرح وفاداری اور صدق کا نمونہ دکھلایا۔ اٰمین یا رب العالمین۔

پھر میں دعا کرتا ہوں کہ اے میرے قادر خدا! اس زمین کو میری جماعت میں سے ان پاک دلوں کی قبریں بنا جو فی الواقع تیرے لئے ہو چکے اور دنیا کی اغراض کی ملونی ان کے کاروبار میں نہیں۔ اٰمین یا رب العالمین۔

پھر میں تیسری دفعہ دعا کرتا ہوں کہ اے میرے قادر کریم! اے خدائے غفور و رحیم! تو صرف ان لوگوں کو اسجگہ قبروں کی جگہ دے جو تیرے اس فرستادہ پر سچا ایمان رکھتے ہیں اور کوئی نفاق اور غرض نفسانی اور بدظنی[1] اپنے اندر نہیں رکھتے اور جیسا کہ حق ایمان اور اطاعت کا ہے

---

1. بدظنی ایک سخت بلا ہے جو ایمان کو ایسی جلدی جلا دیتی ہے جیسا کہ آتش سوزاں خس و خاشاک کو۔ اور وہ جو خدا کے مرسلوں پر بدظنی کرتا ہے خدا اس کا خود دشمن ہو جاتا ہے اور اس کی جنگ کے لئے کھڑا ہوتا ہے۔ اور وہ اپنے برگزیدوں کے لئے اس قدر غیرت رکھتا ہے جو کسی میں اس کی نظیر نہیں پائی جاتی۔ میرے پر جب طرح طرح کے حملے ہوئے تو وہی خدا کی غیرت میرے لئے برافروختہ ہوئی جیسا کہ اُس نے فرمایا۔
اِنِّیْ مَعَ الرَّسُوْلِ اَقُوْمُ ط وَاَلُوْمُ مَنْ یَّلُوْمُ ط وَاُعْطِیْکَ مَا یَدُوْمُ ط لَکَ دَرَجَۃٌ فِی السَّمَآءِ وَفِی الَّذِیْنَ ھُمْ یُبْصِرُوْنَ. وَلَکَ نُرِیْٓ اٰیَاتٍ وَنَھْدِمُ مَا یَعْمُرُوْنَ. وَقَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْھَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْھَا. قَالَ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ. اِنِّیْ مُھِیْنٌ مَنْ اَرَادَ اِھَانَتَکَ. لَا تَخَفْ اِنِّیْ لَا یَخَافُ لَدَیَّ الْمُرْسَلُوْنَ. اَتٰٓی اَمْرُ اللّٰہِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْہُ. بِشَارَۃٌ تَلَقَّاھَا النَّبِیُّوْنَ. یَآ اَحْمَدِیْٓ اَنْتَ مُرَادِیْ وَ مَعِیْ. اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَۃِ تَوْحِیْدِیْ وَتَفْرِیْدِیْ. وَاَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَۃٍ لَا یَعْلَمُھَا الْخَلْقُ. وَاَنْتَ وَجِیْہٌ فِیْ حَضْرَتِیْ. اِخْتَرْتُکَ لِنَفْسِیْ. اِذَا غَضِبْتَ غَضِبْتُ وَ کُلَّمَا اَحْبَبْتَ اَحْبَبْتُ. اٰثَرَکَ اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ. اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ جَعَلَکَ الْمَسِیْحَ ابْنَ مَرْیَمَ. لَا یُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَھُمْ یُسْئَلُوْنَ. وَکَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا. یَعْصِمُکَ اللّٰہُ مِنَ الْعِدَا. وَیَسْطُوْا بِکُلِّ مَنْ سَطَا. ذَالِکَ بِمَا عَصَوْا وَّ کَانُوْا یَعْتَدُوْنَ. اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ. یَاجِبَالُ اَوِّبِیْ مَعَہٗ وَالطَّیْرُ کَتَبَ اللّٰہُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ. وَھُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِھِمْ سَیَغْلِبُوْنَ. اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَالَّذِیْنَ ھُمْ مُحْسِنُوْنَ. اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَنَّ لَھُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّھِمْ. سَلَامٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِیْمٍ. وَامْتَازُوا الْیَوْمَ اَیُّھَا الْمُجْرِمُوْنَ. منہ☆

☆ ترجمہ۔ میں اس رسول کے ساتھ کھڑا ہوں گا۔ اور اس شخص کو ملامت کروں گا جو اس کو ملامت کرے۔ اور تجھے وہ چیز دوں گا جو ہمیشہ رہے گی۔ تیرا آسمان پر ایک درجہ اور ایک مرتبہ ہے اور نیز ان لوگوں کی نگاہ میں جو دیکھتے ہیں۔ اور تیرے لئے ہم نشان دکھلائیں گے۔ اور جو عمارتیں بناتے جائیں گے ہم ان کو

بجا لاتے ہیں اور تیرے لئے اور تیری راہ میں اپنے دلوں میں جان فدا کر چکے ہیں جن سے تو راضی ہے اور جن کو تُو جانتا ہے کہ وہ بکلّی تیری محبت میں کھوئے گئے اور تیرے فرستادہ سے وفاداری اور پورے ادب اور انشراحی ایمان کیساتھ محبت اور جانفشانی کا تعلق رکھتے ہیں۔

اٰمین یا رب العالمین۔

اور چونکہ اس قبرستان کے لئے بڑی بھاری بشارتیں مجھے ملی ہیں اور نہ صرف خدا نے یہ فرمایا کہ یہ مقبرہ بہشتی ہے بلکہ یہ بھی فرمایا کہ اُنْزِلَ فِیْهَا کُلُّ رَحْمَةٍ یعنی ہر ایک قسم کی رحمت اس قبرستان میں اتاری گئی ہے اور کسی قسم کی رحمت نہیں جو اس قبرستان والوں کو اس سے حصہ نہیں۔ اس لئے خدا نے میرا دل اپنی وحی خفی سے اس طرف مائل کیا کہ ایسے قبرستان کے لئے ایسے شرائط لگا دیئے جائیں کہ وہی لوگ اس میں داخل ہوسکیں جو اپنے صدق اور کامل راستبازی کی وجہ سے ان شرائط کے پابند ہوں۔ سو وہ تین شرطیں ہیں اور سب کو بجا لانا ہوگا۔

بقیہ حاشیہ: گراتے جائیں گے۔ اور انہوں نے کہا کہ کیا تُو ایسے شخص کو خلیفہ بناتا ہے جو زمین پر فساد کرتا ہے۔ اُس نے کہا کہ اس کی نسبت جو کچھ مَیں جانتا ہوں تم نہیں جانتے مَیں اس شخص کی اہانت کروں گا جو تیری اہانت کا ارادہ کرے گا۔ کچھ خوف مت کر کہ میرے رسول میرے قُرب میں کسی سے نہیں ڈرتے۔ خدا کا امر آرہا ہے پس تم جلدی مت کرو۔ یہ خوشخبری ہے جو قدیم سے نبیوں کو ملتی رہی ہے۔ اے میرے احمدؐ تُو میری مراد ہے اور میرے ساتھ ہے۔ تُو مجھ سے ایسا ہے جیسا کہ میری توحید اور تفرید۔ (اور) تُو مجھ سے بمنزلہ اس انتہائی قُرب کے ہے جس کو دُنیا نہیں جان سکتی۔ تُو میری درگاہ میں وجیہہ ہے۔ مَیں نے تجھے اپنے لئے چُنا۔ جس پر تُو غضبناک ہو مَیں غضبناک ہوتا ہوں اور جن سے تُو محبت کرتا ہے مَیں بھی محبت کرتا ہوں۔ خدا نے تجھے ہر ایک چیز میں سے چُن لیا۔ اس خدا کی تعریف ہے جس نے تجھے مسیح بن مریم بنایا۔ وہ اپنے کاموں سے پُوچھا نہیں جاتا اور لوگ پُوچھے جاتے ہیں۔ اور وعدہ پُورا ہونا ہی تھا۔ خدا تجھے دشمنوں کے شر سے بچائے گا اور اس شخص پر حملہ کرے گا جو تیرے پر حملہ کرتا ہے۔ کیونکہ وہ لوگ حد سے نکل گئے اور نافرمانی کی راہوں پر قدم رکھا ہے۔ کیا خدا اپنے بندہ کے لئے کافی نہیں اے پہاڑو اور اے پرندو! میرے اس بندہ کے ساتھ وجد اور رِقّت سے میری یاد کرو۔ خدا نے لکھ چھوڑا ہے کہ میں اور میرے رسول غالب رہیں گے۔ اور وہ مغلوب ہونے کے بعد جلد غالب ہو جائیں گے۔ خدا اُنکے ساتھ ہے جو تقوٰی اختیار کرتے ہیں اور جو نیکو کار ہیں۔ وہ لوگ جو ایمان لائے اُن کے قدم اُن کے رب کے نزدیک صداقت پر ہیں۔ تم سب پر اُس خدا کا سلام ہے جو رحیم ہے اور اے مجرمو! آج تم الگ ہو جاؤ۔ (مرتب)

ا۔ اس قبرستان کی زمین موجودہ بطور چندہ کے مَیں نے اپنی طرف سے دی ہے لیکن اس احاطہ کی تکمیل کے لئے کسی قدر اور زمین خریدی جائیگی جس کی قیمت اندازاً ہزار روپیہ ہوگی۔ اور اس کے خوشنما کرنے کے لئے کچھ درخت لگائے جائیں گے اور ایک کنوآں لگایا جائے گا۔ اور اس قبرستان سے شمالی طرف بہت پانی ٹھہرا رہتا ہے جو گزرگاہ ہے اس لئے وہاں ایک پل تیار کیا جائے گا اور ان متفرق مصارف کے لئے دو ہزار روپیہ درکار ہوگا۔ سوکل یہ تین ہزار روپیہ ہوا جو اس تمام کام کی تکمیل کے لئے خرچ ہوگا۔ سو پہلی شرط یہ ہے کہ ہر ایک شخص جو اس قبرستان میں مدفون ہونا چاہتا ہے وہ اپنی حیثیت کے لحاظ سے ان مصارف کے لئے چندہ داخل کرے اور یہ چندہ محض انہی لوگوں سے طلب کیا گیا ہے نہ دوسروں سے۔ بالفعل یہ چندہ اخویم مکرم مولوی نورالدین صاحب کے پاس آنا چاہیے۔ لیکن اگر خدا تعالیٰ نے چاہا تو یہ سلسلہ ہم سب کی موت کے بعد بھی جاری رہے گا۔ اس صورت میں ایک انجمن چاہیئے کہ ایسی آمدنی کا روپیہ جو وقتاً فوقتاً جمع ہوتا رہے گا اعلائے کلمہ اسلام اور اشاعت توحید میں جس طرح مناسب سمجھیں خرچ کریں۔

۲۔ دوسری شرط یہ ہے کہ تمام جماعت میں سے اس قبرستان میں وہی مدفون ہوگا جو یہ وصیّت کرے جو اس کی موت کے بعد دسواں حصہ اس کے تمام ترکہ کا حسب ہدایت اس سلسلہ کے اشاعت اسلام اور تبلیغ احکامِ قرآن میں خرچ ہوگا اور ہر ایک صادق کامل الایمان کو اختیار ہوگا کہ اپنی وصیت میں اس سے بھی زیادہ لکھدے لیکن اس سے کم نہیں ہوگا۔ اور یہ مالی آمدنی ایک بادیانت اور اہل علم انجمن کے سپرد رہے گی اور وہ باہمی مشورہ سے ترقی اسلام اور اشاعت علمِ قرآن و کتب دینیہ اور اس سلسلہ کے واعظوں کے لئے حسب ہدایت مذکورہ بالا خرچ کرینگے۔ اور خدا تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ اس سلسلہ کو ترقی دے گا۔ اس لئے امید کی جاتی ہے کہ اشاعت اسلام کے لئے ایسے مال بھی بہت اکٹھے ہو جائیں گے۔ اور ہر ایک امر جو مصالح اشاعت اسلام میں داخل ہے جس کی اب تفصیل کرنا قبل از وقت ہے وہ تمام امور ان اموال سے انجام پذیر ہونگے۔ اور جب ایک گروہ جو متکفّل اس کام کا ہے فوت ہو

جائیگا تو وہ لوگ جو ان کے جانشین ہونگے انکا بھی یہی فرض ہوگا کہ ان تمام خدمات کو حسب ہدایت سلسلہ احمدیہ بجا لاویں۔ ان اموال میں سے ان یتیموں اور مسکینوں اور نومسلموں کا بھی حق ہوگا جو کافی طور پر وجوہ معاش نہیں رکھتے اور سلسلہ احمدیہ میں داخل ہیں۔ اور جائز ہوگا کہ ان اموال کو بطور تجارت ترقی دی جائے۔

یہ مت خیال کرو کہ یہ صرف دور از قیاس باتیں ہیں۔ بلکہ یہ اس قادر کا ارادہ ہے جو زمین وآسمان کا بادشاہ ہے۔ مجھے اس بات کا غم نہیں کہ یہ اموال جمع کیونکر ہونگے اور ایسی جماعت کیونکر پیدا ہوگی جو ایمانداری کے جوش سے یہ مردانہ کام دکھلائے۔ بلکہ مجھے یہ فکر ہے کہ ہمارے زمانہ کے بعد وہ لوگ جن کے سپرد ایسے مال کئے جائیں وہ کثرت مال کو دیکھکر ٹھوکر نہ کھاویں اور دنیا سے پیار نہ کریں۔ سو مَیں دعا کرتا ہوں کہ ایسے امین ہمیشہ اس سلسلہ کو ہاتھ آتے رہیں جو خدا کے لئے کام کریں۔ ہاں جائز ہوگا کہ جن کا کچھ گزارہ نہ ہو ان کو بطور مدد خرچ اس میں سے دیا جائے۔

۳۔ تیسری شرط یہ ہے کہ اس قبرستان میں دفن ہونے والا متقی ہو اور محرمات سے پرہیز کرتا اور کوئی شرک اور بدعت کا کام نہ کرتا ہو۔ سچا اور صاف مسلمان ہو۔

۴۔ ہر ایک صالح جو اس کی کوئی بھی جائیداد نہیں اور کوئی مالی خدمت نہیں کرسکتا اگر یہ ثابت ہو کہ وہ دین کے لئے اپنی زندگی وقف رکھتا تھا اور صالح تھا تو وہ اس قبرسان میں دفن ہوسکتا ہے۔

ھِدَایَت

۱۔ ہر ایک صاحب جو حسب شرائط متذکرہ بالا کوئی وصیت کرنا چاہیں تو ان کی وصیت پر عمل درآمد انکی موت کے بعد ہوگا۔ لیکن وصیت کو لکھکر اس سلسلہ کے امین مفوّض الخدمت کو سپرد کردینا لازمی امر ہوگا اور ایسا ہی چھاپ کر شائع کرنا بھی، کیونکہ موت کے وقت اکثر وصایا کا لکھنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اور چونکہ آسمانی نشانوں اور بلاؤں کے دن قریب ہیں اس

لئے خدا تعالیٰ کے نزدیک ایسے وقت میں وصیت لکھنے والا بہت درجہ رکھتا ہے جو امن کی حالت میں وصیت لکھتا ہے اور اس وصیت کے لکھنے میں جس کا مال دائمی مدد دینے والا ہوگا اس کو دائمی ثواب ہوگا اور خیرات جاریہ کے حکم میں ہوگا۔

۲۔ ہر ایک صاحب جو کسی دوسری جگہ میں ہوں جو قادیان سے دور اس ملک کے کسی اور حصہ میں ہوں اور وہ ان شرائط کے پابند ہوں جو درج ہو چکی ہیں تو ان کے وارثوں کو چاہیئے کہ ان کی موت کے بعد ایک صندوق میں ان کی میّت کو رکھ کر قادیان میں پہنچاویں اور اگر اس قبرستان کی تکمیل سے یعنی پل وغیرہ کی تیاری سے پہلے کوئی صاحب فوت ہو جائیں جو حسب شرائط اس قبرستان میں دفن ہونگے تو چاہیئے کہ بطور امانت صندوق میں رکھکر اپنی جگہ دفن کئے جائیں۔ پھر تمام لوازم کی تیاری کے بعد جو قبرستان کے متعلق ہیں قادیان میں ان کی میّت لائی جائے۔ لیکن وہ صاحب جو بغیر صندوق کے دفن کئے جائیں ان کا قبر میں سے نکالنا مناسب نہ ہوگا۔[2]

واضح ہو کہ خدا تعالیٰ کا ارادہ ہے کہ ایسے کامل الایمان ایک ہی جگہ دفن ہوں تا آئندہ کی نسلیں ایک ہی جگہ ان کو دیکھ کر اپنا ایمان تازہ کریں اور تا ان کے کارنامے یعنی جو خدا کے لئے انہوں نے دینی کام کئے ہمیشہ کیلئے قوم پر ظاہر ہوں۔

بالآخر ہم دعا کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ اس کام میں ہر ایک مخلص کو مدد دے اور ایمانی جوش ان میں پیدا کرے اور ان کا خاتمہ بالخیر کرے۔ آمین

مناسب ہے کہ ہر ایک صاحب ہماری جماعت میں سے جن کو یہ تحریر ملے وہ اپنے دوستوں میں اس کو مشتہر کریں اور جہاں تک ممکن ہو اس کی اشاعت کریں اور اپنی آئندہ نسل کے

---

2. کوئی نادان اس قبرستان اور اس کے انتظام کو بدعت میں داخل نہ سمجھے کیونکہ یہ انتظام حسب وحی الٰہی ہے اور انسان کا اس میں دخل نہیں۔ اور کوئی یہ خیال نہ کرے کہ صرف اس قبرستان میں داخل ہونے سے کوئی بہشتی کیونکر ہوسکتا ہے۔ کیونکہ یہ مطلب نہیں ہے کہ یہ زمین کسی کو بہشتی کر دے گی۔ بلکہ خدا کے کلام کا یہ مطلب ہے کہ صرف بہشتی ہی اس میں دفن کیا جائے گا۔ منہ

لئے اس کو محفوظ رکھیں اور مخالفوں کو بھی مہذب طریق پر اس سے اطلاع دیں اور ہر ایک بدگو کی بدگوئی پر صبر کریں اور دعا میں لگے رہیں۔ وَاٰخِرُ دعوٰنا ان الحمد للّٰہ رب العٰلمین .

الراقم خاکسار

المفتقر الی اللّٰہ الصّمدغلام احمد عافاہ اللّٰہ وایّد

۲۰ دسمبر ۱۹۰۵ء

(الوصیت۔ روحانی خزائن جلد۲۰ صفحہ ۳۱۵۔۳۲۱)

ضمیمہ متعلّقہ رسالہ الوصیّۃ

رسالہ الوصیّۃ کے متعلق چند ضروری امر قابل اشاعت ہیں جو ذیل میں لکھے جاتے ہیں:-

ا۔اول یہ کہ جب تک انجمن کارپرداز مصالح قبرستان اس امر کو شائع نہ کرے کہ قبرستان باعتبار لوازم ضروری کے من کل الوجوہ تیار ہو گیا ہے اس وقت تک جائز نہ ہو گا کہ اس کی میت جس نے رسالہ الوصیۃ کے شرائط کی پابندی کی ہے قبرستان میں دفن کرنے کے لئے لائی جائے بلکہ پل وغیرہ لوازم ضروریہ کا پہلے تیار ہو جانا ضروری ہو گا۔ اور اس وقت تک میّت ایک صندوق میں امانت کے طور پر کسی اور قبرستان میں رکھی جائیگی۔

۲۔ہر ایک صاحب جو شرائط رسالہ الوصیۃ کی پابندی کا اقرار کریں ضروری ہو گا کہ وہ ایسا اقرار کم سے کم دو گواہوں کی ثبت شہادت کے ساتھ اپنے زمانہ قائمی ہوش وحواس میں انجمن کے حوالہ کریں اور تصریح سے لکھیں کہ وہ اپنی کل جائیداد منقولہ و غیر منقولہ کا دسواں حصہ اشاعت اغراض سلسلہ عالیہ احمدیہ کے لئے بطور وصیت یا وقف دیتے ہیں۔ اور ضروری ہو گا کہ وہ کم سے کم دو اخباروں میں اسکو شائع کرا دیں۔

۳۔ انجمن کا یہ فرض ہوگا کہ قانونی اور شرعی طور پر وصیت کردہ مضمون کی نسبت اپنی پوری تسلی کر کے وصیت کنندہ کو ایک سرٹیفیکیٹ اپنے دستخط اور مہر کے ساتھ دے دے۔ اور جب قواعد مذکورہ بالا کی رو سے کوئی میت اس قبرستان میں لائی جائے تو ضروری ہو گا کہ وہ سارٹیفیکیٹ انجمن کو دکھایا جائے۔ اور انجمن کی ہدایت اور موقع نمائی سے وہ میت اس موقعہ میں دفن کی

جائے جو انجمن نے اس کے لئے تجویز کیا ہے۔
۴۔ اس قبرستان میں بجز کسی خاص صورت کے جو انجمن تجویز کرے نا بالغ بچے دفن نہیں ہونگے کیونکہ وہ بہشتی ہیں اور نہ اس قبرستان میں اس میت کا کوئی دوسرا عزیز دفن ہو گا جب تک وہ اپنے طور پر کل شرائط رسالہ الوصیت کو پورا نہ کرے۔
۵۔ ہر ایک میت جو قادیان کی زمین میں فوت نہیں ہوئی ان کو بجز صندوق قادیان میں لانا ناجائز ہو گا۔ اور نیز ضروری ہو گا کہ کم سے کم ایک ماہ پہلے اطلاع دیں تا کہ اگر انجمن کو اتفاقی موانع قبرستان کے متعلق پیش آ گئے ہوں تو ان کو دور کر کے اجازت دے۔
٦۔ اگر کوئی صاحب خدانخواستہ طاعون کی مرض سے فوت ہوں جنہوں نے رسالہ الوصیۃ کے تمام شرائط پورے کر دیئے ہوں ان کی نسبت یہ ضروری حکم ہے کہ وہ دو برس تک صندوق میں رکھ کر کسی علیحدہ مکان میں امانت کے طور پر دفن کئے جائیں اور دو برس کے بعد ایسے موسم میں لائے جائیں کہ ان کے فوت ہونے کے مقام اور قادیان میں طاعون نہ ہو۔
۷۔ یاد رہے کہ صرف یہ کافی نہ ہوگا کہ جائیداد منقولہ وغیر منقولہ کا دسواں حصہ دیا جاوے بلکہ ضروری ہو گا کہ ایسا وصیت کرنے والا جہاں تک اس کے لئے ممکن ہے پابند احکامِ اسلام ہو اور تقویٰ اور طہارت کے امور میں کوشش کرنے والا ہو اور مسلمان خدا کو ایک جاننے والا اور اس کے رسول پر سچا ایمان لانے والا ہو اور نیز حقوقِ عباد غصب کرنے والا نہ ہو۔
۸۔ اگر کوئی صاحب دسواں حصہ جائیداد کی وصیت کریں اور اتفاقاً ان کی موت ایسی ہو کہ مثلاً کسی دریا میں غرق ہو کر ان کا انتقال ہو یا کسی اور ملک میں وفات پاویں جہاں سے میّت کو لانا متعذّر ہو تو ان کی وصیت قائم رہے گی۔ اور خدا تعالیٰ کے نزدیک ایسا ہی ہو گا کہ گویا وہ اسی قبرستان میں دفن ہوئے ہیں۔ اور جائز ہو گا کہ ان کی یادگار میں اسی قبرستان میں ایک کتبہ اینٹ یا پتھر پر لکھ کر نصب کیا جائے اور اس پر واقعات لکھے جائیں۔
۹۔ انجمن جس کے ہاتھ میں ایسا روپیہ ہو گا اس کو اختیار نہیں ہو گا کہ بجز اغراض سلسلہ احمدیہ کے کسی اور جگہ وہ روپیہ خرچ کرے اور ان اغراض میں سے سب سے مقدم اشاعت اسلام

ہو گی۔ اور جائز ہو گا کہ انجمن باتفاق رائے اس روپیہ کو تجارت کے ذریعہ سے ترقی دے۔

۱۰۔ انجمن کے تمام ممبر ایسے ہونگے جو سلسلہ احمدیہ میں داخل ہوں اور پارساطبع اور دیانتدار ہوں۔ اور اگر آئندہ کسی کی نسبت یہ محسوس ہو گا کہ وہ پارساطبع نہیں ہے یا یہ کہ وہ دیانتدار نہیں یا یہ کہ وہ ایک چال باز ہے اور دنیا کی ملونی اپنے اندر رکھتا ہے تو انجمن کا فرض ہو گا کہ بلا توقف ایسے شخص کو اپنی انجمن سے خارج کرے اور اس کی جگہ اور مقرر کرے۔

۱۱۔ اگر وصیّتی مال کے متعلق کوئی جھگڑا پیش آوے تو اس جھگڑے کی پیروی میں جو اخراجات ہوں وہ تمام وصیتی مالوں میں سے دیئے جائیں گے۔

۱۲۔ اگر کوئی شخص وصیت کر کے پھر کسی اپنے ضعف ایمان کی وجہ سے اپنی وصیت سے منکر ہو جائے یا اس سلسلہ سے روگردان ہو جائے تو گو انجمن نے قانونی طور پر اس کے مال پر قبضہ کر لیا ہو پھر بھی جائز نہ ہو گا کہ وہ مال اپنے قبضہ میں رکھے بلکہ وہ تمام مال واپس کرنا ہو گا۔ کیونکہ خدا کسی کے مال کا محتاج نہیں اور خدا کے نزدیک ایسا مال مکروہ اور ردّ کرنے کے لائق ہے۔

۱۳۔ چونکہ انجمن خدا کے مقرر کردہ خلیفہ کی جانشین ہے اس لئے انجمن کو دنیا داری کے رنگوں سے بکلی پاک رہنا ہوگا اور اس کے تمام معاملات نہایت صاف اور انصاف پر مبنی ہونے چاہئیں۔

۱۴۔ جائز ہو گا کہ اس انجمن کی تائید اور نصرت کے لئے دور دراز ملکوں میں اور انجمنیں ہوں جو اس کی ہدایت کے تابع ہوں۔ اور جائز ہو گا کہ اگر وہ ایسے ملک میں ہوں کہ وہاں سے میّت کو لانا متعذّر ہے تو اسی جگہ میّت کو دفن کر دیں۔ اور ثواب سے حصہ پانے کی غرض سے ایسا شخص قبل از وفات اپنے مال کے دسویں حصہ کی وصیّت کرے اور اس وصیّتی مال پر قبضہ کرنا اس انجمن کا کام ہو گا جو اس ملک میں ہے۔ اور بہتر ہو گا کہ وہ روپیہ اسی ملک کی اغراض دینیہ کے لئے خرچ ہو۔ اور جائز ہو گا کہ کوئی ضرورت محسوس کر کے وہ روپیہ اس انجمن کو دیا جائے جس کا ہیڈ کوارٹر یعنی مرکز مقامی قادیان ہو گا۔

۱۵۔ یہ ضروری ہو گا کہ مقام اس انجمن کا ہمیشہ قادیان رہے کیونکہ خدا نے اس مقام کو برکت دی ہے۔ اور جائز ہو گا کہ وہ آئندہ ضرورتیں محسوس کر کے اس کام کے لئے کوئی کافی مکان

تیار کریں۔

۱۶۔ انجمن میں کم سے کم ہمیشہ ایسے دو ممبر رہنے چاہئیں جو علم قرآن اور حدیث سے بخوبی واقف ہوں اور تحصیل علم عربی رکھتے ہوں اور سلسلہ احمدیہ کی کتابوں کو یاد رکھتے ہوں۔

۱۷۔ اگر خدانخواستہ کوئی ایسا شخص جو رسالہ الوصیۃ کی رو سے وصیت کرتا ہے مجذوم ہو جس کی جسمانی حالت اس لائق نہ ہو جو وہ اس قبرستان میں لایا جائے تو ایسا شخص حسب مصالح ظاہر مناسب نہیں ہے کہ اس قبرستان میں لایا جائے لیکن اگر اپنی وصیت پر قائم ہوگا تو اس کو وہی درجہ ملے گا جیسا کہ دفن ہونے والے کو۔

۱۸۔ اگر کوئی کچھ بھی جائیداد منقولہ یا غیر منقولہ نہ رکھتا ہو اور بایں ہمہ ثابت ہو کہ وہ ایک صالح درویش ہے اور متقی اور خالص مومن ہے اور کوئی حصہ نفاق یا دنیا پرستی یا قصور اطاعت کا اس کے اندر نہ ہو تو وہ میری اجازت سے یا میرے بعد انجمن کی اتفاق رائے سے اس مقبرہ میں دفن ہوسکتا ہے۔

۱۹۔ اگر کوئی شخص خدا تعالیٰ کی خاص وحی سے ردّ کیا جائے تو گو وہ وصیتی مال بھی پیش کرے تاہم اس قبرستان میں داخل نہیں ہوگا۔

۲۰۔ میری نسبت اور میرے اہل وعیال کی نسبت خدا نے استثناء رکھا ہے۔ باقی ہر ایک مرد ہو یا عورت ان کو شرائط کی پابندی لازم ہوگی اور شکایت کرنے والا منافق ہوگا۔

یہ شرائط ضروریہ ہیں جو اوپر لکھی گئیں۔ آئندہ اس مقبرہ بہشتی میں وہ دفن کیا جائیگا جو ان شرائط کو پورا کریگا۔ ممکن ہے کہ بعض آدمی جن پر بدگمانی کا مادہ غالب ہو وہ اس کارروائی میں ہمیں اعتراضوں کا نشانہ بناویں اور اس انتظام کو اغراض نفسانیہ پر مبنی سمجھیں یا اس کو بدعت قرار دیں۔ لیکن یاد رہے کہ خدا تعالیٰ کے کام میں وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ بلا شبہ اس نے ارادہ کیا ہے کہ اس انتظام سے منافق اور مومن میں تمیز کرے۔ اور ہم خود محسوس کرتے ہیں کہ جو لوگ اس الٰہی انتظام پر اطلاع پا کر بلا توقّف اس فکر میں پڑتے ہیں کہ دسواں حصہ کل جائیداد کا خدا کی راہ میں دیں بلکہ اس سے زیادہ اپنا جوش دکھلاتے ہیں وہ اپنی ایمانداری

پر مہر لگا دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے الٓمّٓ ۝ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنۡ یُّتۡرَکُوۡۤا اَنۡ یَّقُوۡلُوۡۤا اٰمَنَّا وَھُمۡ لَا یُفۡتَنُوۡنَ[3] کیا لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ مَیں اسی قدر پر راضی ہو جاؤں کہ وہ کہہ دیں کہ ہم ایمان لائے اور ابھی ان کا امتحان نہ کیا جائے؟ اور یہ امتحان تو کچھ بھی چیز نہیں۔ صحابہؓ کا امتحان جانوں کے مطالبہ پر کیا گیا اور انہوں نے اپنے سر خدا کی راہ میں دیئے۔ پھر ایسا گمان کہ کیوں یونہی عام اجازت ہر ایک کو نہ دی جائے کہ وہ اس قبرستان میں دفن کیا جائے کس قدر دور از حقیقت ہے۔ اگر یہی روا ہو تو خدا تعالیٰ نے ہر ایک زمانہ میں امتحان کی کیوں بنیاد ڈالی؟ وہ ہر ایک زمانہ میں چاہتا رہا ہے کہ خبیث اور طیّب میں فرق کر کے دکھلا وے۔ اس لئے اب بھی اس نے ایسا ہی کیا۔

خدا تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بعض خفیف خفیف امتحان بھی رکھے ہوئے تھے۔ جیسا کہ یہ بھی دستور تھا کہ کوئی شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کسی قسم کا مشورہ نہ لے جب تک پہلے نذرانہ داخل نہ کرے۔ پس اس میں بھی منافقوں کے لئے ابتلاء تھا۔ ہم خود محسوس کرتے ہیں کہ اس وقت کے امتحان سے بھی اعلیٰ درجہ کے مخلص جنہوں نے درحقیقت دین کو دنیا پر مقدم کیا ہے دوسرے لوگوں سے ممتاز ہو جائیں گے اور ثابت ہو جائیگا کہ بیعت کا اقرار انہوں نے پورا کر کے دکھلا دیا اور اپنا صدق ظاہر کر دیا۔ بے شک یہ انتظام منافقوں پر بہت گراں گزرے گا اور اس سے ان کی پردہ دری ہو گی اور بعد موت وہ مرد ہوں یا عورت اس میں ہرگز دفن نہیں ہو سکیں گے۔ فِیۡ قُلُوۡبِہِمۡ مَّرَضٌ فَزَادَھُمُ اللّٰہُ مَرَضًا[4] لیکن اس کام میں سبقت دکھلانے والے راستبازوں میں شمار کئے جائیں گے اور ابد تک خدا تعالیٰ کی ان پر رحمتیں ہونگی۔

بالآخر یہ بھی یاد رہے کہ بلاؤں کے دن نزدیک ہیں اور سخت زلزلہ جو زمین کو تہ و بالا کر دے گا قریب ہے۔ پس وہ جو معائنہ عذاب سے پہلے اپنا تارک الدنیا ہونا ثابت کر دینگے اور نیز

---

3. العنکبوت : ۲-۳ (مرتب)

4. البقرہ : ۱۱ (مرتب)

یہ بھی ثابت کر دینگے کہ کس طرح انہوں نے میرے حکم کی تعمیل کی خدا کے نزدیک حقیقی مومن وہی ہیں اور اس کے دفتر میں سابقین اولین لکھے جائیں گے۔ اور مَیں سچ سچ کہتا ہوں کہ وہ زمانہ قریب ہے کہ ایک منافق جس نے دنیا سے محبت کر کے اس حکم کو ٹال دیا ہے وہ عذاب کے وقت آہ مار کر کہیگا کہ کاش مَیں تمام جائیداد کیا منقولہ اور کیا غیر منقولہ خدا کی راہ میں دیتا اوراس عذاب سے بچ جاتا۔ یاد رکھو! کہ اس عذاب کے معائنہ کے بعد ایمان بے سود ہو گا اور صدقہ خیرات محض عبث۔ دیکھو! مَیں بہت قریب عذاب کی تمہیں خبر دیتا ہوں۔ اپنے لئے وہ زاد جلد تر جمع کرو کہ کام آوے۔ مَیں یہ نہیں چاہتا کہ تم سے کوئی مال لوں اور اپنے قبضہ میں کر لوں۔ بلکہ تم اشاعت دین کے لئے ایک انجمن کے حوالے اپنا مال کرو گے اور بہشتی زندگی پاؤ گے۔ بہتیرے ایسے ہیں کہ وہ دنیا سے محبت کر کے میرے حکم کو ٹال دینگے مگر بہت جلد دنیا سے جدا کئے جائیں گے۔ تب آخری وقت میں کہیں گے هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَ صَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ۔[5]

والسلام علی من اتبع الھدی

الراقم خاکسار

مرزا غلام احمد خدا کی طرف سے مسیح موعود

۶ جنوری ۱۹۰۶ء

(الوصیت۔ روحانی خزائن جلد ۲۰ صفحہ ۳۲۳۔۳۲۹)

5. یٰسٓ: ۵۳ (مرتب)

انفاق فی سبیل اللہ

جیسا کہ نفس خدا تعالیٰ کی امانت ہے ایسا ہی مال بھی خدا تعالیٰ کی امانت ہے۔ پس جو شخص صرف اپنے مال میں سے زکوٰۃ دیتا ہے وہ مال کو اپنا مال سمجھتا ہے مگر جو شخص مال کو خدا تعالیٰ کی امانت سمجھتا ہے وہ اپنے تمام مال کو خدا تعالیٰ کا مال جانتا ہے اور ہر ایک وقت خدا کی راہ میں دیتا ہے گو کوئی زکوٰۃ اس پر واجب نہ ہو۔

(براہین احمدیہ حصہ پنجم ۔روحانی خزائن جلد ۲۱ صفحہ ۲۳۲ حاشیہ)

دنیا میں انسان مال سے بہت محبت کرتا ہے اسی واسطے علم تعبیر الرویا میں لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص دیکھے کہ اس نے جگر نکال کر کسی کو دیا ہے تو اس سے مراد مال ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حقیقی اِتقا اور ایمان کے حصول کیلئے فرمایا لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ (ال عمران :۹۳) حقیقی نیکی کو ہر گز نہ پاؤ گے جب تک تم عزیز ترین چیز نہ خرچ کرو گے۔ کیونکہ مخلوق الٰہی کے ساتھ ہمدردی اور سلوک کا ایک بڑا حصہ مال کے خرچ کرنے کی ضرورت بتلاتا ہے۔ اور ابنائے جنس اور مخلوق خدا کی ہمدردی ایک ایسی شے ہے جو ایمان کا دوسرا جزو ہے جس کے بدوں ایمان کامل اور راسخ نہیں ہوتا۔ جب تک انسان ایثار نہ کرے دوسرے کو نفع کیونکر پہنچا سکتا ہے۔ دوسرے کی نفع رسانی اور ہمدردی کیلئے ایثار ضروری شے ہے اور اس آیت میں لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ میں اسی ایثار کی تعلیم اور ہدایت فرمائی گئی ہے پس مال کا اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنا بھی انسان کی سعادت اور تقویٰ شعاری کا معیار اور محک ہے۔

(ملفوظات جلد اول۔ جدید ایڈیشن صفحہ ۳۶۷)

پھر تیسرا[۳] کام مومن کا جس سے تیسرے درجے تک قوت ایمانی پہنچ جاتی ہے عقل سلیم کے

نزدیک یہ ہے کہ وہ صرف لغو کاموں اور لغو باتوں کو ہی خدا تعالیٰ کے لئے نہیں چھوڑتا بلکہ اپنا عزیز مال بھی خدا تعالیٰ کیلئے چھوڑتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ لغو کاموں کے چھوڑنے کی نسبت مال کا چھوڑنا نفس پر زیادہ بھاری ہے کیونکہ وہ محنت سے کمایا ہوا اور ایک کارآمد چیز ہوتی ہے جس پر خوش زندگی اور آرام کا مدار ہے۔ اس لئے مال کا خدا کیلئے چھوڑنا بہ نسبت لغو کاموں کے چھوڑنے کے قوت ایمانی کو زیادہ چاہتا ہے۔ اور لفظ افلح کا جو آیت میں وعدہ ہے اس کے اس جگہ یہ معنے ہونگے کہ دوسرے درجہ کی نسبت اس مرتبہ میں قوت ایمانی اور تعلق بھی خدا تعالیٰ سے زیادہ ہو جاتی ہے اور نفس کی پاکیزگی اس سے پیدا ہو جاتی ہے کیونکہ اپنے ہاتھ سے اپنا محنت سے کمایا ہوا مال محض خدا کے خوف سے نکالنا بجز نفس کی پاکیزگی کے ممکن نہیں۔

(براہین احمدیہ حصہ پنجم۔ روحانی خزائن جلد ۲۱ صفحہ ۲۳۱)

دولت مند اور متمول لوگ دین کی خدمت اچھی طرح کر سکتے ہیں۔ اسی لئے خدا تعالیٰ نے مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنفِقُوْنَ۔ (البقرہ :۴) متقیوں کی صفت کا ایک جزو قرار دیا ہے۔ یہاں مال کی کوئی خصوصیت نہیں ہے۔ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے کسی کو دیا ہے وہ اللہ کی راہ میں خرچ کرے۔ مقصود اس سے یہ ہے کہ انسان اپنے بنی نوع کا ہمدرد اور خادم ہے۔ اللہ تعالیٰ کی شریعت کا انحصار دو ہی باتوں پر ہے تعظیم لامر اللہ اور شفقت علیٰ خلق اللہ۔ پس مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ میں شفقت علیٰ خلق اللہ کی تعلیم ہے۔

(ملفوظات جلد اول۔ جدید ایڈیشن صفحہ ۳۶۷)

جس قدر راست باز اور نبی دنیا میں آئے ہیں خواہ وہ کسی ملک اور قوم میں آئے ہوں مگر یہ بات ان سب کی تعلیم میں یکساں ملتی ہے کہ انہوں نے صدقات اور خیرات کی تعلیم دی۔

(ملفوظات جلد سوم۔ جدید ایڈیشن صفحہ ۲۰۲)

اگر اللہ تعالیٰ چاہتا، تو ہم کو اس قدر خزانے دے دیتا کہ ہم کو پروا بھی نہ رہتی۔ مگر خدا ثواب میں داخل کرتا ہے جسکو وہ چاہتا ہے۔ یہ سب جو بیٹھے ہیں یہ قبریں ہی سمجھو کیونکہ آخر مرنا

ہے۔ پس ثواب حاصل کرنے کا وقت ہے۔ میں ان باتوں کو جو خدا نے میرے دل پر ڈالی ہیں سادہ اور صاف الفاظ میں ڈالنا چاہتا ہوں۔ اس وقت ثواب کیلئے مستعد ہو جاؤاور یہ بھی مت سمجھو کہ اگر اس راہ میں خرچ کرینگے تو کچھ کم ہو جاوے گا۔ خدا تعالیٰ کی بارش کی طرح سب کمیاں پوری ہو جائینگی۔ مَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ خَیْرًا یَّرَہٗ. (الزلزال :۸)

(ملفوظات جلد اول ۔جدید ایڈیشن صفحہ ۴۷۸)

اگر مالی عبادت انسان اسی قدر بجا لاوے کہ اپنے اموال محبوبہ مرغوبہ میں سے کچھ خدا تعالیٰ کی راہ میں دیوے تو یہ کچھ کمال نہیں ہے۔کمال تو یہ ہے کہ ماسویٰ سے بکلّی دست بردار ہو جائے اور جو کچھ اُس کا ہے وہ اُس کا نہیں بلکہ خدا کا ہو جائے۔ یہاں تک کہ جان بھی خدا تعالیٰ کی راہ میں فدا کرنے کیلئے تیار ہو کیونکہ وہ بھی ممارزقنٰھم میں داخل ہے۔ خدا تعالیٰ کا منشاء اُس کے قول مِمَّا رَزَقْنَا سے صرف درہم و دینار نہیں ہے بلکہ یہ بڑا وسیع لفظ ہے جس میں ہر ایک وہ نعمت داخل ہے جو انسان کو دی گئی ہے۔

(حقیقۃ الوحی۔ روحانی خزائن جلد ۲۲ صفحہ ۱۳۹۔۱۴۰)

امن عالم اور اسلام

یہ اصول نہایت پیارا اور امن بخش اور صلح کاری کی بنیاد ڈالنے والا اور اخلاقی حالتوں کو مدد دینے والا ہے کہ ہم ان تمام نبیوں کو سچا سمجھ لیں جو دنیا میں آئے، خواہ ہند میں ظاہر ہوئے یا فارس میں یا چین میں یا کسی اور ملک میں اور خدا نے کروڑہا دلوں میں انکی عزت اور عظمت بٹھا دی اور انکے مذہب کی جڑ قائم کر دی اور کئی صدیوں تک وہ مذہب چلا آیا۔ یہی اصول ہے جو قرآن نے ہمیں سکھلایا۔ اسی اصول کے لحاظ سے ہم ہر ایک مذہب کے پیشوا کو جنکی سوانح اس تعریف کے نیچے آ گئی ہیں عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، گو وہ ہندوؤں کے مذہب کے پیشوا ہوں یا فارسیوں کے مذہب کے یا چینیوں کے مذہب کے یا یہودیوں کے مذہب کے یا عیسائیوں کے مذہب کے۔

(تحفہ قیصریہ۔ روحانی خزائن جلد۱۲ صفحہ ۲۵۹)

ایک پہلو سے سلاطین رعایا پر حکم چلاتے ہیں اور دوسرے پہلو سے رعیت سلاطین پر حکم چلاتی ہے۔ اور جب تک یہ دونوں پہلو اعتدال سے چلتے ہیں تب تک اس ملک میں امن رہتا ہے اور جب کوئی بے اعتدالی رعایا کی طرف سے یا بادشاہوں کی طرف سے ظہور میں آتی ہے تبھی ملک میں سے امن اٹھ جاتا ہے۔

(چشمہ معرفت۔ روحانی خزائن جلد۲۳ صفحہ۳۳)

جب سے کہ دنیا پیدا ہوئی ہے تمام ملکوں کے راست باز یہ گواہی دیتے آئے ہیں کہ خدا کے اخلاق کا پیرو ہونا انسانی بقا کے لئے ایک آب حیات ہے۔ اور انسانوں کی جسمانی اور روحانی زندگی اسی امر سے وابستہ ہے کہ وہ خدا کے تمام مقدس اخلاق کی پیروی کرے جو سلامتی کا چشمہ ہیں۔

(پیغام صلح۔ روحانی خزائن جلد۲۳ صفحہ ۴۴۰)

میرے نزدیک ایسی فتنہ انگیز تحریروں کے روکنے کے لئے بہتر طریق یہ ہے کہ گورنمنٹ عالیہ یا تو یہ تدبیر کرے کہ ہر ایک فریق مخالف کو ہدایت فرماوے کہ وہ اپنے حملہ کے وقت تہذیب اور نرمی سے باہر نہ جاوے اور صرف ان کتابوں کی بناء پر اعتراض کرے جو فریق مقابل کی مسلّم اور مقبول ہوں۔ اور اعترض بھی وہ کرے جو اپنی مسلّم کتابوں پر وارد نہ ہوسکے۔ اور اگر گورنمنٹ عالیہ یہ نہیں کرسکتی تو یہ تدبیر عمل میں لاوے کہ یہ قانون صادر فرماوے کہ ہر ایک فریق صرف اپنے مذہب کی خوبیاں بیان کیا کرے اور دوسرے فریق پر ہرگز حملہ نہ کرے۔ میں دل سے چاہتا ہوں کہ ایسا ہو۔ اور میں جانتا ہوں کہ قوموں میں صلح کاری پھیلانے کے لئے اس سے بہتر اور کوئی تدبیر نہیں کہ کچھ عرصہ کیلئے مخالفانہ حملے روک دیئے جائیں۔ ہر ایک شخص صرف اپنے مذہب کی خوبیاں بیان کرے اور دوسرے کا ذکر زبان پر نہ لاوے۔

(کتاب البریہّ۔ روحانی خزائن جلد۱۳ صفحہ ۳۴۶)

اسلام وہ پاک اور صلح کار مذہب تھا جس نے کسی قوم کے پیشوا پر حملہ نہیں کیا۔ اور قرآن وہ قابل تعظیم کتاب ہے جس نے قوموں میں صلح کی بنیاد ڈالی اور ہر ایک قوم کے نبی کو مان لیا۔ اور تمام دنیا میں یہ فخر خاص قرآن شریف کو حاصل ہے جس نے دنیا کی نسبت ہمیں یہ تعلیم دی کہ لَانُفَرِّقُ بَیۡنَ اَحَدٍ مِّنۡھُمۡ وَنَحۡنُ لَہٗ مُسۡلِمُوۡنَ [1] یعنی تم اے مسلمانو! یہ کہو کہ ہم دنیا کے تمام نبیوں پر ایمان لاتے ہیں اور ان میں یہ تفرقہ نہیں ڈالتے کہ بعض کو مانیں اور بعض کو ردّ کردیں۔

(پیغام صلح۔ روحانی خزائن جلد۲۳ صفحہ ۴۵۹)

اسلام کا بڑا بھاری مقصد خدا کی توحید اور جلال زمین پر قائم کرنا اور شرک کا بکلّی استیصال کرنا اور تمام متفرق فرقوں کو ایک کلمہ پر قائم کر کے ان کو ایک قوم بنا دینا ہے۔

(پیغام صلح۔ روحانی خزائن جلد۲۳ صفحہ ۴۶۹)

---

1. ال عمران: ۸۵ (مرتب)

گناہ کی حقیقت

اس وقت انسان کو مجرم یا گنہگار کہا جاتا ہے کہ جب وہ خدا سے اعراض کر کے اس روشنی کے مقابلہ سے پرے ہٹ جاتا اور اس چمک سے ادھر ادھر ہو جاتا ہے جو خدا سے اترتی اور دلوں پر نازل ہوتی ہے۔ اس حالت موجودہ کا نام خدا کی کلام میں جُناح ہے جسکو پارسیوں نے مبدّل کر کے گناہ بنا لیا ہے۔ اور جنح جو اس کا مصدر ہے اسکے معنے ہیں میل کرنا اور اصل مرکز سے ہٹ جانا۔ پس اسکا نام جُناح یعنی گناہ اسلئے ہوا کہ انسان اعراض کر کے اس مقام کو چھوڑ دیتا ہے جو الٰہی روشنی پڑنے کا مقام ہے اور اس خاص مقام سے دوسری طرف میل کر کے ان نوروں سے اپنے تئیں دور ڈالتا ہے جو اس سمت مقابل میں حاصل ہو سکتے ہیں۔ ایسا ہی جُرم کا لفظ جس کے معنے بھی گناہ ہیں جَرْم سے مشتق ہے اور جَرْم عربی زبان میں کاٹنے کو کہتے ہیں۔ پس جُرم کا نام اسلئے جَرْم ہوا کہ جرم کا مرتکب اپنے تمام تعلقات خدا تعالیٰ سے کاٹتا ہے۔ اور باعتبار مفہوم کے جُرم کا لفظ جُناح کے لفظ سے سخت تر ہے کیونکہ جُناح صرف میل کا نام ہے جس میں کسی طرح کا ظلم ہو۔ مگر جُرم کا لفظ کسی گناہ پر اس وقت صادق آئے گا کہ جب ایک شخص عمداً خدا کے قانون کو توڑ کر اور اس کے تعلقات کی پرواہ نہ رکھکر کسی ناکردنی امر کا دیدہ دانستہ ارتکاب کرتا ہے۔

(کتاب البریہ۔ روحانی خزائن جلد ۱۳ صفحہ ۷۸۔۷۹)

گناہ درحقیقت ایک ایسا زہر ہے جو اسوقت پیدا ہوتا ہے کہ جب انسان خدا کی اطاعت اور خدا کی پرجوش محبت اور محبّانہ یاد الٰہی سے محروم اور بے نصیب ہو۔ اور جیسا کہ ایک درخت جب زمین سے اکھڑ جائے اور پانی چوسنے کے قابل نہ رہے تو وہ دن بدن خشک ہونے لگتا ہے اور اسکی تمام سرسبزی برباد ہو جاتی ہے یہی حال اس انسان کا ہوتا ہے جس کا دل خدا کی

محبت سے اکھڑا ہوا ہوتا ہے۔ پس خشکی کی طرح گناہ اسپر غلبہ کرتا ہے۔ سو اس خشکی کا علاج خدا کے قانون قدرت میں تین طور سے ہے۔(۱) ایک محبت (۲) استغفار جس کے معنے ہیں دبانے اور ڈھانکنے کی خواہش۔ کیونکہ جب تک مٹی میں درخت کی جڑ جمی رہے تب تک وہ سرسبزی کا امیدوار ہوتا ہے۔ (۳) تیسرا علاج توبہ ہے یعنی زندگی کا پانی کھینچنے کیلئے تذلل کے ساتھ خدا کی طرف پھرنا اور اس سے اپنے تئیں نزدیک کرنا اور معصیت کے حجاب سے اعمال صالحہ کے ساتھ اپنے تئیں باہر نکالنا۔ اور توبہ صرف زبان سے نہیں ہے بلکہ توبہ کا کمال اعمال صالحہ کے ساتھ ہے۔

(سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کا جواب۔ روحانی خزائن جلد۱۲ صفحہ ۳۲۸۔۳۲۹)

گناہ ایک روحانی بیماری ہے۔ جب تک اسکی ماہیت معلوم نہیں ہوتی اس وقت تک انسان گناہ سے بچ نہیں سکتا۔ اس پر یہ سوال ہوسکتا ہے کہ انسان گناہ کی طرف کیوں جھکتا ہے اور یہ گناہ کا خیال پیدا ہی کیوں ہوتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ اس وقت تک انسان گناہ کرتا ہے جب تک وہ خدا سے بے خبر رہتا ہے۔ بھلا کیا کوئی شخص جو چوری کرتا ہے وہ اس وقت کرتا ہے جبکہ گھر کا مالک جاگتا ہو اور روشنی بھی ہو یا اس وقت کرتا ہے جبکہ گھر کا مالک سویا ہوا ہو اور ایسا اندھیرا ہو کہ کچھ دکھائی نہ دیتا ہو؟ صاف ظاہر ہے کہ وہ اس وقت چوری کرتا ہے جب وہ یقین کرتا ہے کہ مالک بے خبر ہے اور روشنی نہیں ہے۔ اسی طرح پر ایک شخص جو گناہ کرتا ہے وہ اس وقت کرتا ہے جبکہ خدا سے بے خبر ہو جاتا ہے اور اسکو اس پر کچھ یقین نہیں ہوتا۔ نہ اس وقت جب کہ اسکو یقین ہو کہ خدا ہے اور وہ اسکے اعمال کو دیکھتا ہے اور اسکو سزا دے سکتا ہے۔ اور یہ علم ہو کہ اگر میں کوئی کام اسکی خلاف مرضی کروں گا تو وہ اسکی سزا دے گا۔ جب یہ علم اور یقین خدا کی نسبت ہو تو پھر گناہ کی طرف میل اور توجہ نہیں ہوسکتی۔ جب انسان یہ یقین رکھتا ہے کہ میں ہمیشہ اسکے ماتحت ہوں اور وہ میری بداعمالیوں کی سزا دے سکتا ہے اور میرے اعمال کو دیکھتا ہے پھر جرأت نہیں کرسکتا۔ جیسے ایک بھیڑ کو بھیڑیئے کے سامنے باندھ دیا جائے تو کسی دوسرے کے کھیت کی طرف جانا

درکنار اسکے سامنے کتنا ہی گھاس کھانے کیلئے ڈالا جاوے تو وہ اسکی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھے گی کیونکہ ایک خوف جان اس پر غلبہ کئے ہوئے ہے۔ پس جبکہ خوف ایک وحشی جانور تک اپنا اتنا اثر کرسکتا ہے کہ وہ کھانا تک چھوڑ دیتا ہے تو پھر انسان جب اپنے آپ کو خداتعالیٰ کے سامنے اسی طرح سمجھے اور یقین کرے کہ وہ دیکھتا ہے اور گناہ پر سزا دیتا ہے تو اس یقین کے بعد گناہ کی طرف متوجہ نہیں ہوسکتا بلکہ وہ یقین رکھتا ہے کہ وہ صاعقہ کی طرح اس پر گرے گا اور تباہ کر دے گا۔ پس یہ خوف جو خدا تعالیٰ کو بزرگ و برتر اور قدرت والا ماننے سے پیدا ہوتا ہے اسکو گناہ سے بچائے گا اور یہ سچا ایمان پیدا کرے گا۔

یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ گناہ دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک گناہ کبیرہ کہلاتے ہیں جیسے چوری کرنا۔ زنا۔ ڈاکہ وغیرہ موٹے موٹے گناہ کہلاتے ہیں۔ دوسرے صغیرہ جو بلحاظ بشریت کے انسان سے سرزد ہو جاتے ہیں۔ باوجودیکہ انسان اپنے آپ میں بڑا ہی بچتا اور محتاط رہتا ہے مگر بشریت کے تقاضے سے بعض ناسزا امور اس سے سرزد ہو جاتے ہیں جو دوسری قسم کے گناہ ہیں۔ اسی طرح پر گناہ کے دور ہونے کے بھی دو ذریعے ہیں۔ اوّل وہ ذریعہ ہے کہ بہت سے گناہ ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے غلبہ خوف کے سبب سے دور ہو جاتے ہیں۔ یعنی استیلاء خوف الٰہی بھی ایک ایسی شے ہے جو گناہوں کو دور کرتی ہے اور ان سے بچاتی ہے۔ یہ ذریعہ ایسا ہے جیسے پولیس کے خوف سے انسان قانون کی خلاف ورزی سے بچتا ہے۔ پھر دوسرا ذریعہ گناہوں سے بچنے کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت پر اطلاع پانے کے بعد اسکی محبت بڑھتی ہے اور پھر اس محبت سے گناہ دور ہوتے ہیں۔ ان دونوں ذریعوں سے بھی گناہ دور ہوتے ہیں۔

(ملفوظات جلد دوم۔ جدید ایڈیشن صفحہ ۲۰۵۔۲۰۶)

زندگانی کی زیادہ خواہش اکثر گناہوں کی اور کمزوریوں کی جڑھ ہے۔ ہمارے دوستوں کو لازم ہے کہ مالک حقیقی کی رضا میں اوقات عزیز بسر کرنے کی ہر وقت کوشش کریں۔ حاصل یہی ہے، ورنہ آج چل دینے اور مثلاً پچاس سال کے بعد کوچ کرنے میں کیا فرق ہے۔ جو آج

چاند و سورج ہے وہی اس دن ہو گا۔ جو انسان نافع اور اس کے دین کا خادم ہوتا ہے اللہ تعالیٰ خود بخود اسکی عمر اور صحت میں برکت ڈال دیتا ہے اور شرالناس کی کچھ پروانہیں کرتا۔ سو آپ سب کام ہر حال خدا میں ہو کر کریں۔ خود اللہ تعالیٰ آپ کو محفوظ رکھے گا۔

(ملفوظات جلد اول۔ جدید ایڈیشن صفحہ ۴۳۸۔۴۳۹)

کیا وجہ ہے کہ قسم قسم کے گناہ سرزد ہوتے ہیں یہاں تک کہ اگر راستہ میں ایک پیسہ پڑا ہوا ہو تو جھک کر اسکو اٹھالے گا۔ حالانکہ تھوڑے سے اعلان سے معلوم ہو سکتا ہے کہ وہ پیسہ کس کا ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ بارہ بارہ آنے پر معصوم بچوں کی جانیں لی جاتی ہیں۔ عدالتوں میں جا کر دیکھو کس قدر خوفناک اور تاریک نظارہ نظر آئے گا۔ تھوڑی تھوڑی بات پر جھوٹ بولا جاتا ہے۔ فسق و فجور کا ایک دریا بہہ رہا ہے۔ یہ کیوں؟ صرف اس لئے کہ خدا پر ایمان نہیں ہے۔ سانپوں اور زہروں سے ڈرتے ہیں اسلئے کہ انکو مہلک مانتے ہیں اور انکے خطرناک ہونے پر ایمان ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ پر ایمان کامل ہو تو میں نہیں سمجھتا کہ کیوں گناہ سے نفرت پیدا نہ ہو۔

(ملفوظات جلد اول۔ جدید ایڈیشن صفحہ ۴۶۵)

پھر جبکہ انسان کیلئے پہلی اور بڑی مصیبت یہی ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کی ہستی کی شناخت کرنے کی راہ میں بڑے بڑے مشکلات اور شبہات میں مبتلا ہے یہاں تک کہ بسا اوقات پورا دہریہ اور اکثر دہریت کی رگ اپنے اندر رکھتا ہے اور اسی وجہ سے گناہ کرنے پر دلیر ہو جاتا ہے اور جس قدر سم الفار کی مہلک تاثیر کی ہیبت اسکو اس حرکت سے ڈراتی ہے کہ وہ اسکے کھانے کا ارتکاب کرے اس قدر خدا تعالیٰ کی ہیبت نافرمانی سے اسکو نہیں روکتی۔ اسکی کیا وجہ ہے یہی تو ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کی ہستی اور اسکی عظمت اور جلال اور اقتدار سے بے خبر ہے۔ تبھی تو اسکی نافرمانی کو ایک معمولی بات سمجھتا ہے اور نہیں ڈرتا اور ادنیٰ ادنیٰ حکّام کی نافرمانی سے اسکی روح تحلیل ہوتی ہے۔ پس ظاہر ہے کہ ہماری تمام سعادت خدا شناسی میں ہے اور نفسانی جذبات کو

انکے طوفان سے روکنے والی وہ معرفت کاملہ ہے جس سے ہمیں پتہ لگ جائے کہ درحقیقت خدا ہے اور درحقیقت وہ بڑا قادر اور بڑا رحیم اور ذوالعذاب الشدید بھی ہے۔ یہی وہ نسخہ مجربہ ہے جس سے سچی تبدیلی ہوتی ہے اور انسان کی متمردانہ زندگی پر موت آ جاتی ہے۔

(کتاب البریہ۔ روحانی خزائن جلد۱۳ صفحہ ۶۱۔۶۲)

خداتعالیٰ کی غفوریت کیسے کام کرے۔ بندوں نے گناہ کرنے ہی ہیں تو اس نے بخشنے ہی ہیں۔ ہاں ایک بات ضرور ہے کہ وہ گناہ نہ کریں جس میں سرکشی ہو۔ ورنہ دوسرے گناہ جو انسان سے سرزد ہوتے ہیں اگر ان سے بار بار خدا سے بذریعہ دعا تزکیہ چاہے گا تو اسے قوت ملے گی۔ بلا قوت اللہ تعالیٰ کے ہرگز ممکن نہیں ہے کہ اسکا تزکیہ نفس ہو۔ اور اگر ایسی عادت رکھے کہ جو کچھ نفس نے چاہا اس وقت کر لیا تو اسے کوئی قوت نہیں ملے گی۔ جب ان جوشوں کا مقابلہ کرے اور گناہ کی طاقت ہوتے ہوئے پھر گناہ نہ کرے۔ ورنہ اگر وہ اس وقت گناہ سے باز آتا ہے جبکہ خدا تعالیٰ نے طاقتیں چھین لی ہیں تو اسے کیا ثواب ہو گا۔ مثلاً آنکھوں میں بینائی نہ رہے تو اس وقت کہے کہ اب میں غیرعورتوں کو نہیں دیکھتا تو یہ کیا بزرگی ہوئی۔ بزرگی تو اس میں تھی کہ پیشتر اس کے کہ خدا اپنی دی ہوئی امانتیں واپس لیتا وہ اسکے بے محل استعمال سے باز رہتا۔

(ملفوظات جلد دوم۔ جدید ایڈیشن صفحہ ۶۵۷)

گناہ کیا چیز ہے اللہ تعالیٰ کی خلاف مرضی کرنا اور ان ہدایتوں کو جو اس نے اپنے پیغمبروں خصوصاً آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت دی ہیں توڑنا اور دلیری سے ان ہدایتوں کی مخالفت کرنا یہ گناہ ہے۔ جبکہ ایک بندہ کو خدا تعالیٰ کی ہدایتوں کا علم دیا جاوے اور اس کو سمجھا دیا جاوے پھر اگر وہ ان ہدایتوں کو توڑتا اور شوخی اور شرارت سے گناہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بہت ناراض ہوتا ہے۔ اور اس ناراضگی کا یہی نتیجہ نہیں ہوتا کہ وہ مرنے کے بعد دوزخ میں پڑے گا بلکہ اسی دنیا میں بھی اس کو طرح طرح کے عذاب آتے اور ذلت اٹھانی پڑتی ہے۔

دنیاوی حکام کا بھی یہی حال ہے کہ وہ ایک قانون مشتہر کر دیتے ہیں اور پھر اگر کوئی ان کے احکام کو توڑتا اور خلاف ورزی کرتا ہے تو پکڑا جاتا اور سزا پاتا ہے۔ لیکن دنیوی حکام کے عذاب سے اور ان کے قوانین و احکام کی خلاف ورزی کی سزا سے آدمی کسی دوسری عملداری میں بھاگ جانے سے بچ بھی سکتا ہے اور اس طرح پیچھا چھڑا سکتا ہے۔ مثلاً اگر انگریزی عملداری میں کوئی خلاف ورزی کی ہے تو وہ فرانس یا کابل کی عملداری میں بھاگ جانے سے بچ سکتا ہے لیکن خدا تعالیٰ کے احکام و ہدایات کی خلاف ورزی کر کے انسان کہاں بھاگ سکتا ہے؟ کیونکہ یہ زمین و آسمان جو نظر آتا ہے یہ تو اسی کا ہے اور کوئی اور زمین و آسمان کسی اور کا کہیں نہیں ہے جہاں تم کو پناہ مل جاوے۔ اس واسطے یہ بہت ضروری امر ہے کہ انسان ہمیشہ خدا تعالیٰ سے ڈرتا رہے اور اس کی ہدایتوں کے توڑنے یا گناہ کرنے پر دلیر نہ ہو کیونکہ گناہ بہت بری شے ہے۔ اور جب انسان اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتا اور گناہ پر دلیری کرتا ہے تو پھر عادت اللہ اس طرح پر جاری ہے کہ اس جرأت و دلیری پر خدا تعالیٰ کا غضب آتا ہے اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

(ملفوظات جلد سوم۔ جدید ایڈیشن صفحہ ۶۰۷)

خدا تعالیٰ کی ذات انسان کی زندگی کے واسطے ایک دائمی راحت اور خوشی کا سرچشمہ ہے۔ جو شخص اس سے الگ ہوتا ہے یا کسی نہ کسی پہلو سے اس کو چھوڑتا ہے اس حالت میں کہا جاتا ہے کہ اس شخص نے گناہ کیا۔ خدا تعالیٰ نے فطرت انسانی پر نظر ڈال کر جو اعمال باریک در باریک رنگ میں خود انسان کی اپنی ہی ذات کے واسطے مضر پڑنے والے تھے ان کا نام بھی گناہ رکھا گو بعض اوقات انسان انکی مضرت کو نہ سمجھ سکتا ہو۔ مثلاً چوری کرنا اور دوسروں کے حقوق میں دست اندازی کر کے ان کو نقصان پہچانا۔ گویا خود اپنی پاک زندگی کو نقصان پہنچاتا ہے۔ زانی کا زنا کرنا اور دوسروں کے حق میں دست درازی کرنا اور خود اپنی فطرت کی پاکیزگی کو برباد کرنا اور طرح طرح کی مشکلات جسمانی، روحانی میں مبتلا ہوتا ہے۔ اس طرح سے وہ امور بھی جو فطرت انسانی کی پاکیزگی اور طہارت کے خلاف ہوں گناہ کہلاتے ہیں

اور پھر ان امور کے لوازم قریبہ یا بعیدہ بھی گناہ کے ضم ضمیمہ ہی سمجھے جاتے ہیں۔ خدا تعالیٰ جو سب سے بڑا اور سب سے زیادہ علم والا، انسان اور ذرہ ذرہ کا خالق حقیقی ہے اور وہ ان کے خواص کا بھی خالق اور دانا ہے وہ اپنی کامل حکمت اور کامل علم سے ایک بات تجویز کرتا ہے کہ یہ تمہارے حق میں مضر ہے۔اس کا ارتکاب ہرگز ہرگز تمہارے حق میں مفید نہیں بلکہ سراسر مضر ہے تو انسان، ہاں سلیم الفطرت انسان کا یہ کام نہیں کہ اس کی خلاف ورزی کرے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک ڈاکٹر جب ایک مریض کے واسطے کوئی پرہیز تجویز کرتا ہے تو بیمار کس طرح بے چون و چرا اس کی تعمیل کرتا ہے۔ کیوں ایسا کرتا ہے؟ اس لئے کہ وہ ڈاکٹر کو اپنے سے زیادہ وسیع معلومات رکھنے والا یقین کرتا ہے۔

غرض اسی طرح بعض امور ایسے بھی ہیں کہ وہ انسان کے جسم یا روح کے واسطے مضر ہوتے ہیں خواہ انسان سمجھے یا نہ سمجھے۔ بعض امور ایسے ہیں کہ اگر خدا تعالیٰ ان کے واسطے نہ بھی حکم دیتا تو بھی وہ مضر ہی تھے۔طب جسمانی میں بھی بعض گناہ رکھے گئے ہیں۔قواعد طب کا علم نہ ہونا عذر نہیں ہوسکتا اس شخص کے واسطے جو خلاف ورزی قواعد طب کرتا ہے۔ اگر کسی کو یقین نہ ہو تو ڈاکٹروں اور اطباء سے پوچھ لو۔ یاد رکھنے کے لائق نکتہ یہی ہے کہ گناہ کی جڑ وہی امور ہیں جن کے کرنے سے سچی پاکیزگی اور تقویٰ طہارت سے انسان دور جا پڑے۔ خدا تعالیٰ کی سچی محبت اور اس کا وصال ہی سچی راحت اور حقیقی آرام ہے۔ پس خدا سے دوری اور الگ ہونا بھی گناہ اور باعث دکھ اور رنج و مصیبت ہے۔ جن باتوں کو خدا اپنی تقدیس کی وجہ سے پسند نہیں کرتا وہی گناہ ہے۔ اگر بعض امور میں لوگوں کا اختلاف ہے تو دوسری طرف اکثر حصہ گناہ کا دنیا میں مشترکہ طور سے مسلم ہے۔ جھوٹ، چوری، زنا اور ظلم وغیرہ ایسے امور ہیں کہ تمام مذہب و ملت کے لوگ مشترکہ طور سے ان کو گناہ ہی یقین کرتے ہیں۔ مگر یاد رکھو کہ گناہ کی جڑ وہی امور ہیں جو خدا سے بعید کرتے ہیں، خدا تعالیٰ کی تقدیس کے خلاف ہیں۔ خدا تعالیٰ کے ذاتی تقاضے کے برخلاف اور فطرت انسانی کے واسطے مضر ہیں وہی گناہ ہیں۔ ہر انسان گناہ کو محسوس کرتا ہے۔ دیکھو جب کوئی کسی بے گناہ کو طمانچہ مارتا ہے اور جانتا

ہے کہ میرا حق نہیں کہ ایسا کروں وہ آخر ایک وقت جب ٹھنڈے دل سے بیٹھے گا اپنے دل میں خود نادم اور شرمندہ ہوگا اور محسوس کریگا کہ میں نے برا کیا۔ ایک انسان جو کسی بھوکے کو کھانا دیتا ہے، پیاسے کو پانی پلاتا ہے، ننگے کو کپڑا پہناتا ہے وہ اپنے اندر ہی اندر ایک قسم کا احساس پاتا ہے کہ میں نے نیکی کی اور اچھا کام کیا۔ انسان کا دل اور کانشنس نور ایمان ہر کام کے وقت اس کو معلوم کرا دیتا ہے کہ آیا اس نے ثواب کیا یا گناہ کیا۔

(ملفوظات جلد پنجم۔ جدید ایڈیشن صفحہ۶۲۲۔۶۲۳)

اے دوستو! گناہ سے بے خوف ہونے کی یہی وجہ ہے کہ غافل انسان کو نہ خدا پر یقینی ایمان ہے، نہ اس کی سزا پر ورنہ انسان اپنی ذات میں بزدل ہے۔ اگر ایک گھر میں کسی چھت کے نیچے چند آدمی بیٹھے ہوں اور یک دفعہ سخت زلزلہ آوے تو وہ سب کے سب باہر کی طرف دوڑتے ہیں۔ اس کا یہی سبب ہوتا ہے کہ وہ یقین رکھتے ہیں کہ اگر چند منٹ اور چھت کے نیچے بیٹھے رہے تو موت کا شکار ہو جائیں گے۔ مگر چونکہ گناہ کرنے والوں کو خدا پر یقین نہیں، نہ اسکی سزا پر یقین ہے اسلئے وہ لوگ دلیری سے گناہ کرتے ہیں۔ جو لوگ جھوٹے اور بناوٹی ذریعے نجات کیلئے ڈھونڈتے ہیں وہ اور بھی گناہ پر دلیر ہو جاتے ہیں کیونکہ جھوٹا ذریعہ کوئی یقین نہیں بخشتا۔ مگر جس شخص کو یہ علم یقینی حاصل ہو جاتا ہے کہ درحقیقت خدا ہے اور درحقیقت گنہگار بے سزا نہیں رہے گا بشرطیکہ یقینی علم ہو نہ محض رسمی، وہ بلا شبہ اپنے تئیں گناہ کی راہوں سے بچائے گا۔ سچی فلاسفی نجات کی یہی ہے جو قرآن شریف نے ہم پر ظاہر کی۔ اگر چاہو تو قبول کرو۔

(چشمۂ معرفت۔ روحانی خزائن جلد۲۳ صفحہ۴۲۲)

جس قدر جرائم، معاصی اور غفلت وغیرہ ہوتی ہے ان سب کی جڑ خدا شناسی میں نقص ہے۔ اسی نقص کی وجہ سے گناہ میں دلیری ہوتی ہے، بدی کی طرف رجوع ہوتا ہے اور آخرکار بدچلنی کی وجہ سے آتشک کی نوبت آتی ہے۔ پھر اس سے جذام ہوتا ہے جس سے نوبت موت تک پہنچتی ہے۔ حالانکہ اگر بدکار آدمی بدکاری میں لذت حاصل نہ کرے تو خدا تعالیٰ

اسے لذت اور طریق سے دے دیگا یا اس کے جائز وسائل بہم پہنچا دے گا۔ مثلاً اگر چور چوری کرنا ترک کر دے تو خدا تعالیٰ اسے مقدر رزق ایسے طریق سے دیدے گا کہ حلال ہو۔ اور حرام کار حرامکاری نہ کرے تو خدا تعالیٰ نے اس پر حلال عورتوں کا دروازہ بند نہیں کر دیا۔

(ملفوظات جلد سوم۔ جدید ایڈیشن صفحہ ۴۹۶)

انسان معاصی اور جرائم کی مرض سے تب ہی نجات پا سکتا ہے کہ اسے چور اور سانپ وغیرہ سے بڑھ کر ان کے مضر اور نقصان دہ ہونے کا یقین ہو اور خدا کا جلال، اس کی عظمت اور جبروت ہر وقت اس کے مدنظر ہو۔ انسان اپنی حرص وخواہش اور دلی آرزوؤں کو بھی ترک کر سکتا ہے۔ مثلاً ایک ذیابیطس کا مریض جس کو ڈاکٹر کہدے کہ شیرینی کا استعمال بالکل ترک کر دو پھر اپنی جان کی خاطر میٹھے کو چھوتا بھی نہیں۔ پس یہی حال روحانی حرص و ہوا اور خواہشات نفسانی کا ہے۔ اگر خدا تعالیٰ کی عظمت اور اس کا جلال سچے طور سے اس کے دل میں گھر کر چکا ہو تو پھر اس کی نافرمانی کو آگ کے کھانے سے اور موت سے بھی بدتر محسوس کرے گا۔انسان کو جس قدر خدا تعالیٰ کے اقتدار اور سطوت کا علم ہو گا اور جس قدر یقین ہو گا کہ اس کی نافرمانی کرنے کی سخت سزا ہے اسی قدر گناہ اور نافرمانی اور حکم عدولی سے اجتناب کرے گا۔

(ملفوظات جلد پنجم۔ جدید ایڈیشن صفحہ ۵۹۴)

سوال کیا گیا کہ بعض لوگ ایک امر کو گناہ یقین کرتے ہیں حالانکہ ایک دوسرے ملک یا خود اسی ملک کے بعض لوگ اسی امر کو گناہ نہیں مانتے یا ثواب یقین کرتے ہیں تو اب ان میں امر فیصل کیا ہوا؟

فرمایا:۔

آپ کے بیان سے یہ ثابت ہو گیا کہ کم از کم اختلاف تو ہے۔ پس اسی اختلاف میں ہی ہماری فتح ہے۔ ایک مومن اور محتاط انسان کی شان سے یہ بالکل بعید ہے کہ وہ مختلفہ امور کو اختیار کرے۔ مثلاً آپ ہی کے سامنے ایک کھانا رکھا جاوے، اتنے میں کوئی شخص آپ کو یہ

بتا دے کہ اس کھانے میں زہر کا احتمال ہے۔ اب آپ ہی فرماویں کہ کیا آپ اس کو استعمال کریں گے؟ میں تو ہرگز یقین نہیں کرسکتا کہ ایک ایسا آدمی جس کو اپنی زندگی عزیز ہو اس کا ایک لقمہ بھی کھا سکے۔

بیشک یہ سچی بات ہے کہ دہریہ ایک بے باکی کا طریق اختیار کرتا ہے مگر اسکو یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ یہ امر اس کے واسطے مضر نہیں اور وہ بچ گیا ہے بلکہ بات یہ ہے کہ جس طرح ہر درخت کے پھل لانے کا ایک معین وقت ہوتا ہے اسی طرح ہر زہر کے اثر کا بھی ایک وقت مقرر ہوتا ہے۔ بعض زہر ایسے ہیں کہ ہاتھوں ہاتھ اپنا اثر دکھا دیتے ہیں۔ بعض گھڑی اور بعض گھنٹے بعد اور بعض کی میعاد اس سے بھی زیادہ کئی دنوں کی ہوا کرتی ہے۔

عقلمند انسان کو دیکھنا یہ چاہیے کہ اتنے نامی اور مشہور اوتار، نبی، رسول جو لاکھوں لاکھ دنیا میں آئے انہوں نے دنیا میں کیا راہ قائم کی؟ اچھا آپ ہی بتائیں کہ مہذب فرقہ کے لوگ چوری، جھوٹ، زنا وغیرہ امور کو کیسا خیال کرتے ہیں پس اب یقین جانیں کہ خود یہ اختلاف ہی ظاہر کرتا ہے کہ واقعی وہ امور جن میں اختلاف کیا گیا ہے گناہ ہیں۔ علاج مرض کا کیا جانا چاہیے۔ ہم کہتے ہیں کہ گناہ تو ایسی چیز ہے کہ خدا تعالیٰ کی ہستی کو نہ ماننے والا بھی طبعاً اس سے نفرت کرتا ہے۔ پس ایک صحیح الفطرت انسان خواہ اس تک آسمانی تعلیم نہ بھی پہنچی ہو فطرتاً گناہ کو گناہ یقین کرتا اور قابل نفرت جانتا ہے۔

دوم یہ کہ بعض امور جو ممنوعات میں سے ہوتے ہیں وہ قانون اور باریک حکمت کے خلاف ہوتے ہیں اور خود انسان کے اپنے حق میں یا بنی نوع انسان کے واسطے بھی ان کا ارتکاب مضر ہوتا ہے۔ مثلاً زنا سے زانی کو آتشک، سوزاک وغیرہ خطرناک امراض لاحق ہو کر وبال جان ہو جاتی ہے۔

پس یاد رکھنا چاہیے کہ نہ خدا نے گناہ سے اس واسطے روکا ہے کہ اس میں اس کا کوئی نقصان متصور ہے اور نہ نیکی کی اس واسطے تاکید فرمائی ہے کہ اس میں اس کا کوئی فائدہ ہے۔ بلکہ یہ اس کا رحم ہے کہ اس نے ایسے امور جو خود انسان کے اپنے ہی واسطے مضر تھے یا بنی نوع

انسان کے واسطے مضر تھے ان سے روک دیا اور یہ اس کا کمال رحم ہے۔ وہ چونکہ قدوس اور پاک ہے اس کی قدوسیت اور پاکی کا تقاضا ہے کہ دنیا میں نیکی پھیلے۔ ورنہ انسان اگر بے قید ہو کر بدی اور گناہ کرے گا اور ممنوعات شرعیہ کا ارتکاب کرے گا تو اس کا وبال بھی خود ہی برداشت کرے گا۔ خدا تعالیٰ کا اس میں کچھ نقصان نہیں۔

(ملفوظات جلد پنجم۔ جدید ایڈیشن صفحہ ۵۹۶۔۵۹۷)

یہ فخر کی بات نہیں کہ انسان اتنی ہی بات پر خوش ہو جاوے کہ مثلاً وہ زنا نہیں کرتا۔ یا اس نے خون نہیں کیا۔ چوری نہیں کی۔ یہ کوئی فضیلت ہے کہ برے کاموں سے بچنے کا فخر حاصل کرتا ہے؟ دراصل وہ جانتا ہے کہ چوری کرے گا تو ہاتھ کاٹا جاویگا۔ یا موجودہ قانون کی رو سے زندان میں جاوے گا۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسلام ایسی چیز کا نام نہیں ہے کہ برے کام سے ہی پرہیز کرے۔ بلکہ جب تک بدیوں کو چھوڑ کر نیکیاں اختیار نہ کرے وہ اس روحانی زندگی میں زندہ نہیں رہ سکتا۔ نیکیاں بطور غذا کے ہیں۔ جیسے کوئی شخص بغیر غذا کے زندہ نہیں رہ سکتا اسی طرح جب تک نیکی اختیار نہ کرے تو کچھ نہیں۔

(ملفوظات جلد چہارم۔ جدید ایڈیشن صفحہ ۶۵۳)

درود شریف

(شرائط بیعت میں)

سوم۔ یہ کہ بلا ناغہ پنجوقتہ نماز موافق حکم خدا اور رسول کے ادا کرتا رہے گا اور حتی الوسع نماز تہجد کے پڑھنے اور اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے اور ہر روز اپنے گناہوں کی معافی مانگنے اور استغفار کرنے میں مداومت اختیار کرے گا اور دلی محبت سے خدا تعالیٰ کے احسانوں کو یاد کر کے اس کی حمد اور تعریف کو اپنا ہر روزہ ورد بنائے گا۔

(مجموعہ اشتہارات جلد اوّل صفحہ ۱۵۹)

فایھا الناس صلّوا وسلِّموا علی رسول حُشرالناس علی قدمه و جذبوا الی الرّبّ الرحیم المنان الذی اخرج خلقا کثیرا من المفاوز المهلکة المبرّحة الی روضات الامن والامان و شجّع قلوبًا مزؤدةً و قوّی هِمَمًا مجهودةً و ابدع انوارًا مفقودة وجاء بابهی الدرر و الیواقیت و المرجان واصّل الاصول و ادّب العقول و نجا کثیرا من الناس من سلاسل الکفر والضلٰلة و الطغیان و سقی المومنین المسلمین الراغبین فی خیره کأس الیقین والسکینة و الاطمینان و عصمهم من طرق الشر و الفساد و الخسران و هدٰهم الیٰ جمیع سبل الخیر و السعادة و الاحسان.[1]

(آئینہ کمالات اسلام۔ روحانی خزائن جلد ۵ صفحہ ۴)

1. ترجمہ: پس اے لوگو! اس رسول پر درود اور سلام بھیجو جس کے قدم پر تمام لوگوں کو جمع کیا گیا اور وہ خدائے رحیم ومنان کی طرف کھینچے گئے جس نے بہت سی مخلوق کو مہلک اور پر مشقت جنگلوں سے نکال کر امن و امان کے باغوں میں پہنچایا اور دہشت زدہ دلوں کو دلیری اور بہادری بخشی اور تھکی ماندہ ہمتوں کو مضبوط کیا اور مفقود شدہ انوار کو دوبارہ رائج کر دیا۔اور وہ (حقائق و معارف کے) نہایت درخشاں اور خوبصورت موتی اور یاقوت اور مرجان لایا اور اصول قائم کئے اور عقلوں کو آداب سے مزین کیا اور بہت سارے لوگوں کو کفر اور گمراہی اور سرکشی کی زنجیروں سے نجات بخشی اور مومنوں اور مسلمانوں کو جو آپ کی خیر و برکات کے طالب تھے یقین اور سکینت اور اطمینان کا جام پلایا اور انہیں شر اور فساد اور گھاٹے کی راہوں سے بچایا اور خیر اور سعادت اور نیکو کاری کی تمام راہوں کی طرف رہنمائی کی۔ (مرتب)

فصلّوا علی ھذاالنبیّ المحسن الذی ھو مظھر صفات الرحمن المنّان و ھل جزاء الاحسان الاّ الاحسان والقلب الذی لا یدری احسانه فلا ایمان له او یضیع ایمانه اللّٰھمّ صلّ علی ھذا الرسول النبیّ الامّی الذی سقی الاٰخرین کما سقی الاوّلین و صبّغھم بصبغ نفسه و ادخلھم فی المطھرین.[2]

پس درود بفریسید بریں نبی کہ او مظہر صفات خدائے رحمان و منّان ہست۔ و پاداش احسان بجز احسان چیزے نیست و دلے کہ احسان او نمی داند او را نصیبے از ایمان نیست یا ایمان خود ضائع خواہد کرد اے خدائے ما بریں رسول اُمّی درود بفرست۔ ایں آں رسول است کہ گروہ آخر را آن جام نوشانیدہ کہ گروہ اول را نوشانید و اوشاں را برنگ خود آورد و در پاکاں اوشانرا داخل کرد۔

(اعجاز المسیح۔ روحانی خزائن جلد ۱۸ صفحہ ۵۔۶)

اپنے نبی کریم کے شکر گزار رہو۔ اس پر درود بھیجو کیونکہ وہی ہے کہ جس نے تاریکی کے زمانہ کے بعد نئے سرے خدا شناسی کی راہ سکھلائی۔

(تریاق القلوب۔ روحانی خزائن جلد ۱۵ صفحہ ۵۲۵)

اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی دوسرے کی دعا کی حاجت نہیں لیکن اس میں ایک نہایت عمیق بھید ہے۔ جو شخص ذاتی محبت سے کسی کے لئے رحمت اور برکت چاہتا ہے وہ بباعث علاقہ ذاتی محبت کے اس شخص کے وجود کے ایک جز ہو جاتا ہے۔ پس جو فیضان شخص مدعولہٗ پر ہوتا ہے وہی فیضان اس پر ہو جاتا ہے۔ اور چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر فیضان حضرت احدیت کے بے انتہا ہیں اس لئے درود بھیجنے والوں کو کہ جو ذاتی محبت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے برکت چاہتے ہیں بے انتہا برکتوں سے بقدر اپنے جوش

---

2. ترجمہ: (اے لوگو) اس محسن نبیؐ پر درود بھیجو جو خدائے رحمٰن و منان کی صفات کا مظہر ہے۔ کیونکہ احسان کا بدلہ احسان ہی ہے۔ اور جس دل میں آپؐ کے احسانات کا احساس نہیں اس میں یا تو ایمان ہی نہیں اور یا پھر وہ اپنے ایمان کو تباہ کرنے کے درپے ہے۔ اے ہمارے خدا! اس امی رسول اور نبیؐ پر درود بھیج یہ وہ رسول ہے جس نے آخرین کے گروہ کو بھی وہ جام پلایا جس طرح اس نے اولین کے گروہ کو پلایا اور انہیں اپنے رنگ میں رنگین کیا اور انہیں پاک لوگوں میں داخل کیا۔ (مرتب)

کے حصہ ملتا ہے۔مگر بغیر روحانی جوش اور ذاتی محبت کے یہ فیضان بہت ہی کم ظاہر ہوتا ہے۔
(مکتوبات احمدیہ جلد اوّل صفحہ ۲۴۔۲۵)

مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی فرماتے ہیں۔

ایک بار میں نے خود حضرت امام علیہ الصلوۃ والسلام سے سنا۔ آپ فرماتے تھے کہ درود شریف کے طفیل اور کثرت سے یہ درجے خدا نے مجھے عطا کئے ہیں اور فرمایا کہ مَیں دیکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے فیوض عجیب نوری شکل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جاتے ہیں اورپھر وہاں جا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ میں جذب ہو جاتے ہیں اور وہاں سے نکل کر ان کی لا انتہا نالیاں ہوتی ہیں اور بقدر حصہ رسدی ہر حقدار کو پہنچتی ہیں۔یقیناً کوئی فیض بدوں وساطت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دوسروں تک پہنچ ہی نہیں سکتا۔اور فرمایا درود شریف کیا ہے ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عرش کو حرکت دینا ہے جس سے یہ نور کی نالیاں نکلتی ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کا فیض اور فضل حاصل کرنا چاہتا ہے اسکو لازم ہے کہ وہ کثرت سے درود شریف پڑھے تا کہ اس فیض میں حرکت پیدا ہو۔

(الحکم جلد ۷ نمبر ۸۔۲۸ فروری ۱۹۰۳ صفحہ ۷)

درود شریف جو حصول استقامت کا ایک زبردست ذریعہ ہے بکثرت پڑھو۔مگر نہ رسم اور عادت کے طور پر بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن اور احسان کو مدّ نظر رکھ کر اور آپ کے مدارج اور مراتب کی ترقی کے لئے اور آپ کی کامیابیوں کے واسطے۔اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ قبولیت دعا کا شیریں اور لذیذ پھل تم کو ملیگا۔

قبولیت دعا کے تین ہی ذریعے ہیں۔اول۔اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِىْ. (ال عمران :۳۲)
دوم۔يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِيْماً ۔ (الاحزاب :۵۷) تیسرا۔موہبت الٰہی۔

(ملفوظات جلد سوم۔جدید ایڈیشن صفحہ ۳۸)

جس طرح خدا تعالیٰ نے مصائب سے نجات پانے کیلئے بعض اپنے نبیوں کو دعائیں سکھلائی تھیں مجھے بھی خدا نے الہام کر کے ایک دعا سکھلائی اور وہ یہ ہے ۔

سبحان اللہ و بحمدہ سبحان اللہ العظیم اللّٰھمّ صلّ علیٰ محمدٍ واٰل محمدٍ . [3]

(تریاق القلوب۔ روحانی خزائن جلد ۱۵ صفحہ ۲۰۸)

بہشت میں بھی مومنوں کیلئے ترقیات ہوتی ہیں اور ترقیات انبیاء کیلئے بھی ہیں۔ ورنہ درود شریف کیوں پڑھا جاتا ہے۔ ہمارا مذہب ہے کہ ترقیات غیر متناہی ہیں۔

(ملفوظات جلد اوّل۔ جدید ایڈیشن صفحہ ۴۴۷)

ایک رات اس عاجز نے اس کثرت سے درود شریف پڑھا کہ دل و جان اس سے معطر ہو گیا۔ اسی رات خواب میں دیکھا کہ آب زلال کی شکل پر نور کی مشکیں اس عاجز کے مکان میں لئے آتے ہیں اور ایک نے ان میں سے کہا کہ یہ وہی برکات ہیں جو تو نے محمد کی طرف بھیجی تھی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم۔

(براہین احمدیہ چہار حصص۔ روحانی خزائن جلد ۱ صفحہ ۵۹۸ حاشیہ در حاشیہ نمبر ۳)

(الہام)

وَ أْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْہَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ . اَلصَّلٰوۃُ ھُوَ الْمُرَبِّیْ. [4]

(براہین احمدیہ چہار حصص۔ روحانی خزائن جلد ۱ صفحہ ۲۶۷ حاشیہ در حاشیہ نمبر ۱)

---

3. ترجمہ: پاک ہے اللہ اپنی حمد کے ساتھ، پاک ہے اللہ جو بڑی عظمت والا ہے۔ اے ہمارے اللہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کی آل پر (بے شمار) رحمتیں اور برکتیں نازل فرما۔ (مرتب)

4. ترجمہ: اور نیکی کا حکم دے اور برائی سے روک اور محمدؐ اور آل محمدؐ پر درود بھیج۔ درود ہی تربیت کا ذریعہ ہے۔ (مرتب)

اہل بیت

ان الصحابة و اهل البيت كانوا روحانيين منقطعين الى الله و متبتلين.[1]

(سرالخلافہ۔ روحانی خزائن جلد ۸صفحہ ۳۴۹)

سوال: اِنَّمَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا.
(الاحزاب :۳۴) کس کی شان میں ہے؟

جواب:اگر قرآن شریف کو دیکھا جاوے تو جہاں یہ آیت ہے وہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں ہی کا ذکر ہے۔ سارے مفسر اس پر متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ امہات المومنین کی صفت اس جگہ بیان فرماتا ہے۔ دوسری جگہ فرمایا ہے اَلطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ۔(نور: ۲۷) یہ آیت چاہتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والے طیبات ہوں۔ ہاں اس میں صرف بیبیاں ہی شامل نہیں بلکہ آپ کے گھر کی رہنے والی ساری عورتیں شامل ہیں اور اس لئے اس میں بنت بھی داخل ہوسکتی ہے بلکہ ہے اور جب فاطمہ رضی اللہ عنہا داخل ہوئیں تو حسنینؓ بھی داخل ہوئے۔ پس اس سے زیادہ یہ آیت وسیع نہیں ہوسکتی۔ جتنی وسیع ہوسکتی تھی ہم نے کر دی کیونکہ قرآن شریف ازواج کو مخاطب کرتا ہے اور بعض احادیث نے حضرت فاطمہ اور حسنین کو مطہرین میں داخل کیا ہے۔ پس ہم نے دونوں کو یکجا جمع کر لیا۔

(ملفوظات جلد سوم۔ جدید ایڈیشن صفحہ ۲۲۴)

حسین رضی اللہ عنہ طاہر مطہر تھا اور بلا شبہ وہ ان برگزیدوں میں سے ہے جن کو خدا تعالیٰ اپنے ہاتھ سے صاف کرتا اور اپنی محبت سے معمور کر دیتا ہے اور بلا شبہ وہ سرداران بہشت

1. ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ اور اہل بیت روحانی وجود تھے جنہوں نے دنیا سے کنارہ کشی کر کے خدا سے دل لگا لیا تھا۔ (مرتب)

میں سے ہے اور ایک ذرہ کینہ رکھنا اس سے موجب سلب ایمان ہے اور اس امام کی تقویٰ اور محبت الٰہی اور صبر اور استقامت اور زہد اور عبادت ہمارے لئے اسوۂ حسنہ ہے اور ہم اس معصوم کی ہدایت کے اقتدا کرنیوالے ہیں جو اس کو ملی تھی۔ تباہ ہو گیا وہ دل جو اس کا دشمن ہے اور کامیاب ہو گیا وہ دل جو عملی رنگ میں اسکی محبت ظاہر کرتا ہے۔

(تبلیغ رسالت۔ جلد دہم صفحہ ۱۰۳)

متقی کا کام یہ ہے کہ برائیوں سے باز آوے۔ اس سے آگے دوسرا درجہ افاضۂ خیر کا ہے جس کو یہاں[2] محسنون کے لفظ سے ادا کیا گیا ہے کہ نیکیاں بھی کرے۔ پورا راستباز انسان تب ہوتا ہے جب بدیوں سے پرہیز کر کے یہ مطالعہ کرے کہ نیکی کون سی کی ہے؟

کہتے ہیں کہ امام حسن رضی اللہ عنہ کے پاس ایک نوکر چائے کی پیالی لایا۔ جب قریب آیا تو غفلت سے وہ پیالی آپؓ کے سر پر گر پڑی۔ آپؓ نے تکلیف محسوس کر کے ذرا تیز نظر سے غلام کی طرف دیکھا۔ غلام نے آہستہ سے پڑھا وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ. (اٰل عمران: ۱۳۵) یہ سن کر امام حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا كَظَمْتُ۔ غلام نے پھر کہا وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاس ۔ کظم میں انسان غصہ دبا لیتا ہے اور اظہار نہیں کرتا ہے مگر اندر سے پوری رضا مندی نہیں ہوتی، اس لیے عفو کی شرط لگا دی ہے۔ آپؓ نے کہا کہ میں نے عفو کیا۔ پھر پڑھا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ محبوب الٰہی وہی ہوتے ہیں جو کظم اور عفو کے بعد نیکی بھی کرتے ہیں۔ آپؓ نے فرمایا: جا آزاد بھی کیا۔ راستبازوں کے نمونے ایسے ہیں کہ چائے کی پیالی گرا کر آزاد ہوا۔ اب بتاؤ کہ یہ نمونہ اصول کی عمدگی ہی سے پیدا ہوا۔

(ملفوظات جلد اول۔ جدید ایڈیشن صفحہ ۱۱۵)

2. سورۃ النحل: ۱۲۹ کی طرف اشارہ ہے۔ (مرتب)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم

صحابہ کرامؓ نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کی راہ میں وہ صدق دکھلایا کہ انہیں رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُمۡ وَ رَضُوۡا عَنۡہُ۔ (البینۃ :۹) کی آواز آ گئی۔ یہ اعلیٰ درجہ کا مقام ہے جو صحابہؓ کو حاصل ہوا۔ یعنی اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہو گئے۔ اس مقام کی خوبیاں اور کمالات الفاظ میں ادا نہیں ہو سکتے۔ اللہ تعالیٰ سے راضی ہو جانا ہر شخص کا کام نہیں بلکہ یہ توکل، تبتل اور رضا وتسلیم کا اعلیٰ مقام ہے جہاں پہنچ کر انسان کو کسی قسم کا شکوہ شکایت اپنے مولیٰ سے نہیں رہتی۔ اور اللہ تعالیٰ کا اپنے بندہ سے راضی ہونا یہ موقوف ہے بندے کے کمال صدق و وفاداری اور اعلیٰ درجہ کی پاکیزگی اور طہارت اور کمال اطاعت پر جس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہؓ نے معرفت اور سلوک کے تمام مدارج طے کر لئے تھے۔

(ملفوظات جلد چہارم۔ جدید ایڈیشن صفحہ ۴۶۵۔۴۶۶)

جیسے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شجاعت، افعال و اعمال اور کامیابی کی نظیر نہیں ویسے ہی صحابہؓ کی بھی نظیر نہیں۔ صحابہؓ باوجود قلیل ہونے کے جدھر جاتے فتح پاتے۔ صحابہؓ ایسے تھے جیسے کسی برتن کو دھو کر بالکل صاف ستھرا کر دیا جاتا ہے اور اس میں کسی قسم کی آلائش کا شائبہ نہیں رہتا۔ ان کی ایسی محنت اور اخلاص تھا تو خدا تعالیٰ نے پھر بدلہ بھی ایسا دیا۔ حضرت ابوبکرؓ کو آنحضرتؐ کا خلیفہ بنایا۔

(ملفوظات جلد چہارم۔ جدید ایڈیشن صفحہ ۲۹۰۔۲۹۱)

سبحان اللہ! وہ لوگ کیسے راستباز اور نبیوں کی روح اپنے اندر رکھتے تھے کہ جب خدا نے مکّہ میں ان کو یہ حکم دیا کہ بدی کا مقابلہ مت کرو اگرچہ ٹکڑے ٹکڑے کئے جاؤ۔ پس وہ اس حکم کو پا کر شیرخوار بچوں کی طرح عاجز اور کمزور بن گئے۔ گویا نہ ان کے ہاتھوں میں زور ہے نہ ان کے بازوؤں میں طاقت۔ بعض ان میں سے اس طور سے بھی قتل کئے گئے کہ دو اونٹوں کو ایک جگہ

کھڑا کر کے ان کی ٹانگیں مضبوط طور پر ان اونٹوں سے باندھ دی گئیں اور پھر اونٹوں کو مخالف سمت میں دوڑایا گیا۔ پس وہ اک دم میں ایسے چر گئے جیسے گاجر یا مولی چیری جاتی ہے۔

(گورنمنٹ انگریزی اور جہاد۔ روحانی خزائن جلد ۱۷صفحہ۱۲)

القراٰن یحمد هم و یثنی علیهم ویبشر هم بجنّات تجری من تحتها الانهار و یقول انهم اصحاب الیمین والسابقون والاخیار والابرار ویسلّم بسلام البرکات علیهم و یشهد انهم کانوا من المقبولین. ولا شک انهم قوم ادحضوا المودات للاسلام وعادوا القوم لمحبة خیرالانام واقتحموا الاخطار لمرضات الرب العلام والقراٰن یشهد انهم اٰثروا مولاهم و اکرموا کتابه اکرامًاو کانوا یبیتون لربّهم سجداً و قیاماً ..... وقال الله فی مقام اٰخر فی مدح المؤمنین. و الزمهم کلمة التقوٰی وکانوا احق بهاواهلها. فانظر کلمات رب العالمین. اتسمی قوما فاسقین سماهم الله متقین. ثم قال عزوجلّ فی مدح صحابة خاتم النبیّین محمّد رسُول الله والذین معه اشدّاء علی الکفار رحماء بینهم ترٰهم رکعاً سجدًا یبتغون فضلا من الله و رضوانا سیماهم فی وجوههم من اثر السجود.[1]

(سرالخلافہ۔ روحانی خزائن جلد ۸صفحہ ۳۲۸۔۳۳۰)

1. ترجمہ: ان کا ثناء خواں اور تعریف کناں قرآن کریم ہے اور ان کو ایسی جنتوں کی خوشخبری دیتا ہے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں اور انہیں اصحاب یمین، سابقون اور ابرار قرار دیتا اور ان پر برکات سے معمور سلام بھیجتا ہے اور گواہی دیتا ہے کہ وہ مقبولان بارگاہ الٰہی ہیں۔ بلا شبہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اسلام کی خاطر ہر قسم کے تعلقات محبت توڑ لئے اور محبت خیرالانام کیلئے تمام لوگوں کی دشمنی مول لے لی۔ وہ پروردگار کی رضا کی خاطر خطرات میں کود پڑے اور قرآن گواہ ہے کہ انہوں نے اپنے مولا کو مقدم رکھا اور اسکی پاک کتاب کی تکریم کی اور اپنے رب کے حضور قیام وسجود میں راتیں گزاریں ..... ایک اور مقام پر مومنوں کی تعریف میں فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تقویٰ ان کیساتھ لازم کر دیا اور وہ اس کے زیادہ اہل اورزیادہ مستحق تھے۔ پس تو رب العالمین کے ان کلمات کو دیکھ ۔کیا تو اس قوم کو جس کا نام اللہ تعالیٰ نے متقی رکھا ہے فاسق قرار دیتا ہے؟ پھر خاتم النبیین کے صحابہ کی مدح میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ محمدؐ اللہ کے رسول اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کفار کے خلاف بڑا جوش رکھتے ہیں لیکن آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ نہایت ملاطفت سے پیش آتے ہیں۔ جب تو انہیں دیکھے گا تو انہیں شرک سے پاک اور اللہ کا مطیع پائے گا۔ وہ اللہ کے فضل اور رضا کی جستجو میں رہتے ہیں۔ ان کی شناخت ان کے چہروں پر سجدوں کے نشان کے ذریعہ موجود ہے۔ (مرتب)

ان الصحابة کلھم کذکاء | قد نوروا وجه الوریٰ بضیاء
ترکوا اقاربھم و حب عیالھم | جاء وا رسول اللہ کالفقراء
ذبحوا و ما خافوا الوریٰ من صدقھم | بل اٰثروا الرحمان عند بلاء
تحت السیوف تشھدوا لخلوصھم | شھدوا بصدق القلب فی الاملاء
حضروا المواطن کلھا من صدقھم | حفدوا لھا فی حرّة رجلاء
الصالحون الخاشعون لربھم | البایتون بذکرہ و بکاء
قوم کرام لا نفرق بینھم | کانوا لخیر الرسل کالا عضاء[2]

(سر الخلافہ۔ روحانی خزائن جلد ۸ صفحہ ۳۹۷)

---

2. ترجمہ:

۱۔ یقیناً صحابہ سب کے سب سورج کی مانند ہیں
انہوں نے مخلوقات کا چہرہ اپنی روشنی سے منور کر دیا
۲۔ انہوں نے اپنے اقارب اور عیال کی محبت کو چھوڑ دیا
اور رسول اللہ ﷺ کے حضور میں فقراء کی طرح حاضر ہو گئے
۳۔ وہ ذبح کئے گئے اور اپنے صدق کی وجہ سے مخلوق سے نہ ڈرے
بلکہ مصیبت کے وقت خدائے رحمٰن کو اختیار کیا
۴۔ اپنے خلوص کی وجہ سے وہ تلواروں کے نیچے شہید کئے گئے
اور مجالس میں انہوں نے صدق دل سے گواہی دی
۵۔ اپنے صدق کی وجہ سے وہ تمام میدانوں میں حاضر ہوئے
اور ان میدانوں کی سنگلاخ سخت زمین میں جمع ہو گئے
۶۔ وہ صالح اور اپنے رب کے حضور عاجزی کرنے والے تھے
وہ اس کے ذکر میں رو رو کر راتیں گزارنے والے تھے
۷۔ وہ بزرگ لوگ ہیں ہم ان کے درمیان تفریق نہیں کرتے
وہ خیر الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بمنزلہ اعضاء کے تھے۔

(مرتب)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم محض راستگوئی کی وجہ سے شہید ہوتے رہے اور الٰہی گواہی کو انہوں نے ہرگز مخفی نہ رکھا گو ان کے خون سے زمین سرخ ہوگئی۔

(نور القرآن نمبر۲۔ روحانی خزائن جلد ۹ صفحہ ۴۰۳)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جماعت نے اپنے رسول مقبول کی راہ میں ایسا اتحاد اور ایسی روحانی یگانگت پیدا کر لی تھی کہ اسلامی اخوت کی رو سے سچ مچ عضو واحد کی طرح ہوگئی تھی۔ اور ان کے روزانہ برتاؤ اور زندگی اور ظاہر و باطن میں انوار نبوت ایسے رچ گئے تھے کہ گویا وہ سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عکسی تصویریں تھے۔

(فتح اسلام۔ روحانی خزائن جلد ۳ صفحہ ۲۱)

صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے وفادار اور مطیع فرمان تھے کہ کسی نبی کے شاگردوں میں ایسی نظیر نہیں ملتی۔ اور خدا کے احکام پر ایسے قائم تھے کہ قرآن شریف ان کی تعریفوں سے بھرا پڑا ہے۔ لکھا ہے کہ جب شراب کی حرمت کا حکم نافذ ہوا تو جس قدر شراب برتنوں میں تھی وہ گرا دی گئی۔ اور کہتے ہیں کہ اس قدر شراب بہی کہ نالیاں بہہ نکلیں اور پھر کسی سے ایسا فعل شنیع سرزد نہ ہوا اور وہ شراب کے پکے دشمن ہو گئے۔ دیکھو! یہ کیسا ثبات اور استقلال علی الطاعت تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت جس وفاداری، محبت اور ارادت اور جوش سے انہوں نے کی کبھی کسی نے نہیں کی .... صحابہؓ ایسے ارادت مند اور جاں نثار تھے کہ خود خدا تعالیٰ نے ان کی شہادت دی کہ انہوں نے خدا تعالیٰ کی راہ میں جانوں تک دینے میں دریغ نہیں کیا۔ اور ہر صفت ایمان کی ان میں پائی جاتی ہے۔ عابد، زاہد، سخی، بہادر اور وفادار۔ یہ شرائط ایمان کی کسی دوسری قوم میں نہیں پائی جاتیں۔

(ملفوظات جلد دوم۔ جدید ایڈیشن صفحہ ۴۶۱)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ ایک لاکھ سے متجاوز تھے۔ میرا ایمان ہے کہ ان میں سے کسی کا بھی ملونی والا ایمان نہ تھا۔ ایک بھی ان میں سے ایسا نہ تھا جو کچھ دین کیلئے ہو اور کچھ دنیا کیلئے بلکہ وہ سب کے سب خدا تعالیٰ کی راہ میں جان دینے کیلئے تیار تھے۔ جیسے کہ

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَمِنْھُمْ مَّنْ قَضٰی نَحْبَہٗ وَ مِنْھُمْ مَّنْ یَّنْتَظِرُ۔(الاحزاب : ۲۴)

(ملفوظات جلد پنجم۔ جدید ایڈیشن صفحہ ۳۱۰)

اگر مسلمانوں کا نمونہ دیکھنا چاہو تو صحابہ کرامؓ کی جماعت کو دیکھو جنہوں نے اپنے جان و مال کے کسی قسم کے نقصان کی پرواہ نہیں کی۔ اللہ اور اس کے رسولؐ کی رضا کو مقدم کر لیا۔ خدا تعالیٰ کی رضا پر راضی ہو جانا ہی ایک فعل تھا جو سارا قرآن شریف ان کی تعریف سے بھرا ہوا ہے اور رضی اللہ عنھم کا تمغہ ان کو مل گیا۔

(ملفوظات جلد اول۔ جدید ایڈیشن صفحہ ۱۴۲)

میں پھر صحابہؓ کی حالت کو نظیر کے طور پر پیش کر کے کہتا ہوں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لا کر اپنی عملی حالت میں دکھایا کہ وہ خدا جو غیب الغیب ہستی ہے اور جو باطل پرست مخلوق کی نظروں سے پوشیدہ اور نہاں ہے انہوں نے اپنی آنکھ سے، ہاں آنکھ سے، ہاں آنکھ سے دیکھ لیا ہے۔ ورنہ بتاؤ تو سہی کہ وہ کیا بات تھی جس نے ان کو ذرا بھی پرواہ نہیں ہونے دی کہ قوم چھوڑی۔ ملک چھوڑا۔ جائیدادیں چھوڑیں۔ احباب اور رشتہ داروں سے قطع تعلق کیا۔ وہ صرف خدا ہی پر بھروسہ تھا اور ایک خدا پر بھروسہ کر کے انہوں نے وہ کر کے دکھایا کہ اگر تاریخ کی ورق گردانی کریں تو انسان حیرت اور تعجب سے بھر جاتا ہے۔ ایمان تھا اور صرف ایمان تھا اور کچھ نہ تھا۔

(ملفوظات جلد اول۔ جدید ایڈیشن صفحہ ۴۰۷۔۴۰۸)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو جماعت تیار کی وہ صدق و اخلاص میں ایسی وفادار تھی کہ اس نے بھیڑ بکری کی طرح سر کٹوا دئے۔ اس سے بڑھ کر حیرت انگیز تبدیلی کیا ہو گی۔ وہ جو ہر قسم کے عیبوں اور معاصی میں مصروف رہنے والی قوم تھی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن کے نیچے آئے تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ وہ مخلصانہ پیوند کیا کہ اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے اللہ ہی سے محبت کرتے تھے۔

(ملفوظات جلد پنجم۔ جدید ایڈیشن صفحہ ۱۰۰)

لَا تُلۡهِيۡهِمۡ تِجَارَةٌ وَّ لَا بَيۡعٌ عَنۡ ذِكۡرِ اللّٰهِ (نور:۳۸) یہ ایک ہی آیت صحابہؓ کے حق میں کافی ہے کہ انہوں نے بڑی بڑی تبدیلیاں کی تھیں۔ اور انگریز بھی اس کے معترف ہیں کہ ان کی کہیں نظیر ملنا مشکل ہے۔ بادیہ نشیں لوگ اور اتنی بہادری اور جرأت، تعجب آتا ہے۔

(ملفوظات جلد سوم۔ جدید ایڈیشن صفحہ ۲۲۲)

ایک آدمی کا درست کرنا مشکل ہوتا ہے مگر یہاں تو ایک قوم تیار کی گئی کہ جنہوں نے اپنے ایمان اور اخلاص کا وہ نمونہ دکھایا کہ بھیڑ بکری کی طرح اس سچائی کے لئے ذبح ہو گئے جسکو انہوں نے اختیار کیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ زمینی نہ رہے تھے بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم، ہدایت اور مؤثر نصیحت نے ان کو آسمانی بنا دیا تھا۔ قدسی صفات ان میں پیدا ہو گئی تھیں۔ دنیا کی خباثتوں اور ریاکاریوں سے وہ ایسے سبک اور ہلکے پھلکے کر دیئے گئے تھے کہ ان میں پرواز کی قوت پیدا ہو گئی تھی۔

(ملفوظات جلد دوم۔ جدید ایڈیشن صفحہ ۶۱)

دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو جماعت صحابہؓ کی تھی اس کے یہ تعلقات ہی کمال کو پہنچے ہوئے تھے جو انہوں نے نہ وطن کی پروا کی اور نہ اپنے مال و املاک کی اور نہ عزیز و اقارب کی۔ یہاں تک کہ اگر ضرورت پڑی تو انہوں نے بھیڑ بکری کی طرح اپنے سر خدا کی راہ میں رکھ دیئے۔ وہ شدائد و مصائب جو ان کو پہنچ رہے تھے ان کے برداشت کرنے کی قوت اور طاقت انکو کیونکر ملی۔ اس میں یہی سر تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تعلقات بہت گہرے ہو گئے تھے۔ انہوں نے اس حقیقت کو سمجھ لیا تھا جو آپؐ لیکر آئے تھے۔ اور پھر دنیا اور اس کی ہر ایک چیز ان کی نگاہ میں خدا تعالیٰ کے لقاء کے مقابلہ میں کچھ ہستی رکھتی ہی نہیں تھی۔

(ملفوظات جلد اول۔ جدید ایڈیشن صفحہ ۴۸۴)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے چلّہ کشیاں نہیں کی تھیں۔ ارّہ اور نفی و اثبات وغیرہ کے ذکر نہیں کئے تھے، بلکہ اُن کے پاس ایک اور ہی چیز تھی۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں محو تھے۔ جو نور آپؐ میں تھا وہ اس اطاعت کی نالی میں سے ہو کر صحابہؓ کے

قلب پر گرتا اور ماسوی اللہ کے خیالات کو پاش پاش کرتا جاتا تھا۔ تاریکی کے بجائے ان سینوں میں نور بھرا جاتا تھا .... حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَللّٰہُ اَللّٰہُ فِی اَصْحَابِیْ۔ میرے صحابہؓ کے دلوں میں اللہ ہی اللہ ہے۔

(ملفوظات جلد اول۔ جدید ایڈیشن صفحہ ۱۲۱)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

وعلّمتُ ان الصدّیق اعظم شانا وارفع مکانا من جمیع الصحابة وھو الخلیفة الاوّل بغیر الاسترابة و فیه نزلت اٰیات الخلافة.[3]

(سر الخلافہ۔ روحانی خزائن جلد ۸ صفحہ ۳۳۷)

واللہ انه کان اٰدم الثانی للاسلام والمظھر الاول لانوار خیر الانام وما کان نبیّا ولکن کانت فیه قُوی المرسلین.[4]

(سر الخلافہ۔ روحانی خزائن جلد ۸ صفحہ ۳۳۶)

ان اللہ کان یعلم بان الصدیق اشجع الصحابة ومن التقاة و احبّھم الی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم ومن الکماة وکان فانیا فی حب سیّدالکاینات وکان اعتاد من القدیم ان یمونه ویراعی شیونه فاسلابه اللہ نبیه فی وقتٍ عبوس و عیش بوس وخُصّ باسم الصدیق و قرب نبی الثقلین و افاض اللہ علیه خلعة ثانی اثنین وجعله من المخصوصین.[5]

(سر الخلافہ۔ روحانی خزائن جلد ۸ صفحہ ۳۳۹)

---

3. ترجمہ: مجھے علم دیا گیا ہے کہ (ابوبکر) صدیقؓ تمام صحابہ میں بلند ترین شان اور اعلیٰ مقام رکھتے تھے اور بلاشبہ آپ پہلے خلیفہ تھے اور آپ کے بارے میں خلافت کی آیات نازل ہوئیں۔ (مرتب)

4. ترجمہ: بخدا! آپ اسلام کے آدم ثانی اور خیر الانامؐ کے انوار کے مظہر اول تھے۔ اور گو آپ نبی تو نہ تھے مگر آپ میں نبیوں اور رسولوں کی قوتیں موجود تھیں۔ (مرتب)

5. ترجمہ: اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ صحابہ میں سب سے زیادہ بہادر، متقی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے زیادہ پیارے ہیں اور بہادر تیر انداز ہیں اور سید الکائنات کی محبت میں فنا اور شروع سے ہی آپؐ کے غمگسار اور آپؐ کے کاموں میں آپؐ کے مددگار۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو تنگی کے زمانہ میں ان کے ذریعہ تسلی دی اور انہیں صدیق کے نام سے مخصوص کیا گیا۔ وہ نبی دوجہاں کے مقرب بنے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں ثانی اثنین کی خلعت سے نوازا اور اپنے خاص بندوں میں شامل کیا۔ (مرتب)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں خلیفہ اول نے جو بڑے ملک التّجار تھے مسلمان ہو کر لانظیر مدد کی اور آپ کو یہ مرتبہ ملا کہ صدیق کہلائے اور پہلے رفیق اور خلیفہ اوّل ہوئے۔لکھا ہے کہ جب آپ تجارت سے واپس آئے تھے اور ابھی مکہ میں نہ پہنچے تھے کہ راستہ میں ہی ایک شخص ملا۔ اس سے پوچھا کہ کوئی تازہ خبر سناؤ۔ اس نے کہا کہ اور تو کوئی تازہ خبر نہیں، ہاں یہ بات ضرور ہے کہ تمہارے دوست نے پیغمبری کا دعویٰ کیا ہے۔ ابوبکرؓ نے وہیں کھڑے ہو کر کہا کہ اگر اُس نے یہ دعویٰ کیا ہے تو سچا ہے۔

(ملفوظات جلد اول۔ جدید ایڈیشن صفحہ ۳۶۵)

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنا سارا مال و متاع خدا تعالیٰ کی راہ میں دے دیا اور آپ کمبل پہن لیا تھا۔مگر اللہ تعالیٰ نے اس پر انہیں کیا دیا۔ تمام عرب کا انہیں بادشاہ بنا دیا اور اسی کے ہاتھ سے اسلام کو نئے سرے زندہ کیا اور مرتد عرب کو پھر فتح کر کے دکھا دیا اور وہ کچھ دیا جو کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔

(ملفوظات جلدسوم۔ جدید ایڈیشن صفحہ ۲۸۶)

ایک دفعہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے روپیہ کی ضرورت بتلائی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھر کا کل اثاث البیت لیکر حاضر ہو گئے۔ آپؐ نے پوچھا ابوبکر! گھر میں کیا چھوڑ آئے۔تو جواب میں کہا اللہ اور رسول کا نام چھوڑ آیا ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نصف لے آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عمر! گھر میں کیا چھوڑ آئے۔تو جواب دیا کہ نصف۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابوبکر وعمر کے فعلوں میں جو فرق ہے وہی اُن کے مراتب میں فرق ہے۔

(ملفوظات جلد اول۔ جدید ایڈیشن صفحہ ۳۶۷)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا درجہ جانتے ہو کہ صحابہ میں کس قدر بڑا ہے۔ یہاں تک کہ بعض اوقات ان کی رائے کے موافق قرآن شریف نازل ہو جایا کرتا تھا اور ان کے حق میں یہ حدیث ہے کہ شیطان عمرؓ کے سایہ سے بھاگتا ہے۔ دوسری یہ حدیث ہے کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمرؓ ہوتا۔ تیسری یہ حدیث ہے کہ پہلی امتوں میں محدث ہوتے رہے ہیں۔اگر اس امت میں کوئی محدث ہے تو وہ عمرؓ ہے۔

(ازالہ اوہام۔ روحانی خزائن جلد نمبر۳ صفحہ ۲۱۹)

یہ بھی ممکن ہے کہ بعض واقعات پیشگوئیوں کے جن کا ایک ہی دفعہ ظاہر ہونا امید رکھا گیا ہے وہ تدریجاً ظاہر ہوں یا کسی اور شخص کے واسطہ سے ظاہر ہوں جیسا کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیش گوئی کہ قیصروکسریٰ کے خزانوں کی کنجیاں آپؐ کے ہاتھ پر رکھی گئی ہیں۔ حالانکہ ظاہر ہے کہ پیشگوئی کے ظہور سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو چکے تھے اور آنجنابؐ نے نہ قیصروکسریٰ کے خزانہ کو دیکھا اور نہ کنجیاں دیکھیں۔مگر چونکہ مقدر تھا کہ وہ کنجیاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ملیں کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا وجود ظلی طور پر گویا آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود ہی تھا۔ اس لئے عالم وحی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ قرار دیا گیا۔

(ایام الصلح۔ روحانی خزائن جلد۱۴ صفحہ ۲۶۵)

عمر رضی اللہ عنہ کو بھی الہام ہوتا تھا۔ انہوں نے اپنے تئیں کچھ چیز نہ سمجھا اور امامت حقّہ جو آسمان کے خدا نے زمین پر قائم کی تھی اسکا شریک بننا نہ چاہا بلکہ ادنیٰ چاکر اور غلام اپنے تئیں قرار دیا۔اس لئے خدا کے فضل نے انکو نائب امامت حقّہ بنا دیا۔

(ضرورت الامام۔ روحانی خزائن جلد۱۳ صفحہ ۴۷۳۔۴۷۴)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق لکھا ہے کہ مرض الموت میں انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہلا بھیجا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں جو جگہ ہے انہیں دی

جاوے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا نے ایثار سے کام لیکر وہ جگہ انکو دے دی۔ تو فرمایا: ما بقی لی ھَمٌّ بعد ذالک یعنی اس کے بعد اب مجھے کوئی غم نہیں جبکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ میں مدفون ہوں۔

(ملفوظات جلد چہارم۔ جدید ایڈیشن صفحہ ۵۸۷)

حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ وحضرت عثمانؓ

دفن بجوار رسول اللہ رجلان کانا صالحین مطھرین مقربین طیّبین وجعلھما اللہ رفقاء رسولہ فی الحیاۃ وبعد الحین. فالرفاقۃ ھذہ الرفاقۃ وقل نظیرہ فی الثقلین. فطوبی لھما انھما معہ عاشا. و فی مدینتہ و فی ماواہ استخلفا و فی حجرۃ روضتہٖ دفنا ومن جنۃ مزارہ ادنیا و معہ یبعثان فی یوم الدین.

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمسایہ میں دو ایسے آدمی دفن کئے گئے ہیں جو نیک تھے۔ پاک تھے۔ مقرب تھے۔ طیب تھے۔ اور خدا نے اُن کو زندگی میں اور بعد مرگ اپنے رسول کے رفقاء ٹھہرایا۔ پس رفاقت یہی رفاقت ہے جو اخیر تک نبھی اور اس کی نظیر کم پاؤ گے۔ پس ان کو مبارک ہو جو انھوں نے اُسؐ کے ساتھ زندگی بسر کی اور اس کے شہر میں اور اس کی جگہ میں خلیفے مقرر کئے گئے۔ اور اس کے کنار روضہ میں دفن کئے گئے۔ اور اس کے مزار کے بہشت سے نزدیک کئے گئے۔ اور قیامت کو اُس کے ساتھ اُٹھینگے۔

(حجۃ اللہ۔ روحانی خزائن جلد۱۲صفحہ۱۸۳)

اظھر علی ربی ان الصدیق والفاروق و عثمان کانوا من اھل الصلاح و الایمان و کانوا من الذین اثر ھم اللہ و خصوا بمواھب الرحمان ..... و ایم اللہ انہ تعالی قد جعل الشیخین و الثالث الذی ھوذوالنورین کابواب للاسلام وطلایع فوج خیر الانام.[6]

(سرالخلافہ۔ روحانی خزائن جلد۸صفحہ ۳۲۶۔۳۲۷)

---

6. ترجمہ: میرے رب نے مجھ پر ظاہر کیا ہے کہ (حضرت ابو بکر) صدیقؓ، (حضرت عمر) فاروقؓ اور (حضرت) عثمانؓ نیک اور اہل ایمان تھے اور اُن لوگوں میں سے تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے چن لیا اور جو رحمٰن خدا کی عنایات کے لئے مخصوص کئے گئے......خدا کی قسم! اللہ تعالیٰ نے شیخین (ابوبکرؓ وعمرؓ) اور تیسرے (عثمانؓ) ذوالنورین کو اسلام کے دروازے اور خیرالانامؐ کی فوج کے ہراول دستے بنایا ہے۔ (مرتب)

حضرت علی رضی اللہ عنہ

کان رضی اللہ عنہ تقیا نقیا ومن الذین ھم احب الناس الی الرحمان و من نخب الجیل و سادات الزمان اسدُ اللہ الغالب وفتی اللہ الحنان ندی الکف طیب الجنان و کان شجاعا وحیدًا لا یزایل مرکزہ فی المیدان ولو قابلہ فوج من اھل العدوان انفد العمر بعیش انکر وبلغ النھایۃ فی زھادۃ نوع الانسان وکان اول الرجال فی اعطاء النشب و اماطۃ الشجب و تفقد الیتامیٰ والمساکین والجیران وکان یجلی انواع بسالۃ فی معارک وکان مظھر العجائب فی ھیجاء السیف والسنان ومع ذلک کان عذب البیان فصیح اللسان وکان یدخل بیانہ فی جذر القلوب و یجلوا بہ صداء الاذھان ویجلی مطلعہ بنور البرھان. وکان قادرًا علی انواع الاسلوب ومن ناضلہ فیھا فاعتذر الیہ اعتذار المغلوب وکان کاملا فی کل خیر و فی طرق البلاغۃ و الفصاحۃ ومن انکر کمالہ فقد سلک مسلک الوقاحۃ وکان یندب الی مواساۃ المضطر ویامر باطعام القانع و المعتر وکان من عباد اللہ المقربین وَمَع ذٰلک کان من السابقین فی ارتضاع کاس الفرقان و اعطی لہ فھم عجیب لادراک دقائق القران.[7]

(سرالخلافہ۔ روحانی خزائن جلد ۸ صفحہ ۳۵۸)

7. ترجمہ: آپ بڑے متقی اور پاک صاف تھے اور ان لوگوں میں سے تھے جو خدائے رحمان کے سب سے پیارے اور اچھے خاندان والے تھے اور زمانہ کے سرداروں میں سے تھے۔ غالب خدا کے شیر اور مہربان خدا کے نوجوان تھے۔ بہت سخی اور صاف دل تھے۔ آپ وہ منفرد بہادر تھے جو میدان حرب میں اپنی جگہ سے نہیں ہٹتے تھے۔خواہ آپ کے مقابل دشمنوں کی ایک فوج ہی کیوں نہ ہوتی۔ آپ نے کسمپرسی کی زندگی بسر کی اور پرہیزگاری میں اعلیٰ مقام حاصل کیا۔ آپ مال و دولت عطا کرنے والے، ہم وغم دور کرنے والے اور یتیموں، مسکینوں اور پڑوسیوں کی دیکھ بھال کرنے والے پہلے شخص تھے اور مختلف معرکوں میں آپ سے بہادری کے کارنامے ظاہر ہوتے تھے اور آپ تلوار و نیزہ کی جنگ میں عجائب باتوں کے مظہر تھے اور اس کے ساتھ ہی آپ شیریں بیان اور فصیح اللسان تھے اور آپ کا کلام دلوں کی تہہ تک اتر جاتا تھا۔ آپ اپنے کلام کے ذریعہ سے ذہنوں کے زنگ دور کرتے اور اسے دلیل کے نور سے منور کرتے تھے۔ آپ ہر قسم کے اسلوب سے واقف تھے اور جو بھی اس امر میں آپؓ سے مقابلہ کرتا تو وہ آپؓ کی طرف مغلوب کی طرح معذرت کرتا ہوا آتا۔ آپ ہر خوبی اور فصاحت و بلاغت کے طریقوں میں کامل تھے۔ اور جس نے آپ کے کمال کا انکار کیا تو وہ گویا بے حیائی کے رستہ پر چل پڑا۔ آپ مجبور کی ہمدردی پر ترغیب دلاتے تھے اور ہر قناعت کرنے والے اور پیچھے پڑ کر مانگنے والے کو کھانا کھلانے کا حکم دیتے تھے۔ آپ اللہ تعالیٰ کے مقرب بندوں میں سے تھے۔ اسی طرح آپ کاسۂ فرقان سے دودھ پینے میں سبقت لے جانے والوں میں سے تھے۔ آپ کو قرآن کریم کے دقیق نکات کی معرفت کا عجیب فہم عطا ہوا تھا۔ (مرتب)

تب ایک جانی عزیز جس کا وجود محبت اور ایمان سے خمیر کیا گیا تھا، جانبازی کے طور پر آنحضرت کے بستر پر باشارہ نبوی اس غرض سے مونہہ چھپا کر لیٹ رہا کہ تا مخالفوں کے جاسوس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکل جانے کی کچھ تفتیش نہ کریں اور اسی کو رسول اللہ سمجھ کر قتل کرنے کیلئے ٹھہرے رہیں۔

کس بہر کسے سر ندہد جانفشاند   عشق است کہ ایں کار بصد صدق کناند

(سرمہ چشم آریہ۔ روحانی خزائن جلد۲ صفحہ ۶۵ حاشیہ)

انه كان حاز من الفضائل مغنمًا و كان بقوى الايمان توامًا .

ترجمہ: وہ (علیؓ) تو جامع فضائل تھا اور ایمانی قوتوں کے ساتھ توام تھا۔

(حجۃ اللہ۔ روحانی خزائن جلد۱۲ صفحہ۱۸۲)

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ

آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں صحابہؓ نے جو پاک نمونے دکھائے ہیں ہم آج فخر کے ساتھ انکو دلائل اور آیات کے رنگ میں بیان کر سکتے ہیں۔ چنانچہ عکرمہ ہی کا نمونہ دیکھو کہ کفر کے دنوں کفر، عجب وغیرہ خصائل بد اپنے اندر رکھتا تھا اور چاہتا تھا کہ بس چلے تو اسلام کو دنیا سے نابود کر دے۔ مگر جب خدا تعالیٰ کے فضل نے اس کی دستگیری کی اور وہ مشرف با اسلام ہوا تو ایسے اخلاق پیدا ہوئے کہ وہ عجب اور پندار نام تک کو باقی نہ رہا اور فروتنی اور انکسار پیدا ہوا کہ وہ انکسار حجۃ الاسلام ہو گیا اور صداقت اسلام کے لئے ایک دلیل ٹھہرا۔ ایک موقع پر کفار سے مقابلہ ہوا۔ عکرمہ لشکر اسلام کا سپہ سالار تھا۔ کفار نے بہت سخت مقابلہ کیا یہانتک کہ لشکر اسلام کی حالت قریب شکست کھانے کے ہو گئی۔ عکرمہ نے جب دیکھا تو گھوڑے سے اترا۔ لوگوں نے کہا کہ آپ کیوں اترتے ہیں۔ شاید اِدھر اُدھر ہونے کا وقت ہو تو گھوڑا مدد دے۔ تو اس نے کہا اس وقت مجھے وہ زمانہ یاد آ گیا ہے جب میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا مقابلہ کرتا تھا۔ مَیں چاہتا ہوں کہ جان دے کر گناہوں کا کفارہ کروں۔ اب دیکھئے کہ کہاں سے کہاں تک حالت پہنچی کہ بار بار محامد سے یاد کیا گیا۔ یہ یاد

رکھو کہ خدا تعالیٰ کی رضا ان لوگوں کے شامل حال ہوتی ہے جو اس کی رضا اپنے اندر جمع کر لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جابجا ان لوگوں کو رضی اللہ عنھم کہا ہے۔

(ملفوظات جلد اول۔ جدید ایڈیشن صفحہ ۹۴)

اسوۂ صحابیات

ایک عورت کا حال بیان کرتے ہیں کہ اس کا خاوند اور بیٹا اور بھائی جنگ میں شہید ہوئے۔ جب لوگ جنگ سے واپس آئے تو انہوں نے اس عورت کو کہا کہ تیرا خاوند، بیٹا اور بھائی تو لڑائی میں مارے گئے تو اس عورت نے جواب دیا کہ مجھے صرف اتنا بتا دو کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم تو صحیح سلامت زندہ بچ کر آ گئے ہیں یا نہیں؟ تعجب ہوتا ہے کہ ان لوگوں کی عورتوں کا بھی کتنا بڑا ایمان تھا۔

(ملفوظات جلد پنجم۔ جدید ایڈیشن صفحہ ۳۰۴)

صحابہؓ حضرت مسیح موعود علیہ السلام

میں اس بات کے اظہار اوراس کے شکر کے ادا کرنے کے بغیر رہ نہیں سکتا کہ خدا تعالیٰ کے فضل وکرم نے مجھے اکیلا نہیں چھوڑا۔ میرے ساتھ تعلق اخوّت پکڑنے والے اور اس سلسلہ میں داخل ہونیوالے جس کو خدا تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے قائم کیا ہے محبت اور اخلاص کے رنگ سے ایک عجیب طرز پر رنگین ہیں۔ نہ مَیں نے اپنی محنت سے بلکہ خدا تعالیٰ نے اپنے خاص احسان سے یہ صدق سے بھری ہوئی روحیں مجھے عطا کی ہیں۔

(فتح اسلام ۔ روحانی خزائن جلد۳ صفحہ ۳۵)

مَیں خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے مجھے ایک مخلص اور وفادار جماعت عطا کی ہے۔مَیں دیکھتا ہوں کہ جس کام اور مقصد کیلئے مَیں ان کو بلاتا ہوں نہایت تیزی اور جوش کیساتھ ایک دوسرے سے پہلے اپنی ہمت اور توفیق کے موافق آگے بڑھتے ہیں اور مَیں دیکھتا ہوں کہ ان میں ایک صدق اور اخلاص پایا جاتا ہے۔ میری طرف سے کسی امر کا ارشاد ہوتا ہے اور وہ تعمیل کیلئے تیار۔

(ملفوظات جلد اول ۔ جدید ایڈیشن صفحہ ۲۲۳ ۔ ۲۲۴)

ہماری جماعت میں عمدہ اور اعلیٰ درجہ کے نیک چال چلن کے لوگ ہیں اور وہ سب حسنہ صفات سے متصف ہیں اور ایسے ہی لوگوں کو ہم ساتھ رکھتے ہیں۔

(ملفوظات جلد سوم ۔ جدید ایڈیشن صفحہ ۴۹)

صدق ایسی شے ہے کہ انسان کے دل کے اندر جب گھر کر جاوے تو اس کا نکلنا مشکل ہے۔ جو لوگ ہمارے عقائد کو بعد تحقیق قبول کر لیتے ہیں تو جان سے زیادہ ان کو عزیز جانتے ہیں۔ ایک نمونہ مولوی عبداللطیف ہیں کہ ہزاروں مرید رکھتے تھے۔ ریاست انکی تھی۔ دولت بھی

بے شمار تھی۔ شاہی دستار بند تھے۔ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر موت قبول کی۔ کیا یہ قوت اور برکت جھوٹ میں ہوسکتی ہے؟ کیا بجز سچائی کے اور بھی کسی میں یہ طاقت ہے؟ یہاں (پنجاب میں بھی) بہت سے لوگ ہیں کہ صرف ایمان کیلئے تکلیف دیئے جاتے ہیں۔ قوم، برادری اور گاؤں والے ان کو طرح طرح کی اذیت صرف اسلئے دیتے ہیں کہ انہوں نے سچ کو قبول کیا ہے۔ پس اگر خدا تعالیٰ دلوں میں نہیں ڈالتا تو وہ ان مصائب کو کیونکر برداشت کرتے ہیں۔ یہانتک کہ حقیقی باپ اور بھائی بھی ان لوگوں سے الگ ہو جاتے ہیں۔ بعض ایسے ہیں کہ دو آنے روز محنت کر کے کماتے ہیں اور اس میں سے دو پیسے ہمیں چندہ دیتے ہیں۔ تہجد پڑھتے ہیں۔ نمازوں کے پابند ہیں۔ خدا تعالیٰ کے آگے تضرع اور ابتہال کرتے ہیں۔ اب سوائے اس کے کہ خدا تعالیٰ ان کو نور ایمان عطا کرے اور دلوں میں صدق ڈالے یہ سب کچھ کب حاصل ہوسکتا ہے۔

(ملفوظات جلد سوم۔ جدید ایڈیشن صفحہ ۵۸۳)

ہماری جماعت کا بہت بڑا حصہ غرباء کا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ باوجودیکہ یہ غرباء کی جماعت ہے تاہم مَیں دیکھتا ہوں کہ ان میں صدق ہے اور ہمدردی ہے اور وہ اسلام کی ضروریات سمجھ کر حتی المقدور اس کے لئے خرچ کرنے سے فرق نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ ہی کا فضل ساتھ ہو تو کام بنتا ہے اور ہم اس کے فضل کے امیدوار ہیں۔

(ملفوظات جلد چہارم ۔جدید ایڈیشن صفحہ ۳۷۵)

اس زمانہ میں جس میں ہماری جماعت پیدا کی گئی ہے کئی وجوہ سے اس جماعت کو صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشابہت ہے۔ وہ معجزات اور نشانوں کو دیکھتے ہیں جیسا کہ صحابہؓ نے دیکھا۔ وہ خدا تعالیٰ کے نشانوں اور تازہ بتازہ تائیدات سے نور اور یقین پاتے ہیں جیسا کہ صحابہؓ نے پایا۔ وہ خدا کی راہ میں لوگوں کے ٹھٹھے اور ہنسی اور لعن طعن اور طرح طرح کی دلآزاری اور بد زبانی اور قطع رحم وغیرہ کا صدمہ اٹھا رہے ہیں جیسا کہ صحابہؓ نے اٹھایا۔ وہ خدا کے کھلے کھلے نشانوں اور آسمانی مددوں اور حکمت کی تعلیم سے پاک زندگی حاصل کرتے

جاتے ہیں جیسا کہ صحابہؓ نے حاصل کی۔ بہتیرے ان میں سے ہیں کہ نماز میں روتے اور سجدہ گاہوں کو آنسوؤں سے تر کرتے ہیں جیسا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم روتے تھے۔ بہتیرے ان میں ایسے ہیں جن کو سچی خوابیں آتی ہیں اور الہام الٰہی سے مشرف ہوتے ہیں جیسا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم ہوتے تھے۔ بہتیرے ان میں ایسے ہیں کہ اپنے محنت سے کمائے ہوئے مالوں کو محض خداتعالیٰ کی مرضات کیلئے ہمارے سلسلہ میں خرچ کرتے ہیں جیسا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم خرچ کرتے تھے۔ ان میں ایسے لوگ کئی پاؤ گے کہ جو موت کو یاد رکھتے اور دلوں کے نرم اور سچی تقویٰ پر قدم مار رہے ہیں جیسا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی سیرت تھی۔ وہ خدا کا گروہ ہے جن کو خدا آپ سنبھال رہا ہے اور دن بدن ان کے دلوں کو پاک کر رہا ہے اور ان کے سینوں کو ایمانی حکمتوں سے بھر رہا ہے اور آسمانی نشانوں سے ان کو اپنی طرف کھینچ رہا ہے جیسا کہ صحابہؓ کو کھینچتا تھا۔

(ایام الصلح۔ روحانی خزائن جلد۱۴ صفحہ ۳۰۶۔۳۰۷)

مَیں دیکھتا ہوں کہ صدہا لوگ ایسے بھی ہماری جماعت میں داخل ہیں جن کے بدن پر مشکل سے لباس بھی ہوتا ہے۔ مشکل سے چادر یا پاجامہ بھی ان کو میسر آتا ہے۔ ان کی کوئی جائیداد نہیں مگر ان کے لا انتہا اخلاص اور ارادت سے محبت اور وفا سے طبیعت میں ایک حیرانی اور تعجب پیدا ہوتا ہے جو ان سے وقتاً فوقتاً صادر ہوتی رہتی ہے یا جس کے آثار ان کے چہروں سے عیاں ہوتے ہیں۔ وہ اپنے ایمان کے ایسے پکے اور یقین کے ایسے سچے اور صدق وثبات کے ایسے مخلص اور باوفا ہوتے ہیں کہ اگر ان مال دولت کے بندوں، ان دنیوی لذات کے دلدادوں کو اس لذت کا علم ہو جائے تو اس کے بدلے میں یہ سب کچھ دینے کو تیار ہو جاویں۔ ان میں سے مثال کے طور پر ایک شخص شہزادہ مولوی عبداللطیف صاحب مرحوم ہی کے حالات کو غور سے دیکھ لو کہ کیسا صدق کا پکّا اور وفا کا سچا تھا۔ جان تک سے دریغ نہیں کیا۔ جان دے دی مگر حق کو نہیں چھوڑا۔

(ملفوظات جلد پنجم۔ جدید ایڈیشن صفحہ ۵۸۴)

اشکر الله علی ما اعطانی جماعة اخری من الاصدقاء الاتقیاء من العلماء والصلحاء العرفاء الذین رفعت الاستار عن عیونهم و ملئ الصدق فی قلوبهم ینظرون الحق و یعرفونه ویسعون فی سبیل الله ولا یمشون کالعمین و قد خصوا بافاضة تهتان الحق و وابل العرفان ورضعوا ثدی لبانه واشربوا فی قلوبهم وجه الله وطرق غفرانه وشرح الله صدورهم وفتح اعینهم واذانهم و سقاهم کاس العارفین.[1]

(حمامۃ البشریٰ۔ روحانی خزائن جلد ۷ صفحہ ۱۸۱)

چونکہ حدیث صحیح میں آچکا ہے کہ مہدی موعود کے پاس ایک چھپی ہوئی کتاب ہوگی جس میں اُس کے تین سو تیرہ اصحاب کا نام درج ہوگا اس لئے یہ بیان کرنا ضروری ہے کہ وہ پیشگوئی آج پوری ہوگئی...... اب ظاہر ہے کہ کسی شخص کو پہلے اس سے یہ اتفاق نہیں ہوا کہ وہ مہدی موعود ہونے کا دعویٰ کرے اور اس کے پاس چھپی ہوئی کتاب ہو جس میں اُس کے دوستوں کے نام ہوں...... اور بموجب منشاء حدیث کے یہ بیان کر دینا پہلے سے ضروری ہے کہ یہ تمام اصحاب خصلت صدق وصفا رکھتے ہیں اور حسبِ مراتب جس کو اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے بعض بعض سے محبت اور انقطاع الی اللہ اور سرگرمی دین میں سبقت لے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب کو اپنی رضا کی راہوں میں ثابت قدم کرے اور وہ یہ ہیں۔

---

1. ترجمہ: میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے مجھے راست باز اور متقی علماء اور صالح اور عارف لوگوں کی جماعت عطا کی جن کی آنکھوں سے حجاب اٹھائے گئے اور ان کے دلوں میں صدق بھرا گیا۔ وہ حق کو دیکھتے اور اسے پہچانتے ہیں اور اللہ کی راہ میں کوشش کرتے ہیں اور اندھوں کی طرح نہیں چلتے اور حق اور معرفت کی بارش کے لئے مخصوص کئے گئے ہیں۔ ان کو معرفت کے پستانوں سے دودھ پلایا گیا اور ان کے دلوں میں اللہ کی رضا اور اسکی مغفرت کی راہوں کی محبت ڈالی گئی اور اللہ تعالیٰ نے انہیں شرح صدر عطا کیا اور انکی آنکھوں اور کانوں کو کھولا اور انہیں عارفوں کا پیالہ پلایا۔ (مرتب)

1- منشی جلال الدین صاحب پنشنر سابق میر منشی رجمنٹ نمبر۱۲......موضع بلانی۔کھاریاں۔ضلع گجرات
2- مولوی حافظ فضل دین صاحب // //
3- میاں محمد دین پٹواری بلانی.......... //
4- قاضی یوسف علی نعمانی معہ اہلبیت .... تشام حصار
5- میرزا امین بیگ صاحب معہ اہلبیت.... بہالوجی جیپور
6- مولوی قطب الدین صاحب .... بدوملی۔سیالکوٹ
7- منشی روڑا صاحب .... کپورتھلہ
8- میاں محمد خاں صاحب .... //
9- منشی ظفر احمد صاحب .... //
10- منشی عبدالرحمٰن صاحب .... //
11- منشی فیاض علی صاحب .... //
12- مولوی عبدالکریم صاحب .... سیالکوٹ
13- سید حامد شاہ صاحب .... //
14- مولوی وزیر الدین صاحب .... کانگڑہ
15- منشی گوہر علی صاحب ....جالندہر
16- مولوی غلام علی صاحب ڈپٹی .... رہتاس۔جہلم
17- میاں نبی بخش صاحب رفوگر ....امرتسر
18- میاں عبدالخالق صاحب // .... //
19- میاں قطب الدین خان صاحب مس گر .... //
20- مولوی ابو الحمید صاحب ....حیدر آباد دکن
21- مولوی حاجی حافظ حکیم نور دین صاحب معہ ہر دو زوجہ ....بھیرہ ضلع شاہ پور
22- مولوی سید محمد احسن صاحب....امروہہ۔ضلع مراد آباد
23- مولوی حاجی حافظ حکیم فضل دین صاحب معہ ہر دو زوجہ .... بھیرہ
24- صاحبزادہ محمد سراج الحق صاحب جمالی نعمانی قادیانی سابق سرساوی معہ اہلبیت
25- سید ناصر نواب صاحب دہلوی ....حال قادیانی
26- صاحبزادہ افتخار احمد صاحب لدھیانوی معہ اہلبیت //
27- صاحبزادہ منظور محمد صاحب معہ اہلبیت ....//
28- حافظ حاجی مولوی احمد اللہ خان معہ اہلبیت ......//
29- سیٹھ عبدالرحمٰن صاحب حاجی اللہ رکھا معہ اہلبیت مدراس
30- میاں جمال الدین سیکھواں گورداسپور معہ اہلبیت
31- میاں خیرالدین // // //
32- میاں امام الدین // // //
33- میاں عبدالعزیز پٹواری // //
34- منشی گلاب دین .... رہتاس۔جہلم
35- قاضی ضیاء الدین صاحب ....قاضی کوٹی
36- میاں عبداللہ صاحب پٹواری ....سنوری
37- شیخ عبدالرحیم صاحب۔نومسلم سابق لیس دفعدار رسالہ ۱۲ .... چھاؤنی سیالکوٹ
38- مولوی مبارک علی صاحب امام .... //
39- میرزا نیاز بیگ صاحب ....کلانوری
40- میرزا یعقوب بیگ صاحب .... //
41- میرزا ایوب بیگ صاحب معہ اہلبیت .... //
42- میرزا خدا بخش صاحب // .... جھنگ
43- سردار نواب محمد علیخان صاحب رئیس .... مالیرکوٹلہ
44- سید محمد عسکری خان صاحب سابق اکسٹرا اسسٹنٹ .... الہ آباد
45- میرزا محمد یوسف بیگ صاحب ....سامانہ ریاست پٹیالہ
46- شیخ شہاب الدین صاحب ....لودیانہ
47- شہزادہ عبدالمجید صاحب .... //
48- منشی حمید الدین صاحب .... //
49- میاں کرم الٰہی صاحب .... //
50- قاضی زین العابدین صاحب ....خانپور۔سرہند
51- مولوی غلام حسن صاحب رجسٹرار .... پشاور
52- محمد انوار حسین خانصاحب ....شاہ آباد۔ہردوئی
53- شیخ فضل الٰہی صاحب ....فیض اللہ چک
54- میاں عبدالعزیز صاحب ....دہلی
55- مولوی محمد سعید صاحب ....شامی طرابلسی
56- مولوی حبیب شاہ صاحب ....خوشاب

57- حاجی احمد صاحب .... بخارا

58- حافظ نور محمد صاحب ....فیض اللہ چک

59- شیخ نور احمد صاحب ....امرتسر

60- مولوی جمال الدین صاحب ....سیّد والا

61- میاں عبداللہ صاحب ....ٹھٹہ شیر کا

62- میاں اسماعیل صاحب ....سرساوہ

63- میاں عبدالعزیز صاحب۔ نومسلم ....قادیان

64- خواجہ کمال الدین صاحب بی اے معہ اہلبیت .... لاہور

65- مفتی محمد صادق صاحب .... بھیرہ۔ ضلع شاہ پور

66- شیر محمد خاں صاحب ....بکھر //

67- منشی محمد افضل صاحب .... لاہور حال ممباسہ

68- ڈاکٹر محمد اسماعیل خانصاحب گوڑیانی ملازم //

69- میاں کریم الدین صاحب مدرس ......قلعہ سوبھاسنگھ

70- سید محمد اسماعیل دہلوی طالب علم .... حال قادیان

71- بابو تاج الدین صاحب اکونٹنٹ .... لاہور

72- شیخ رحمت اللہ صاحب تاجر ....لاہور

73- شیخ نبی بخش صاحب .... //

74- منشی معراج الدین صاحب .... //

75- شیخ مسیح اللہ صاحب ....شاہجہان پوری

76- منشی چوہدری نبی بخش صاحب معہ اہلبیت .... بٹالہ

77- میاں محمد اکبر صاحب .... بٹالہ

78- شیخ مولا بخش صاحب ....ڈنگہ گجرات

79- سید امیر علی شاہ صاحب سارجنٹ..........سیالکوٹ

80- میاں محمد جان صاحب ....وزیر آباد

81- میاں شادی خاں صاحب ....سیالکوٹ

82- میاں محمد نواب خانصاحب تحصیلدار ....جہلم

83- میاں عبداللہ خانصاحب برادر نواب خانصاحب //

84- مولوی برہان الدین صاحب .... //

85- شیخ غلام نبی صاحب ....راولپنڈی

86- بابو محمد بخش صاحب ہیڈ کلرک .... چھاؤنی انبالہ

87- منشی رحیم بخش صاحب میونسپل کمشنر ....لدھیانہ

88- منشی عبدالحق صاحب کرانچی والہ .... //

89- حافظ فضل احمد صاحب .... لاہور

90- قاضی امیر حسین صاحب .... بھیرہ

91- مولوی حسن علی صاحب مرحوم .... بھاگلپور

92- مولوی فیض احمد صاحب ....لنگیاں والی گوجرانوالہ

93- سید محمود شاہ صاحب مرحوم ....سیالکوٹ

94- مولوی غلام امام صاحب عزیز الواعظین منی پور آسام

95- رحمٰن شاہ صاحب ....ناگپور ضلع چاندہ۔ ورڈرہ

96- میاں جان محمد صاحب مرحوم ....قادیان

97- منشی فتح محمد معہ اہلبیت بزدار لیہ۔ ڈیرہ اسمٰعیل خان

98- شیخ محمد صاحب ....مکی

99- حاجی منشی احمد جان صاحب مرحوم ....لودیانہ

100- منشی پیر بخش صاحب مرحوم .... جالندھر

101- شیخ عبدالرحمٰن صاحب نومسلم ....قادیان

102- حاجی عصمت اللہ صاحب ....لودیانہ

103- میاں پیر بخش صاحب .... //

104- منشی ابراہیم صاحب .... //

105- منشی قمرالدین صاحب .... //

106- حاجی محمد امیر خاں صاحب ....سہارنپور

107- حاجی عبدالرحمٰن صاحب مرحوم ....لودیانہ

108- قاضی خواجہ علی صاحب .... //

109- منشی تاج محمد خاں صاحب ....لودیانہ

110- سید محمد ضیاء الحق صاحب ....روپڑ

111- شیخ محمد عبدالرحمٰن صاحب عرف شعبان ....کابلی

112- خلیفہ رجب دین صاحب تاجر ....لاہور

113- پیر جی خدا بخش صاحب مرحوم ....ڈیرہ دون

114- حافظ مولوی محمد یعقوب خانصاحب .... //

115- شیخ چراغ علی نمبردار ....تھہ غلام نبی

116- محمد اسماعیل غلام کبریا صاحب فرزند رشید مولوی
محمد احسن صاحب ....امروہی

117- احمد حسن صاحب فرزند رشید مولوی محمد احسن صاحب

امروہی

118- سیٹھ احمد صاحب عبدالرحمٰن حاجی اللہ رکھا تاجر مدراس
119- سیٹھ صالح محمد صاحب حاجی اللہ رکھا تاجر ... //
120- سیٹھ ابراہیم صاحب صالح محمد حاجی اللہ رکھا... //
121- سیٹھ عبدالحمید صاحب حاجی ایوب حاجی اللہ رکھا //
122- حاجی مہدی صاحب عربی بغدادی نزیل .... //
123- سیٹھ محمد یوسف صاحب حاجی اللہ رکھا .... //
124- مولوی سلطان محمود صاحب ....میلا پور //
125- حکیم محمد سعید صاحب .... // //
126- منشی قادر علی صاحب .... // //
127- منشی غلام دستگیر صاحب .... // //
128- منشی سراج الدین صاحب ......ترس کہیڑی //
129- قاضی غلام مرتضیٰ صاحب اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر مظفر گڈھ حال پنشنر
130- مولوی عبدالقادر خانصاحب .... جمالپور۔لودیانہ
131- مولوی عبدالقادر صاحب ....خاص //
132- مولوی رحیم اللہ صاحب مرحوم ....لاہور
133- مولوی غلام حسین صاحب .... //
134- مولوی غلام نبی صاحب مرحوم ......خوشاب شاہ پور
135- مولوی محمد حسین صاحب .....علاقہ ریاست کپورتھلہ
136- مولوی شہاب الدین صاحب غزنوی ....کابلی
137- مولوی سید محمد تفضّل حسین صاحب اکسٹرا اسسٹنٹ علیگڈھ ضلع فرخ آباد
138- منشی صادق حسین صاحب مختار ....اٹاوہ
139- شیخ مولوی فضل حسین صاحب .....احمد آبادی۔جہلم
140- میاں عبدالعلی موضع عبدالرحمٰن .... ضلع شاہ پور
141- منشی نصیر الدین صاحب لونی ....حال حیدر آباد
142- قاضی محمد یوسف صاحب .....قاضی کوٹ گوجرانوالہ
143- قاضی فضل الدین صاحب .... // //
144- قاضی سراج الدین صاحب ... // //
145- قاضی عبدالرحیم صاحب فرزند رشید قاضی ضیاء الدین صاحب ....کوٹ قاضی۔ گوجرانوالہ

146- شیخ کرم الٰہی صاحب کلرک ریلوے .... پٹیالہ
147- میرزا عظیم بیگ صاحب مرحوم ....سامانہ۔پٹیالہ
148- میرزا ابراہیم بیگ صاحب مرحوم .... // //
149- میاں غلام محمد طالب علم .... مچھرالہ۔ لاہور
150- مولوی محمد فضل صاحب .... چنگا۔گوجرخان
151- ماسٹر قادر بخش صاحب ....لودیانہ
152- منشی الہ بخش صاحب .... //
153- حاجی ملا نظام الدین صاحب .... //
154- عطاء الٰہی ....غوث گڈھ۔پٹیالہ
155- مولوی نور محمد صاحب مانگٹ .... //
156- مولوی کریم اللہ صاحب ....امرتسر
157- سیّد عبدالہادی صاحب سولن ....شملہ
158- مولوی محمد عبداللہ خان صاحب .... پٹیالہ
159- ڈاکٹر عبدالحکیم خاں صاحب .... //
160- ڈاکٹر بوڑیخانصاحب ....قصور۔ضلع لاہور
161- ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب لاہور۔حال چکراتہ
162- غلام محی الدین خانصاحب فرزند ڈاکٹر بوڑیخان صاحب
163- مولوی صفدر حسین صاحب ....حیدر آباد دکن
164- خلیفہ نور دین صاحب ....جمّوں
165- میاں اللہ دتا صاحب .... //
166- منشی عزیز الدین صاحب ....کانگڑہ
167- سید مہدی حسین صاحب ....علاقہ پٹیالہ
168- مولوی حکیم نور محمد صاحب ....موکل
169- حافظ محمد بخش مرحوم ....کوٹ قاضی
170- چوہدری شرف الدین صاحب ......کوٹلہ فقیر۔جہلم
171- میاں رحیم بخش صاحب ....امرتسر
172- مولوی محمد افضل صاحب کملہ .... گجرات
173- میاں اسمٰعیل صاحب ....امرتسری
174- مولوی غلام جیلانی صاحب ... گھڑ ونواں۔ جالندھر
175- منشی امانت خانصاحب ....نادون۔کانگڑہ

176- قاری محمد صاحب ....جہلم
177- میاں کرم داد معہ اہلبیت ....قادیان
178- حافظ نور احمد........................لودیانہ
179- میاں کرم الٰہی صاحب ....لاہور
180- میاں عبدالصمد صاحب ....نارووال
181- میاں غلام حسین معہ اہلیہ................ رہتاس
182- میاں نظام الدین صاحب ....جہلم
183- میاں محمد صاحب.........................جہلم
184- میاں علی محمد صاحب.......................//
185- میاں عباس خاں...................... کھوہار۔گجرات
186- میاں قطب الدین صاحب........ کوٹلہ فقیر۔جہلم
187- میاں اللہ دتا خانصاحب..............اڑیالہ //
188- محمد حیات صاحب .... چک جانی //
189- مخدوم مولوی محمد صدیق صاحب.............بھیرہ
190- عبدالمغنی صاحب فرزند رشید مولوی برہان الدین
صاحب...................................جہلمی
191- قاضی چراغ الدین ....کوٹ قاضی۔گوجرانوالہ
192- میاں فضل الدین صاحب.............. قاضی کوٹ
193- میاں علم الدین صاحب ....کوٹلہ فقیر۔جہلم
194- قاضی میر محمد صاحب ....کوٹ کھلیان
195- میاں اللہ دتا صاحب.............. .نت۔گوجرانوالہ
196- میاں سلطان محمد صاحب...................... //
197- مولوی خان ملک صاحب ....کھیوال
198- میاں الٰہ بخش صاحب .... علاقہ بند۔امرتسر
199- مولوی عنایت اللہ مدرس .... مانانوالہ
200- منشی میراں بخش صاحب ....گوجرانوالہ
201- مولوی احمد جان صاحب مدرس ....//
202- مولوی حافظ احمد دین .... چک سکندر۔گجرات
203- مولوی عبدالرحمٰن صاحب .... کہیوال۔جہلم
204- میاں مہر دین صاحب .... لالہ موسیٰ
205- میاں ابراہیم صاحب پنڈوری ....جہلم
206- سید محمود شاہ صاحب .... فتح پور۔گجرات
207- محمد جو صاحب ....امرتسر
208- منشی شاہ دین صاحب ....دینا۔جہلم
209- منشی روشن دین صاحب .... ڈنڈوت۔//
210- حکیم فضل الٰہی صاحب ....لاہور
211- شیخ عبداللہ دیوانچند صاحب کمپونڈر .... //
212- منشی محمد علی صاحب........................ //
213- منشی امام الدین صاحب کلرک .... //
214- منشی عبدالرحمٰن صاحب // .... //
215- خواجہ جمال الدین صاحب بی اے لاہور حال جموں
216- منشی مولا بخش صاحب کلرک ....لاہور
217- شیخ محمد حسین صاحب مراد آبادی .... پٹیالہ
218- عالم شاہ صاحب ....کھاریاں۔گجرات
219- مولوی شیر محمد صاحب ....ہوہن شاہ پور
220- میاں محمد اسحٰق صاحب اوورسیئر بھیرہ حال ممباسہ
221- میرزا اکبر بیگ صاحب ....کلانور
222- مولوی محمد یوسف صاحب ....سنور
223- میاں عبدالصمد صاحب ....سنور
224- منشی عطا محمد صاحب ....سیالکوٹ
225- شیخ مولا بخش صاحب .... //
226- سید خصیلت علی شاہ صاحب ڈپٹی انسپکٹر ....ڈنگہ
227- منشی رستم علی صاحب کورٹ انسپکٹر ....گورداسپورہ
228- سید احمد علی شاہ صاحب ....سیالکوٹ
229- ماسٹر غلام محمد صاحب ....سیالکوٹ
230- حکیم محمد دین صاحب .... //
231- میاں غلام محی الدین صاحب .... //
232- میاں عبدالعزیز صاحب .... //
233- منشی محمد دین صاحب .... //
234- منشی عبدالمجید صاحب ....اوجل۔گورداسپور
235- میاں خدا بخش صاحب .... بٹالہ۔ //
236- منشی حبیب الرحمٰن صاحب ..... حاجی پور۔کپورتھلہ

237- محمد حسین صاحب ....کنگیاں والی۔گوجرانوالہ

238- منشی زین الدین محمد ابراہیم انجینئر ....بمبئی

239- سیّد فضل شاہ صاحب ....لاہور

240- سید ناصر شاہ صاحب اوورسیر ....اوڑی کشمیر

241- منشی عطا محمد صاحب ....چنیوٹ۔جھنگ

242- شیخ نور احمد صاحب ....جالندھر۔حال ممباسہ

243- منشی سرفراز خانصاحب ....جھنگ

244- مولوی سید محمد رضوی صاحب ....حیدر آباد

245- مفتی فضل الرحمٰن صاحب معہ اہلیہ ....بھیرہ

246- حافظ محمد سعید صاحب ....بھیرہ۔حال لندن

247- مستری قطب الدین صاحب ....بھیرہ

248- مستری عبدالکریم صاحب .... //

249- مستری غلام الٰہی صاحب .... //

250- میاں عالم دین صاحب .... //

251- میاں محمد شفیع صاحب .... //

252- میاں نجم الدین صاحب .... //

253- میاں خادم حسین صاحب .... //

254- بابو غلام رسول صاحب .... //

255- شیخ عبدالرحمٰن صاحب نومسلم .... //

256- مولوی سردار محمد صاحب ....لون میانی

257- مولوی دوست محمد صاحب .... //

258- مولوی حافظ محمد صاحب ....بھیرہ۔حال کشمیر

259- مولوی شیخ قادر بخش صاحب ....احمد آباد

260- منشی اللہ داد صاحب کلرک ....چھاؤنی شاہپور

261- میاں حاجی وریام ....خوشاب

262- حافظ مولوی فضل دین صاحب .... //

263- سید دلدار علی صاحب ....بلہور۔کانپور

264- سید رمضان علی صاحب .... //

265- سید جیون علی صاحب ....پلول۔حال الہ آباد

266- سید فرزند حسین صاحب ....چاند پور۔ //

267- سید اہتمام علی صاحب ....موہرونڈا۔ //

268- حاجی نجف علی صاحب ....کٹرہ محلہ۔الہ آباد

269- شیخ گلاب صاحب .... // //

270- شیخ خدا بخش صاحب .... // //

271- حکیم محمد حسین صاحب ....لاہور

272- میاں عطا محمد صاحب ....سیالکوٹ

273- میاں محمد دین صاحب ....جموں

274- میاں محمد حسن صاحب عطار ....لدھیانہ

275- سیّد نیاز علی صاحب .... بدایون۔حال رامپور

276- ڈاکٹر عبدالشکور صاحب ....سرسہ

277- شیخ حافظ الہ دین صاحب بی اے .... جہاوریاں

278- میاں عبدالسبحان ....لاہور

279- میاں شہامت خان ....نادون

280- مولوی عبدالحکیم صاحب دھاروار ....علاقہ بمبئی

281- قاضی عبداللہ صاحب ....کوٹ قاضی

282- عبدالرحمٰن صاحب پٹواری ....سنوری

283- برکت علی صاحب مرحوم .... تھہ غلام نبی

284- شہاب الدین صاحب .... //

285- صاحب دین صاحب ....تہال۔گجرات

286- مولوی غلام حسن مرحوم ....دینانگر

287- نواب دین صاحب مدرس .... //

288- احمد دین صاحب ....منارہ

289- عبداللہ صاحب قرآنی ....لاہور

290- کرم الٰہی صاحب کمپازیٹر .... //

291- سید محمد آفندی ....ترکی

292- عثمان عرب صاحب ....طائف شریف

293- عبدالکریم صاحب مرحوم .... چمارو

294- عبدالوہاب صاحب .... بغدادی

295- میاں کریم بخش صاحب مرحوم مغفور ....
.... جمال پور۔ضلع لدہیانہ

296- عبدالعزیز صاحب عرف عزیز الدین ....ناسنگ

297- حافظ غلام محی الدین صاحب ...بھیرہ۔حال قادیان

298- محمد اسمٰعیل صاحب نقشہ نویس ....کالکا ریلوے
299- احمد دین صاحب ....چک۔ کھاریاں
300- محمد امین کتاب فروش ....جہلم
301- مولوی محمود حسن خانصاحب مدرس ملازم ...... پٹیالہ
302- محمد رحیم الدین ....حبیب والہ
303- شیخ حرمت علی صاحب کراری ....الہ آباد
304- میاں نور محمد صاحب ....غوث گڈھ۔ پٹیالہ
305- مستری اسلام احمد صاحب ....بھیرہ
306- حسینی خاں صاحب ....الہ آباد
307- قاضی رضی الدین صاحب ....اکبرآباد
308- سعد اللہ خانصاحب ....الہ آباد
309- مولوی عبدالحق صاحب ولد مولوی فضل حق صاحب مدرس ....سامانہ پٹیالہ
310- مولوی حبیب اللہ صاحب مرحوم محافظ دفتر پولیس جہلم
311- رجب علی صاحب پنشنر ساکن جھونسی کہنہ ضلع الہ آباد
312- ڈاکٹر سید منصب علی صاحب پنشنر ... .الہ آباد
313- میاں کریم اللہ صاحب سارجنٹ پولیس ....جہلم

(ضمیمہ انجام آتھم۔ روحانی خزائن جلد ۱۱ صفحہ ۳۲۴۔۳۲۸)

بعض صحابہ کرامؓ کا ذکر

حضرت مولانا نورالدین خلیفۃ المسیح اولؓ

کنت اصرخ فی لیلی و نھاری و اقول یا ربّ من انصاری یا ربّ من انصاری انی فرد مھین فلما تواتر رفع ید الدعوات و امتلأ منه جوّ السموات اجیب تضرعی وفارت رحمة رب العلمین فاعطانی ربی صدیقا صدوقا....اسمه کصفاته النورانیة نورالدین.....وجدته فی سبل نصرة الدین من السابقین وما نفعنی مال احد کماله الذی اٰتاه لوجه الله و یوتی من سنین.....ولما جاءنی ولاقانی و وقع نظری علیه رایته اٰیةً من اٰیات ربّی وایقنت انه دعائی الذی کنت اداوم علیه و اشرب حسی و نبّانی حدسی انه من عباد الله المنتخبین و کنت اکره مدح الناس وحمدهم و بث شمائلهم خوفًا من انه یضرانفسھم ولکننی اری انه من الذین انکسرت جذباتھم النفسیة و ازیلت شھواتھم الطبعیة وکان من الاٰمنین.....یختار فی حبّی انواع الملامة والتعنیف و مفارقة المألف و الالیف و یتسنّی له ھجر الوطن لسماع کلامی و یدع التذکر للمعاھد لحبّ مقامی ویتبعنی فی کل امری کما یتبع حرکة النبض حرکة النفس. [2]

(آئینہ کمالات اسلام۔ روحانی خزائن جلد۵ صفحہ ۵۸۱-۵۸۶)

---

2. ترجمہ: مَیں رات دن خدا تعالیٰ کے حضور چلاتا اور عرض کرتا تھا کہ اے میرے رب! میرا کون مددگار ہے۔ اے میرے رب! میرا کون مددگار ہے۔مَیں تنہا ہوں۔ اور جب دعا کا ہاتھ پے در پے اٹھا اور فضاء آسمانی میری دعاؤں سے بھر گئی تو اللہ تعالیٰ نے میری عاجزی اور دعا کو شرف قبولیت بخشا اور رب العالمین کی رحمت نے جوش مارا اور میرے خدا نے مجھے ایک مخلص صدیق عطا فرمایا ....اس کا نام اسکی نورانی صفات کی طرح نور الدین ہے .... میں نے اُسے نصرت دین کی راہوں میں سابقین میں سے پایا ہے اور مجھے کسی کے مال نے اس قدر نفع نہیں پہنچایا جس قدر کہ اس کے مال نے جو کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے دیا اور کئی سال سے دے رہا ہے .... جب وہ میرے پاس آ کر مجھ سے ملا اور میری نظر اُس پر پڑی تو میں نے اسے اپنے رب کے نشانات میں سے ایک نشان پایا اور مجھے یقین ہو گیا کہ یہ میری اس دعا کا نتیجہ ہے جو میں ہمیشہ کیا کرتا تھا اور میری فراست نے مجھے بتایا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے منتخب بندوں میں سے ہے۔ اور میں لوگوں کی مدح کرنا اور ان کے شمائل کی اشاعت کرنا اس خوف سے برا سمجھتا تھا کہ مبادا انہیں نقصان پہنچائے مگر میں اسے ان لوگوں میں سے

سب سے پہلے مَیں اپنے ایک روحانی بھائی کے ذکر کرنے کیلئے دل میں جوش پاتا ہوں جن کا نام ان کے نور اخلاص کی طرح نور دین ہے۔ میں انکی بعض دینی خدمتوں کو جو اپنے مال حلال کے خرچ سے اعلاء کلمہ اسلام کیلئے وہ کر رہے ہیں ہمیشہ حسرت کی نظر سے دیکھتا ہوں کہ کاش وہ خدمتیں مجھ سے بھی ادا ہوسکتیں۔ ان کے دل میں جو تائید دین کے لئے جوش بھرا ہے اس کے تصور سے قدرت الٰہی کا نقشہ میری آنکھوں کے سامنے آ جاتا ہے کہ وہ کیسے اپنے بندوں کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے۔ وہ اپنے تمام مال اور تمام زور اور تمام اسباب مقدرت کے ساتھ جو ان کو میسر ہیں ہر وقت اللہ رسول کی اطاعت کے لئے مستعد کھڑے ہیں اور میں تجربہ سے نہ صرف حسن ظن سے یہ علم صحیح واقعی رکھتا ہوں کہ انہیں میری راہ میں مال کیا بلکہ جان اور عزت تک دریغ نہیں۔ اور اگر میں اجازت دیتا تو وہ سب کچھ اس راہ میں فدا کر کے اپنی روحانی رفاقت کی طرح جسمانی رفاقت اور ہر دم صحبت میں رہنے کا حق ادا کرتے.....

مولوی صاحب ممدوح کا صدق اور ہمت اور انکی غمخواری اور جان نثاری جیسے ان کے قال سے ظاہر ہے اس سے بڑھ کر ان کے حال سے انکی مخلصانہ خدمتوں سے ظاہر ہو رہا ہے اور وہ محبت اور اخلاص کے جذبہ کاملہ سے چاہتے ہیں کہ سب کچھ یہاں تک کہ اپنے عیال کی زندگی بسر کرنے کی ضروری چیزیں بھی اسی راہ میں فدا کر دیں۔ انکی روح محبت کے جوش اور مستی سے انکی طاقت سے زیادہ قدم بڑھانے کی تعلیم دے رہی ہے اور ہر دم اور ہر آن خدمت میں لگے ہوئے ہیں۔

(فتح اسلام۔ روحانی خزائن جلد۳ صفحہ ۳۵۔۳۷)

بقیہ حاشیہ: پاتا ہوں جن کے نفسانی جذبات شکستہ اور طبعی شہوات مٹ گئی ہیں اور ان کے متعلق اس قسم کا خوف نہیں کیا جا سکتا۔ وہ میری محبت میں قسم قسم کی ملامتیں اور بدزبانیاں اور وطن مالوف اور دوستوں سے مفارقت اختیار کرتا ہے اور میرا کلام سننے کیلئے اس پر وطن کی جدائی آئی اور میرے مقام کی محبت کیلئے اپنے اصلی وطن کی یاد بھلا دیتا ہے اور ہر ایک امر میں میری اس طرح پیروی کرتا ہے جیسے نبض کی حرکت تنفس کی حرکت کی پیروی کرتی ہے۔ (مرتب)

مولوی صاحب ممدوح کا حال کسی قدر رسالہ فتح اسلام میں لکھ آیا ہوں۔ لیکن ان کی تازہ ہمدردیوں نے پھر مجھے اس وقت ذکر کرنے کا موقع دیا۔ ان کے مال سے جس قدر مجھے مدد پہنچی ہے مَیں کوئی ایسی نظیر نہیں دیکھتا جو اس کے مقابل پر بیان کرسکوں۔ میں نے انکو طبعی طور پر اور نہایت انشراح صدر سے دینی خدمتوں میں جان نثار پایا۔ اگرچہ ان کی روز مرہ زندگی اسی راہ میں وقف ہے کہ وہ ہریک پہلو سے اسلام اور مسلمانوں کے سچے خادم ہیں مگر اس سلسلہ کے ناصرین میں سے وہ اول درجہ کے نکلے۔ مولوی صاحب موصوف اگرچہ اپنی فیاضی کی وجہ سے اس مصرعہ کے مصداق ہیں کہ۔ قرار در کفِ آزاد گان نگیرد مال۔[3] لیکن پھر بھی انہوں نے بارہ سو روپیہ نقد متفرق حاجتوں کے وقت اس سلسلہ کی تائید میں دیا اور اب بیس روپے ماہواری دینا اپنے نفس پر واجب کر دیا۔اور ان کے سوا اور بھی ان کی مالی خدمات ہیں جو طرح طرح کے رنگوں میں ان کا سلسلہ جاری ہے۔ مَیں یقیناً دیکھتا ہوں کہ جب تک وہ نسبت پیدا نہ ہو جو محبّ کو اپنے محبوب سے ہوتی ہے تب تک ایسا انشراح صدر کسی میں پیدا نہیں ہوسکتا۔ انکو خدا تعالیٰ نے اپنے قوی ہاتھ سے اپنی طرف کھینچ لیا ہے اور طاقت بالا نے خارق عادت اثر ان پر کیا ہے ...... دل میں از بس آرزو ہے کہ اور لوگ بھی مولوی صاحب کے نمونہ پر چلیں۔ مولوی صاحب پہلے راستبازوں کا ایک نمونہ ہیں۔

(ازالہ اوہام۔ روحانی خزائن جلد۳ صفحہ ۵۲۰۔۵۲۲)

وان أحبائی لمتقون جميعهم و لكن أقواهم بصيرة و اكثرهم علما وافضلهم رفقا وحلما وأكملهم ايمانا و سلما و اشدهم حبا و معرفة و خشية و يقينا و ثباتا، رجل مبارک كريم تقی عالم صالح فقيه محدث جليل القدر حكيم حاذق عظيم الشان حاج الحرمين حافظ القرآن، القرشی قوما و الفاروقی نسبا و اسمه الشريف مع لقبه اللطيف المولوی الحكيم نور الدين البهيروی اجزل اللّٰه مثوبته فی الدنيا والدين. وهو اول رجال با يعونی صدقا وصفاء و اخلاصا و محبة و وفاء وهو رجل عجيب فی الانقطاع والايثار و خدمات الدين، انفق مالا كثيرًا لاعلاء كلمة الاسلام بوجوه شتی ، وانی وجدته من المخلصين الذين يؤثرون

3. سخیوں کی مٹھی میں مال نہیں ٹھہرتا۔ (مرتب)

رضی اللّٰہ سبحانہ علی کل رضاء و نساء و بنات و بنین ، و وجدتہ من قوم یبتغون مرضاۃ اللّٰہ و یجتھدون لرضوانہ ببذل اموالھم و انفسھم و یعیشون فی کل حال شاکرین. و انہ رجل رقیق القلب نقی الطبع حلیم کریم جامع لمآثر الخیر کثیرا لانسلاخ عن البدن و لذاتہ لا یفوتہ موقع من مواقع البر ولا موضع من مواضع الحسنات ، و یحب ان یسکب دمہ کماء فی اعلاء دین رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم و یتمنی ان تذھب نفسہ فی تأیید سبیل خاتم النبیین، و یقفوا أثر کل خیر و ینغمس فی کل بحر لاجاحۃ فتن المتمردین.

فاشکر اللّٰہ علی ما أعطانی کمثل ھذا الصدیق الصدوق الفاضل الجلیل الباقر دقیق النظر عمیق الفکر المجاھد للّٰہ والمحب فی اللّٰہ بکمال اخلاص ما سبقہ أحد من المحبین.[4]

(حمامۃ البشریٰ۔ روحانی خزائن جلد ۷صفحہ ۱۸۰۔۱۸۱)

---

4. ترجمہ: میرے سب دوست ہی متقی ہیں لیکن ان میں سے بصیرت میں سب سے قوی۔ علم میں زیادہ۔ نرمی اور بردباری میں افضل۔ ایمان و صلح پسندی میں اکمل۔ محبت اور معرفت وخشیت و یقین اور ثابت قدمی میں سب سے آگے وہ شخص ہے جو مبارک بزرگ، متقی، عالم، صالح، فقیہ، جلیل القدر محدث اور عظیم الشان حاذق حکیم حاجی الحرمین ، حافظ قرآن قوم کا قریشی اور نسب کے لحاظ سے فاروقی ہے۔ اس کا نام نامی مع لقب گرامی مولوی حکیم نورالدین بھیروی ہے۔ اللہ اس کو دین و دنیا میں بڑا اجر دے۔ وہ صدق و صفا۔ اخلاص ومحبت اور وفا کے لحاظ سے اول المبائعین ہے۔ وہ انقطاع اور ایثار اور خدمات دین میں عجیب شخص ہے۔ اس نے اعلائے کلمہ اسلام کیلئے مختلف طریق سے بہت مال خرچ کیا ہے اور میں نے اس کو ان مخلصین میں سے پایا ہے جو اللہ کی رضا کو ہر رضا پر اور بیویوں، بیٹوں اور بیٹیوں پر مقدم رکھتے ہیں۔ اور میں نے اس کو ان لوگوں میں سے پایا جو اللہ کی رضا چاہتے ہیں اور اسکی رضا کو حاصل کرنے کے لیے اپنے مال و جان کو قربان کرتے ہیں اور ہر حالت میں شکر گزار بن کر زندگی بسر کرتے ہیں اور وہ شخص رقیق القلب صاف طبع۔ بردبار۔ سخی اور جامع الخیرات ہے۔ اپنی ذات کی زیادہ پرواہ نہیں کرتا۔ نیکی اور بھلائی کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتا۔ وہ چاہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی سربلندی کے لئے اس کا خون پانی کی طرح بہے اور اسکی تمنا ہے کہ اس کی جان خاتم النبیینؐ کے دین کی تائید میں صرف ہو۔ وہ ہر بھلائی کے پیچھے چلتا ہے اور سرکشوں کے فتنوں کی بیخ کنی کے لیے ہر سمندر میں غوطہ زن ہوتا ہے۔ میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے مجھے راستباز اور جلیل القدر فاضل ۔ باریک بین۔ گہری فکر رکھنے والا۔ اللہ کے لئے مجاہدہ کرنے والا اور کمال اخلاص سے خدا سے ایسی محبت رکھنے والا دوست دیا ہے کہ کوئی محبّ اس سے سبقت نہیں لے گیا۔ (مرتب)

حضرت مولوی صاحب کے محبت نامہ موصوفہ کے چند فقرہ لکھتا ہوں۔ غور سے پڑھنا چاہیئے تا معلوم ہو کہ کہاں تک رحمانی فضل سے ان کو انشراح صدر و صدق قدم و یقین کامل عطا کیا گیا ہے اور وہ فقرات یہ ہیں:-

"عالی جناب مرزا جی ! مجھے اپنے قدموں میں جگہ دو۔ اللہ کی رضا مندی چاہتا ہوں اور جس طرح وہ راضی ہو سکے تیار رہوں۔ اگر آپ کے مشن کو انسانی خون کی آبپاشی ضرور ہے تو یہ نابکار (مگر محبّ انسان) چاہتا ہے کہ اس کام میں کام آوے۔ تمّ کلامہ جزاہ اللہ" حضرت مولوی صاحب جو انکسار اور ادب اور ایثار مال و عزت اور جان فشانی میں فانی ہیں وہ خود نہیں بولتے بلکہ انکی روح بول رہی ہے۔ درحقیقت ہم اسی وقت سچے بندے ٹھہر سکتے ہیں کہ جو خداوند منعم نے ہمیں دیا ہم اس کو واپس دیں یا واپس دینے کے لئے تیار ہو جائیں۔ ہماری جان اس کی امانت ہے اور وہ فرماتا ہے کہ تؤدوا الامانات الی اھلھا.[5]

(آسمانی فیصلہ۔ روحانی خزائن جلد۴ صفحہ ۳۳۸ حاشیہ)

حضرت شیخ محمد حسین صاحب مراد آبادیؓ

شیخ صاحب ممدوح کا صاف سینہ مجھے ایسا نظر آتا ہے جیسا آئینہ۔ وہ مجھ سے محض للہ غایت درجہ کا خلوص و محبت رکھتے ہیں۔ ان کا دل حبِّ لِلّٰہ سے پر ہے اور نہایت عجیب مادہ کے آدمی ہیں۔ مَیں انہیں مراد آباد کے لئے ایک شمع منور سمجھتا ہوں اور امید رکھتا ہوں کہ وہ محبت اور اخلاص کی روشنی جو ان میں ہے وہ کسی دن دوسروں میں بھی سرایت کریگی۔ شیخ صاحب اگرچہ قلیل البضاعت ہیں مگر دل کے سخی اور منشرح الصدر ہیں۔ ہر طرح سے اس عاجز کی خدمت میں مشغول رہتے ہیں اور محبت سے بھرا ہوا اعتقاد ان کے رگ و ریشہ میں رچا ہوا ہے۔

(فتح اسلام۔ روحانی خزائن جلد۳ صفحہ ۳۸)

5. ترجمہ: تم امانتیں اُن کے حق داروں کے سپرد کیا کرو۔ النساء: ۵۹ (مرتب)

حضرت مرزا عظیم بیگ صاحبؓ

میرے نہایت پیارے بھائی اپنی جدائی سے ہمارے دل پر داغ ڈالنے والے میرزا عظیم بیگ صاحب مرحوم ومغفور رئیس سامانہ علاقہ پٹیالہ کے ہیں جو دوسری ربیع الثانی ۱۳۰۸ھ میں اس جہان فانی سے انتقال کر گئے انا للہ و انا الیہ راجعون. العین تدمع و القلب یحزن و انا بفراقہٖ لمحزونون.[6] میرزا صاحب مرحوم جس قدر محض للہ محبت رکھتے اور جس قدر مجھ میں فنا ہو رہے تھے مَیں کہاں سے ایسے الفاظ لاؤں تا اس عشقی مرتبہ کو بیان کرسکوں ان کا تمام وجود محبت سے بھر گیا تھا۔ میرزا صاحب مرحوم محبّانہ جوشوں کے ظاہر کرنے کیلئے بڑے بہادر تھے۔ انہوں نے اپنی تمام زندگی اسی راہ میں وقف کر رکھی تھی۔ مجھے امید نہیں کہ انہیں کوئی اور خواب بھی آتی ہو۔ اگرچہ میرزا صاحب بہت قلیل البضاعت آدمی تھے مگر انکی نگاہ میں دینی خدمتوں کے محل پر جو ہمیشہ کرتے رہتے تھے خاک سے زیادہ مال بے قدر تھا۔ اسرار معرفت کے سمجھنے کیلئے نہایت درجہ کا فہم سلیم رکھتے تھے۔ محبت سے بھرا ہوا یقین جو اس عاجز کی نسبت وہ رکھتے تھے خدا تعالیٰ کے تصرف تام کا ایک معجزہ تھا۔ انکے دیکھنے سے طبیعت ایسی خوش ہو جاتی تھی جیسے ایک پھولوں اور پھلوں سے بھرے باغ کو دیکھ کر طبیعت خوش ہوتی ہے۔

(فتح اسلام۔ روحانی خزائن جلد ۳ صفحہ ۳۹)

حضرت میاں عبداللہ صاحب سنوریؓ

حبّی فی اللہ میاں عبد اللہ سنوری ۔ یہ جوان صالح اپنی فطرتی مناسبت کیوجہ سے میری طرف کھینچا گیا۔ میں یقین رکھتا ہوں کہ وہ ان وفادار دوستوں میں سے ہے جن پر کوئی ابتلاء جنبش نہیں لا سکتا۔ وہ متفرق وقتوں میں دو دو تین تین ماہ تک بلکہ زیادہ بھی میری صحبت میں رہا اور میں ہمیشہ بنظر امعان اس کی اندرونی حالت پر نظر ڈالتا رہا ہوں۔ سو میری فراست نے اس کی تہ تک پہنچنے سے جو کچھ معلوم کیا وہ یہ ہے کہ یہ نوجوان درحقیقت اللہ اور رسول کی محبت

---

6. ترجمہ: ہم یقیناً اللہ ہی کے ہیں اور ہم یقیناً اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ آنکھ آنسو بہاتی ہے اور دل افسردہ ہے اور یقیناً ہم اس کی جدائی سے غمگین ہیں۔ (مرتب)

میں ایک خاص جوش رکھتا ہے اور میرے ساتھ اس کے اس قدر تعلق محبت کے بجز اس بات کے اور کوئی بھی وجہ نہیں جو اس کے دل میں یقین ہو گیا ہے کہ یہ شخص محبان خدا اور رسول میں سے ہے۔ اور اس جوان نے بعض خوارق اور آسمانی نشان جو اس عاجز کو خدا تعالیٰ کی طرف سے ملے بچشم خود دیکھے ہیں جن کی وجہ سے اس کے ایمان کو بہت فائدہ پہنچا۔ الغرض میاں عبداللہ نہایت عمدہ آدمی اور میرے منتخب محبوں میں سے ہے اور باوجود تھوڑے سے گزارہ ملازمت پٹوار کے ہمیشہ حسب مقدرت اپنی مالی خدمت میں بھی حاضر ہے اور اب بھی بارہ روپیہ سالانہ چندہ کے طور پر مقرر کر دیا ہے۔ بہت بڑا موجب میاں عبداللہ کے زیادت خلوص ومحبت واعتقاد کا یہ ہے کہ وہ اپنا خرچ بھی کر کے ایک عرصہ تک میری صحبت میں آ کر رہتا رہا اور کچھ آیات ربّانی دیکھتا رہا۔ سو اس تقریب سے روحانی امور میں ترقی پا گیا۔ کیا اچھا ہو کہ میرے دوسرے مخلص بھی اس عادت کی پیروی کریں۔

(ازالہ اوہام۔ روحانی خزائن جلد ۳ صفحہ ۵۳۱)

حضرت مولانا عبد الکریم صاحب سیالکوٹیؓ

حبّی فی اللہ مولوی عبد الکریم صاحب سیالکوٹی۔ مولوی صاحب اس عاجز کے یکرنگ دوست ہیں اور مجھ سے ایک سچی اور زندہ محبت رکھتے ہیں اور اپنے اوقات عزیز کا اکثر حصہ انہوں نے تائید دین کے لئے وقف کر رکھا ہے۔ ان کے بیان میں ایک اثر ڈالنے والا جوش ہے۔ اخلاص کی برکت اور نورانیت ان کے چہرہ سے ظاہر ہے۔

(ازالہ اوہام۔ روحانی خزائن جلد ۳ صفحہ ۵۲۳)

باہر بہشتی مقبرہ میں حضرت مولوی عبدالکریم صاحب کا ذکر تھا۔ فرمایا:

وہ اس سلسلہ کی محبت میں بالکل محو تھے۔ جب اوائل میں میرے پاس آئے تھے تو سیّد احمد کے معتقد تھے۔ کبھی کبھی ایسے مسائل پر میری ان کی گفتگو ہوتی جو سید احمد کے غلط عقائد میں سے تھے اور بعض دفعہ بحث کے رنگ تک نوبت پہنچ جاتی۔ مگر تھوڑی ہی مدت کے بعد ایک دن علانیہ کہا کہ آپ گواہ رہیں کہ آج مَیں نے سب باتیں چھوڑ دیں۔ اس کے بعد وہ ہماری

محبت میں ایسے محو ہو گئے تھے کہ ہم دن کو کہتے کہ ستارے ہیں اور رات کو کہتے کہ سورج ہے تو وہ کبھی مخالفت کرنے والے نہ تھے۔ انکو ہمارے ساتھ ایک پورا اتحاد اور پوری موافقت حاصل تھی۔ کسی امر میں ہمارے ساتھ خلاف رائے کرنا وہ کفر سمجھتے تھے۔ انکو میرے ساتھ نہایت درجہ کی محبت تھی اور وہ اصحاب الصفہ میں سے ہو گئے تھے جن کی تعریف خدا تعالیٰ نے پہلے سے اپنی وحی میں کی تھی۔ انکی عمر ایک معصومیت کے رنگ میں گزری تھی اور دنیا کی عیش کا کوئی حصہ انہوں نے نہیں لیا تھا۔ نوکری بھی انہوں نے اسی واسطے چھوڑ دی تھی کہ اس میں دین کی ہتک ہوتی ہے۔ پچھلے دنوں ان کو ایک نوکری دو سو روپے ماہوار کی ملتی تھی مگر انہوں نے صاف انکار کر دیا۔ خاکساری کے ساتھ انہوں نے اپنی زندگی گزار دی۔ صرف عربی کتابوں کے دیکھنے کا شوق رکھتے تھے۔ اسلام پر جو اندرونی بیرونی حملے پڑتے تھے ان کے اندفاع میں عمر بسر کر دی۔ باوجود اس قدر بیماری اور ضعف کے ہمیشہ انکی قلم چلتی رہتی تھی۔ ان کے متعلق ایک خاص الہام بھی تھا ’’مسلمانوں کا لیڈر‘‘۔ غرض میں جانتا ہوں کہ ان کا خاتمہ قابل رشک ہوا کیونکہ ان کے ساتھ دنیا کی ملونی نہ تھی۔ جس کے ساتھ دنیا کی ملونی ہوتی ہے اس کا خاتمہ اچھا نہیں ہوتا۔ انجام نیک ان کا ہوتا ہے جو فیصلہ کر لیتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کو راضی کرنے میں خاک ہو جائیں گے۔

(ملفوظات جلد چہارم۔ جدید ایڈیشن صفحہ ۶۴۸)

حضرت مولوی صاحب کے ذکر پر فرمایا:

مولوی صاحب ہر تقریب اور ہر جلسہ پر یاد آجاتے ہیں۔ ان کے سبب لوگوں کو فائدہ ہوتا تھا۔ وہ بڑی زبردست تقریر کرنیوالے تھے۔ مَیں نے مقابلہ کر کے خوب دیکھا ہے۔ ان کے اندر محبت اور اخلاص کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا اور بجز اس کے میں سمجھتا ہوں کہ اور کچھ تھا ہی نہیں اور اس حد تک تھا کہ میں دیکھتا ہوں کہ دوسروں میں وہ نہیں۔

(ملفوظات جلد چہارم۔ جدید ایڈیشن صفحہ ۵۷۰)

حضرت منشی ظفر احمد صاحبؓ

حبّی فی اللہ منشی ظفر احمد صاحب۔ یہ جوان صالح کم گو اور خلوص سے بھرا دقیق فہم آدمی ہے۔

استقامت کے آثار و انوار اس میں ظاہر ہیں۔ وفاداری کی علامات و امارات اس میں پیدا ہیں۔ ثابت شدہ صداقتوں کو خوب سمجھتا ہے۔ اور ان سے لذت اٹھاتا ہے۔ اللہ اور رسول سے سچی محبت رکھتا ہے اور ادب جس پر تمام مدار حصول فیض کا ہے اور حسن ظن جو اس راہ کا مرکب ہے دونوں سیرتیں ان میں پائی جاتی ہیں۔ جزاھم اللہ خیر الجزاء۔

(ازالہ اوہام۔ روحانی خزائن جلد۳ صفحہ ۵۳۲۔۵۳۳)

حضرت حکیم فضل دین صاحب بھیرویؓ

حبّی فی اللہ حکیم فضل دین صاحب بھیروی۔ حکیم صاحب اخویم مولوی حکیم نوردین صاحب کے دوستوں میں سے اور ان کے رنگ اخلاق سے رنگین اور بہت با اخلاص آدمی ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ ان کو اللہ اور رسول سے سچی محبت ہے اور اسی وجہ سے وہ اس عاجز کو خادم دین دیکھ کر حب للّٰہ کی شرط کو بجا لا رہے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ انہیں دین اسلام کی حقانیت کے پھیلانے میں اسی عشق کا وافر حصہ ملا ہے جو تقسیم ازلی سے میرے پیارے بھائی مولوی حکیم نوردین صاحب کو دیا گیا ہے۔ وہ اس سلسلہ کے دینی اخراجات کو بنظر غور دیکھ کر ہمیشہ اس فکر میں رہتے ہیں کہ چندہ کی صورت پر کوئی ان کا احسن انتظام ہو جائے۔ چنانچہ رسالہ فتح اسلام میں جس میں مصارف دینیہ کی پنج شاخوں کا بیان ہے انہیں کی تحریک اور مشورہ سے لکھا گیا تھا۔ انکی فراست نہایت صحیح ہے۔ وہ بات کی تہ تک پہنچتے ہیں اور ان کا خیال ظنون فاسدہ سے مصفّٰی اور مزکّٰی ہے۔ رسالہ ازالہ اوہام کے طبع کے ایام میں دو سو روپیہ ان کی طرف سے پہنچا اور ان کے گھر کے آدمی بھی ان کے اس اخلاص سے متأثر ہیں۔ اور وہ بھی اپنے کئی زیورات اس راہ میں محض للہ خرچ کر چکے ہیں۔ حکیم صاحب موصوف نے باوجود ان سب خدمات کے جو ان کی طرف سے ہوتی رہتی ہیں خاص طور پر پنج روپے ماہواری اس سلسلہ کی تائید میں دینا مقرر کیا ہے۔ جزاھم اللہ خیر الجزاء واحسن الیھم فی الدنیا والعقبٰی۔

(ازالہ اوہام۔ روحانی خزائن جلد۳ صفحہ ۵۲۲۔۵۲۳)

حکیم صاحب ممدوح جس قدر مجھ سے محبت اور اخلاص اور حسن ارادت اور اندرونی تعلق رکھتے ہیں مَیں اسکے بیان کرنے سے قاصر ہوں۔ وہ میرے سچے خیر خواہ اور دلی ہمدرد اور حقیقت شناس مرد ہیں۔ بعد اس کے جو خدا تعالیٰ نے اس اشتہار کے لکھنے کے لئے مجھے توجہ دی اور اپنے الہامات خاصہ سے امیدیں دلائیں ..... میرے یہ عزیز بھائی بغیر اس کے کہ مَیں ان سے ذکر کرتا خود مجھے اس اشتہار کے لکھنے کے لئے محرک ہوئے اور اس کے اخراجات کیواسطے اپنی طرف سے سو روپیہ دیا۔ مَیں انکی فراست ایمانی سے متعجب ہوں کہ ان کے ارادے کو خدا تعالیٰ کے ارادے سے توارد ہو گیا۔ وہ ہمیشہ در پردہ خدمت کرتے رہتے ہیں اور کئی سو روپیہ پوشیدہ طور پر محض ابتغاءً لمرضات اللہ اس راہ میں دے چکے ہیں۔ خدا تعالیٰ انہیں جزائے خیر بخشے۔

(فتح اسلام روحانی خزائن جلد۳ صفحہ ۳۸۔۳۹)

حضرت صاحبزادہ سراج الحق صاحب نعمانیؓ

حبّی فی اللہ صاحبزادہ سراج الحق صاحب ابو اللمعان محمد سراج الحق جمالی نعمانی ابن شاہ حبیب الرحمٰن ساکن سرساوہ ضلع سہارنپور از اولاد قطب الاقطاب شیخ جمال الدین احمد ہانسوی اکابر مخلصین اس عاجز سے ہیں۔ صاف باطن یک رنگ اور للّٰہی کاموں میں جوش رکھنے والے اور اعلائے کلمہ حق کے لئے بدل و جان ساعی و سرگرم ہیں۔ اس سلسلہ میں داخل ہونے کے لئے خدا تعالیٰ نے جو ان کیلئے تقریب پیدا کی وہ ایک دلچسپ حال ہے جو ان کے ایک خط سے ظاہر ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ میں اس زمانہ کو ایک آخری زمانہ سمجھ کر علماء اور فقراء سے ظہور حضرت مسیح ابن مریم موعود اور حضرت مہدی کی بشارتیں سنکر ہمیشہ دعا کیا کرتا تھا کہ خدا وند کریم مجھ کو ان میں سے کسی کی زیارت کرا دے خواہ حالت جوانی میں ہی یا ضعیفی میں۔ سو جب میری دعائیں انتہا کو پہنچیں تو ان کا یہ اثر ہوا کہ مجھے عالم رؤیا میں وقتاً فوقتاً مقصد مذکورہ بالا کے لئے کچھ کچھ بشارتیں معلوم ہونے لگیں۔ چنانچہ ایک دفعہ میں سفر کی حالت میں شہر جنید میں تھا تو عالم رؤیا میں دیکھتا ہوں کہ میں ایک مسجد میں وضو کر رہا ہوں اور

اس مسجد کے متصل ایک کوچہ ہے۔ وہاں سے ہر قسم کے آدمی ہندو مسلمان نصاریٰ آتے جاتے ہیں۔ میں نے پوچھا کہ تم لوگ کہاں سے آتے ہو۔ تو انہوں نے کہا کہ ہم حضرت رسول مقبول کی خدمت میں گئے تھے۔ تب میں نے بھی جلدوضو کر کے اس کوچہ کی راہ لی۔ ایک مکان میں دیکھا کہ کثرت سے آدمی موجود ہیں اور حضرت رسول مقبول خاتم الانبیا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف رکھتے ہیں۔ سفید پوشاک پہنے ہوئے اور ایک شخص دوزانو ان کے سامنے باادب بیٹھا ہے۔ میں نے پوچھنا چاہا کہ مرشد کے قدم چومنے میں علما وفقرا کو اختلاف ہے۔ اصل بات کیا ہے۔ تب ایک شخص جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیٹھا تھا خود بخود بول اٹھا کہ نہیں نہیں۔ اس وقت میں بے تکلف اٹھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک جا بیٹھا۔ تب حضرت نبی کریمؐ نے مجھ کو دیکھا اور اپنا داہنا پائے مبارک میری طرف لمبا کر دیا۔ میں نے حضرت کے قدم مبارک کو بوسہ دیا اور آنکھوں سے لگایا۔ اس وقت حضرت نے ایک جوراب سوتی اپنے پائے مبارک سے اتار کر مجھ کو عنایت فرمائی۔ اس رؤیا صادقہ سے میں بہت متلذّذ رہا۔ پھر دو برس کے بعد ایسا اتفاق ہوا کہ لدھیانہ میں آیا اور میں نے آپ کا یعنی اس عاجز کا شہرہ سنا اور رات کو آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور وہی جلسہ دیکھا اور وہی کثرت مخلوق دیکھی جو میں نے حضرت نبی کریمؐ کی خواب میں دیکھی تھی۔ اور جب میں نے آپ کی صورت دیکھی تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہی صورت ہے کہ جس صورت پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے خواب میں دیکھا تھا۔ تب مجھے یقین ہو گیا کہ میں نے آپ ہی کو خواب میں دیکھا تھا اور خدا تعالیٰ نے آپ کو نبی کریمؐ کے پیرایہ میں میرے پر ظاہر کیا تا وہ عینیت جو ببرکت متابعت پیدا ہو جاتی ہے میرے پر منکشف ہو جائے۔ پھر جب میں پانچ چھ ماہ کے بعد آپ کو قادیان میں ملا تو میری حالت اعتقاد بہت ترقی کر گئی اور مجھ کو کامل ومکمل یقین کہ عین الیقین کا مرتبہ حاصل ہو گیا کہ بلا شبہ آپ مجددالوقت اور غوث الوقت ہیں اور میرے پر پورے عرفان کے ساتھ کھل گیا کہ میرے خواب کے مصداق آپ ہی ہیں۔ پھر اسکے بعد اور بھی حالات نوم اور غیر نوم میں میرے پر کھلتے رہے۔ ایک

دفعہ استخارہ کے وقت آپ کی نسبت یہ آیت نکلی معہ ربیون کثیر[7] تب میں بیعت سے بصدق دل مشرف ہوا۔

(ازالہ اوہام۔ روحانی خزائن جلد ۳ صفحہ ۵۳۴۔۵۳۵)

حضرت نواب محمد علی خان صاحبؓ

حبیّ فی اللہ نواب محمد علی خان صاحب رئیس خاندان ریاست مالیر کوٹلہ۔ یہ نواب صاحب ایک معزز خاندان کے نامی رئیس ہیں۔ مورث اعلیٰ نواب صاحب موصوف کے شیخ صدر جہاں ایک با خدا بزرگ تھے جو اصل باشندہ جلال آباد سروانی قوم کے پٹھان تھے۔ ۱۴۶۹ء میں عہد سلطنت بہلول لودھی میں اپنے وطن سے اس ملک میں آئے۔ شاہ وقت کا ان پر اس قدر اعتقاد ہو گیا کہ اپنی بیٹی کا نکاح شیخ موصوف سے کر دیا اور چند گاؤں جاگیر میں دے دیئے۔ چنانچہ ایک گاؤں کی جگہ میں یہ قصبہ شیخ صاحب نے آباد کیا جس کا نام مالیر ہے۔ شیخ صاحب کے پوتے بایزید خان نامی نے مالیر کے متصل قصبہ کوٹلہ کو تقریباً ۱۵۷۳ء میں آباد کیا جس کے نام سے اب یہ ریاست مشہور ہے .....سردار محمد علی خان صاحب .....کی خدا داد فطرت بہت سلیم اور معتدل ہے اور باوجود عین شباب کے کسی قسم کی حدّت اور تیزی اور جذبات نفسانی ان کے نزدیک آئی معلوم نہیں ہوتی۔ مَیں قادیان میں جب وہ ملنے کے لئے آئے تھے اور کئی دن رہے پوشیدہ نظر سے دیکھتا رہا ہوں کہ التزام ادائے نماز میں ان کو خوب اہتمام ہے اور صلحاء کی طرح توجہ اور شوق سے نماز پڑھتے ہیں اور منکرات اور مکروہات سے بکلّی مجتنب ہیں۔ مجھے ایسے شخص کی خوش قسمتی پر رشک ہے جس کا ایسا صالح بیٹا ہو کہ باوجود بہم پہنچنے تمام اسباب اور وسائل غفلت اور عیاشی کے اپنے عنفوان جوانی میں ایسا پرہیز گار ہو۔

(ازلہ اوہام۔ روحانی خزائن جلد ۳ صفحہ ۵۲۵۔۵۲۶)

---

7. ترجمہ: اُس کے ساتھ بہت سے ربانی لوگ ہیں۔ ال عمران : ۱۴۷ (مرتب)

حضرت سید حامد شاہ صاحب سیالکوٹیؓ

سید حامد شاہ صاحب سیالکوٹی۔ یہ سید صاحب محبّ صادق اور اس عاجز کے ایک نہایت مخلص دوست کے بیٹے ہیں۔ جس قدر خدا تعالیٰ نے شعراورسخن میں ان کو قوت بیان دی ہے وہ رسالہ قول فصیح کے دیکھنے سے ظاہر ہو گی۔ میر حامد شاہ کے بشرہ سے علامات صدق و اخلاص ومحبت ظاہر ہیں۔ اور میں امید رکھتا ہوں کہ وہ اسلام کی تائید میں اپنی نظم و نثر سے عمدہ عمدہ خدمتیں بجالائیں گے۔ ان کا جوش سے بھرا ہوا اخلاص اور ان کی محبت صافی جس حد تک مجھے معلوم ہوتی ہے مَیں اس کا اندازہ نہیں کرسکتا۔ مجھے نہایت خوشی ہے کہ وہ میرے پرانے دوست میر حسام الدین صاحب رئیس سیالکوٹ کے خلف رشید ہیں۔

(ازالہ اوہام۔ روحانی خزائن جلد ۳ صفحہ ۵۲۴)

حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ

مَیں بڑی خوشی سے یہ چند سطریں تحریر کرتا ہوں کہ اگرچہ منشی محمد افضل مرحوم ایڈیٹر اخبار البدر قضائے الٰہی سے فوت ہو گئے ہیں مگر خدا تعالیٰ کے شکر اور فضل سے ان کا نعم البدل اخبار کو ہاتھ آ گیا ہے۔ یعنی ہمارے سلسلہ کے ایک برگزیدہ رکن، جوان، صالح اور ہر ایک طور سے لائق جن کی خوبیوں کے بیان کرنے کیلئے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں یعنی مفتی محمد صادق صاحب بھیروی قائم مقام منشی محمد افضل مرحوم ہو گئے ہیں۔ میری دانست میں خدا تعالیٰ کے فضل اور رحم سے اس اخبار کی قسمت جاگ اٹھی ہے کہ اسکو ایسا لائق اور صالح ایڈیٹر ہاتھ آیا۔ خدا تعالیٰ یہ کام ان کے لئے مبارک کرے اور ان کے کاروبار میں برکت ڈالے۔ آمین ثم آمین۔

خاکسار میرزا غلام احمد ۲۳ محرم الحرام ۱۳۲۳ھ ۳۰ مارچ ۱۹۰۵ء علیٰ صاحبھا التحیۃُ والسلام

(ملفوظات جلد چہارم۔ جدید ایڈیشن صفحہ ۲۵۱)

لاہور میں لارڈ بشپ نے ایک بڑے مجمع میں مسیح کی زندگی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر ایک بڑا لیکچر دے کر حضرت مسیح کی فضیلت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ثابت کرنی

چاہی تھی۔ تب کوئی مسلمان بھی اس کا جواب نہ دے سکا۔ لیکن ہماری جماعت میں سے مفتی محمد صادق صاحب نے اٹھکر جواب دیا اور کہا کہ قرآن شریف اور انجیل ہر دو سے ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰؑ فوت ہو چکے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں کیونکہ آپ سے فیض حاصل کر کے معجزات دکھانے والے ابتک موجود ہیں۔ اس سے بشپ لاچار ہو گیا اور اس نے ہماری جماعت کے ساتھ گفتگو کرنے سے بالکل گریز کیا۔

(ملفوظات جلد پنجم ۔جدید ایڈیشن صفحہ ۱۶۴۔۱۶۵)

حضرت مولوی عبد الغنی صاحبؓ معروف مولوی غلام نبی خوشابی

حبّی فی اللہ مولوی عبد الغنی صاحب معروف مولوی غلام بنی خوشابی دقیق فہم اور حقیقت شناس ہیں اور علوم عربیہ تازہ بتازہ ان کے سینہ میں موجود ہیں۔ اوائل میں مولوی صاحب موصوف سخت مخالف الرائے تھے۔ جب ان کو اس بات کی خبر پہنچی کہ یہ عاجز مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کر رہا ہے اور مسیح ابن مریم کی نسبت وفات کا قائل ہے تب مولوی صاحب میں پرانے خیالات کے جذبہ سے ایک جوش پیدا ہوا اور ایک عام اشتہار دیا کہ جمعہ کی نماز کے بعد اس شخص کے ردّ میں ہم وعظ کریں گے۔ شہر لودھیانہ کے صدہا آدمی وعظ کے وقت موجود ہو گئے۔ تب مولوی صاحب اپنے علمی زور سے بخاری اور مسلم کی حدیثیں بارش کی طرح لوگوں پر برسانے لگے اور صحاح ستہّ کا نقشہ پرانی لکیر کے موافق آگے رکھ دیا۔ ان کے وعظ سے سخت جوش مخالفت کا تمام شہر میں پھیل گیا کیونکہ ان کی علمیت اور فضیلت دلوں میں مسلّم تھی۔ لیکن آخر سعادت ازلی کشاں کشاں ان کو اس عاجز کے پاس لے آئی اور مخالفانہ خیالات سے توبہ کر کے سلسلہ بیعت میں داخل ہوئے۔ اب ان کے پرانے دوست ان سے سخت ناراض ہیں۔ مگر وہ نہایت استقامت سے اس شعر کے مضمون کا ورد کر رہے ہیں۔

حضرت ناصح جو آویں دیدہ و دل فرش راہ
پر کوئی مجھ کو تو سمجھا وے کہ سمجھائیں گے کیا

(ازالہ اوہام۔ روحانی خزائن جلد۳ صفحہ ۵۲۵)

حضرت میر ناصر نواب صاحبؓ

حبّی فی اللہ میر ناصر نواب صاحب۔ میر صاحب موصوف علاوہ رشتہ روحانی کے رشتہ جسمانی بھی اس عاجز سے رکھتے ہیں کہ اس عاجز کے خسر ہیں نہایت یکرنگ اور صاف باطن اور خداتعالیٰ کا خوف دل میں رکھتے ہیں اور اللہ اور رسول کی اتباع کو سب چیز سے مقدم سمجھتے ہیں اور کسی سچائی کے کھلنے سے پھر اسکو شجاعت قلبی کے ساتھ بلاتوقف قبول کر لیتے ہیں۔ حب للہ اور بغض للہ کا مومنانہ شیوہ ان پر غالب ہے۔ کسی کے راستباز ثابت ہونے سے وہ جان تک بھی فرق نہیں کر سکتے اور کسی کو ناراستی پر دیکھ کر اس سے مداہنت کے طور پر کچھ تعلق رکھنا نہیں چاہتے۔

(ازالہ اوہام۔ روحانی خزائن جلد۳ صفحہ ۵۳۵۔۵۳۶)

حضرت مولوی عبدالرحمٰن صاحب شہیدؓ

مولوی صاحبزادہ عبداللطیف صاحب مرحوم کی شہادت سے تخمیناً دو برس پہلے انکے ایماء اور ہدایت سے میاں عبدالرحمٰن شاگرد رشید انکے قادیان میں شاید دو یا تین دفعہ آئے اور ہر یک مرتبہ کئی کئی مہینہ تک رہے اور متواتر صحبت اور تعلیم اور دلائل کے سننے سے ان کا ایمان شہداء کا رنگ پکڑ گیا۔ اور آخری دفعہ جب کابل واپس گئے تو وہ میری تعلیم سے پورا حصہ لے چکے تھے۔ ..... آخر یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی کہ ضرور یہ شخص مسیح قادیانی کا مرید اور مسئلہ جہاد کا مخالف ہے۔ تب اس مظلوم کو گردن میں کپڑا ڈال کر دَم بند کر کے شہید کیا گیا۔ کہتے ہیں کہ اس کی شہادت کے وقت بعض آسمانی نشان ظاہر ہوئے۔

(تذکرۃ الشہادتین۔ روحانی خزائن جلد۲۰ صفحہ ۴۷۔۴۸)

حضرت صاحبزادہ مولوی عبداللطیف صاحب شہیدؓ

خوست علاقہ حدود کابل میں ایک بزرگ تک جن کا نام اخوند زادہ مولوی عبداللطیف ہے کسی اتفاق سے میری کتابیں پہنچیں۔ اور وہ تمام دلائل جو نقل اور عقل اور تائیدات سماوی سے مَیں نے اپنی کتابوں میں لکھے تھے وہ سب دلیلیں انکی نظر سے گزریں۔ اور چونکہ وہ بزرگ نہایت پاک باطن اور اہل علم اور اہل فراست اور خداترس اور تقویٰ شعار تھے اسلئے انکے دل پر ان

دلائل کا قوی اثر ہوا اور انکو اس دعوے کی تصدیق میں کوئی دقت پیش نہ آئی۔ اور انکی پاک کانشس نے بلا توقف مان لیا کہ یہ شخص منجانب اللہ ہے اور یہ دعویٰ صحیح ہے۔ تب انہوں نے میری کتابوں کو نہایت محبت سے دیکھنا شروع کیا اور انکی روح جو نہایت صاف اور مستعد تھی میری طرف کھینچی گئی۔ یہانتک کہ انکے لئے بغیر ملاقات کے دور بیٹھے رہنا نہایت دشوار ہو گیا۔ آخر اس زبردست کشش اور محبت اور اخلاص کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے اس غرض سے کہ ریاست کابل سے اجازت حاصل ہو جائے حج کیلئے مصمم ارادہ کیا اور امیر کابل سے اس سفر کیلئے درخواست کی۔ چونکہ وہ امیر کابل کی نظر میں ایک برگزیدہ عالم اور تمام علماء کے سردار سمجھے جاتے تھے اسلئے نہ صرف انکو اجازت ہوئی بلکہ امداد کے طور پر کچھ روپیہ بھی دیا گیا۔ سو وہ اجازت حاصل کر کے قادیان میں پہنچے اور جب مجھ سے انکی ملاقات ہوئی تو قسم اس خدا کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں نے انکو اپنی پیروی اور اپنے دعویٰ کی تصدیق میں ایسا فنا شدہ پایا کہ جس سے بڑھ کر انسان کیلئے ممکن نہیں۔ اور جیسا کہ ایک شیشہ عطر سے بھرا ہوا ہوتا ہے ایسا ہی میں نے انکو اپنی محبت سے بھرا ہوا پایا۔ اور جیسا کہ ان کا چہرہ نورانی تھا ایسا ہی ان کا دل مجھے نورانی معلوم ہوتا تھا۔ اس بزرگ مرحوم میں نہایت قابل رشک یہ صفت تھی کہ درحقیقت وہ دین کو دنیا پر مقدم رکھتا تھا۔ اور درحقیقت ان راستبازوں میں سے تھا جو خدا سے ڈر کر اپنے تقویٰ اور اطاعت الٰہی کو انتہا تک پہنچاتے ہیں اور خدا کے خوش کرنے کیلئے اور اسکی رضا حاصل کرنے کیلئے اپنی جان اور عزت اور مال کو ایک ناکارہ خس و خاشاک کی طرح اپنے ہاتھ سے چھوڑ دینے کو تیار ہوتے ہیں۔ اسکی ایمانی قوت اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ اگر مَیں اسکو ایک بڑے سے بڑے پہاڑ سے تشبیہ دوں تو مَیں ڈرتا ہوں کہ میری تشبیہ ناقص نہ ہو .... میں کن الفاظ سے اس بزرگ مرحوم کی تعریف کروں جس نے اپنے مال اور آبرو اور جان کو میری پیروی میں یوں پھینک دیا کہ جس طرح کوئی ردّی چیز پھینک دی جاتی ہے۔

(تذکرۃ الشہادتین۔ روحانی خزائن جلد ۲۰ صفحہ ۹۔۱۰)

مولوی صاحبزادہ عبداللطیف صاحب جب قادیان میں آئے تو صرف ان کو یہی فائدہ نہ ہوا کہ انہوں نے مفصل طور پر میرے دعویٰ کے دلائل سنے بلکہ ان چند مہینوں کے عرصہ میں جو وہ قادیان میرے پاس رہے اور ایک سفر جہلم تک بھی میرے ساتھ کیا بعض آسمانی نشان بھی میری تائید میں انہوں نے مشاہدہ کئے۔ ان تمام براہین اور انوار اور خوارق کے دیکھنے کی وجہ سے وہ فوق العادت یقین سے بھر گئے اور طاقت بالا انکو کھینچ کر لے گئی ...... ابھی وہ اسی جگہ تھے کہ بہت سے یقین اور بھاری تبدیلی کی وجہ سے ان پر الہام اور وحی کا دروازہ کھولا گیا اور خدا تعالیٰ کی طرف سے کھلے لفظوں میں میری تصدیق کے بارے میں انہوں نے شہادتیں پائیں جنکی وجہ سے آخر کار انہوں نے اس شہادت کا شربت اپنے لئے منظور کیا .... یقیناً یاد رکھو کہ جس طرز سے انہوں نے میری تصدیق کی راہ میں مرنا قبول کیا اس قسم کی موت اسلام کے تیرہ سو برس کے سلسلہ میں بجز نمونہ صحابہ رضی اللہ عنھم کے اور کسی جگہ نہیں پاؤ گے۔ پس بلا شبہ اس طرح ان کا مرنا اور میری تصدیق میں نقد جان خدا تعالیٰ کے حوالہ کرنا یہ میری سچائی پر ایک عظیم الشان نشان ہے مگر ان کیلئے جو سمجھ رکھتے ہیں۔ انسان شک وشبہ کی حالت میں کب چاہتا ہے کہ اپنی جان دیدے اور اپنی بیوی اور اپنے بچوں کو تباہی میں ڈالے۔ پھر عجب تر یہ کہ یہ بزرگ معمولی انسان نہیں تھا بلکہ ریاست کابل میں کئی لاکھ کی انکی اپنی جاگیر تھی اور انگریزی عملداری میں بھی بہت سی زمین تھی۔ اور طاقت علمی اس درجہ تک تھی کہ ریاست نے تمام مولویوں کا ان کو سردار قرار دیا تھا۔ وہ سب سے زیادہ عالم علم قرآن اور حدیث اور فقہ میں سمجھے جاتے تھے اور نئے امیر کی دستار بندی کی رسم بھی انہیں کے ہاتھ سے ہوتی تھی اور اگر امیر فوت ہو جائے تو اس کے جنازہ پڑھنے کیلئے بھی وہی مقرر تھے۔ یہ وہ باتیں ہیں جو ہمیں معتبر ذریعہ سے پہنچی ہیں اور انکی خاص زبان سے میں نے سنا تھا کہ ریاست کابل میں پچاس ہزار کے قریب ان کے معتقد اور ارادتمند ہیں جن میں سے بعض ارکان ریاست بھی تھے۔ غرض یہ بزرگ ملک کابل میں ایک فرد تھا اور کیا علم کے لحاظ سے اور کیا تقویٰ کے لحاظ سے اور کیا جاہ اور مرتبہ کے لحاظ سے اور کیا خاندان کے لحاظ سے اس

ملک میں اپنی نظیر نہیں رکھتا تھا اور علاوہ مولوی کے خطاب کے صاحبزادہ اور اخوان زادہ اور شاہزادہ کے لقب سے اس ملک میں مشہور تھے۔ اور شہید مرحوم ایک بڑا کتب خانہ حدیث اور تفسیر اور فقہ اور تاریخ کا اپنے پاس رکھتے تھے اور نئی کتابوں کے خریدنے کیلئے ہمیشہ حریص تھے۔ اور ہمیشہ درس وتدریس کا شغل جاری تھا اور صدہا آدمی انکی شاگردی کا فخر حاصل کر کے مولویت کا خطاب پاتے تھے۔ لیکن باایں ہمہ کمال یہ تھا کہ بےنفسی اور انکسار میں اس مرتبہ تک پہنچ گئے تھے کہ جب تک انسان فنا فی اللہ نہ ہو یہ مرتبہ نہیں پا سکتا۔ ہر ایک شخص کسی قدر شہرت اور علم سے محجوب ہو جاتا ہے اور اپنے تئیں کچھ چیز سمجھنے لگتا ہے اور وہی علم اور شہرت حق طلبی سے اسکو مانع ہو جاتی ہے۔ مگر یہ شخص ایسا بےنفس تھا کہ باوجودیکہ ایک مجموعہ فضائل کا جامع تھا مگر تب بھی کسی حقیقت حقہ کے قبول کرنے سے اس کو اپنی علمی اور عملی اور خاندانی وجاہت مانع نہیں ہوسکتی تھی اور آخر سچائی پر اپنی جان قربان کی اور ہماری جماعت کیلئے ایک ایسا نمونہ چھوڑ گیا جسکی پابندی اصل منشاء خدا کا ہے۔

(تذکرۃ الشہادتین۔ روحانی خزائن جلد ۲۰ صفحہ ۴۵۔۴۷)

ومن حزبنا عبداللطیف فانّہ　　اری نور صدقٍ منہ خلق تھکّروا[8]

اور ہمارے گروہ میں سے مولوی عبداللطیف ہیں کیونکہ اس نے اپنے صدق کا نور ایسا دکھلایا کہ اسکے صدق سے لوگ حیران ہو گئے۔

(براہین احمدیہ حصہ پنجم۔ روحانی خزائن جلد ۲۱ صفحہ ۳۲۹)

---

8. عبداللطیف جن کا شعر میں ذکر ہوا ہے وہ صاحبزادہ مولوی عبد اللطیف کے نام سے موسوم ہیں اور ملک کابل میں انکو شاہزادہ مولوی عبداللطیف بھی کہتے ہیں۔ یہ ایک بڑے خاندان کے رئیس اور صاحب علم وفضل وکمال تھے۔ اور پچاس ہزار کے قریب ان کے متبعین اور شاگرد اور مرید تھے۔ علم حدیث کی تخم ریزی اور اشاعت اس ملک میں مولوی صاحب موصوف کے ذریعہ سے بہت سی ہوئی تھی۔ اور باوجود اس قدر علم اور فضل اور کمال کے جس کی وجہ سے وہ ان ملکوں میں لاثانی شمار کئے جاتے تھے انکسار اور فروتنی ان کے مزاج میں اس قدر تھی کہ گویا عجب اور تکبر کی قوت ہی ان میں پیدا نہیں ہوئی تھی۔

صاحبزادہ مولوی عبداللطیف مرحوم کا اس بے رحمی سے مارا جانا اگرچہ ایسا امر ہے کہ اس کے سننے سے کلیجہ منہ کو آتا ہے (وما رئینا ظلمًا اغیظ مِن ھذا[9]) لیکن اس خون میں بہت برکات ہیں کہ بعد میں ظاہر ہونگے اور کابل کی زمین دیکھ لے گی کہ یہ خون کیسے کیسے پھل لائے گا۔

بقیہ حاشیہ: درحقیقت سرزمین کابل میں (جو سخت دلی اور بے مہری اور تکبر اور نخوت میں مشہور ہے) ایسے بےنفس اور متواضع اور راستباز انسان کا وجود خارق عادت امر ہے۔سعادت ازلی مولوی صاحب ممدوح کو کشاں کشاں قادیان میں لے آئی۔ اور چونکہ وہ ایک انسان روشن ضمیر اور بےنفس اور فراست صحیحہ سے پورا حصہ رکھتا تھا اور علم حدیث اور علم قرآن سے ایک وہبی طاقت ان کو نصیب تھی اور کئی رویائے صالحہ بھی وہ میرے بارے میں دیکھ چکے تھے اس لئے چہرہ دیکھتے ہی مجھے انہوں نے قبول کر لیا اور کمال انشراح سے میرے دعویٰ مسیح موعود ہونے پر ایمان لائے اور جان نثاری کی شرط پر بیعت کی اور ایک ہی صحبت میں ایسے ہو گئے کہ گویا سال ہا سال سے میری صحبت میں تھے۔ اور نہ صرف اسقدر بلکہ الہام الٰہی کا سلسلہ بھی ان پر جاری ہو گیا اور واقعات صحیحہ ان پر وارد ہونے لگے اور ان کا دل ماسوا اللہ کے بقایا سے بکلی دھویا گیا۔ پھر وہ اس جگہ سے معرفت اور محبت الٰہیہ سے معمور ہو کر واپس اپنے وطن کی طرف گئے اور ان کے گھر پہنچنے پر امیر کابل کے پاس مخبری کی گئی کہ وہ قادیان گئے اور بیعت کر کے آئے ہیں اور اب اعتقاد رکھتے ہیں کہ مسیح موعود اور مہدی معہود جو آنے والا تھا وہی ان کا مرشد ہے۔ اس مخبری پر مصالح ملکی کی بناء پر مولوی صاحب موصوف گرفتار کئے گئے اور ایک بڑا زنجیر ان کے پاؤں میں ڈالا گیا اور کابل کے علما نے فتویٰ دیا کہ اگر یہ شخص توبہ نہ کرے تو واجب القتل ہے اور سرزمین کابل کے مولویوں سے انکی بحث کرائی گئی اور ہر ایک بات میں مولویوں کو انہوں نے لاجواب کیا ..... امیر کابل نے کئی مرتبہ فہمائش کی کہ آپ صرف اس شخص کی بیعت سے دست بردار ہو جائیں جو مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کرتا ہے .....تو پھر آپ بری ہیں بلکہ آپ کی عزت اور عظمت اور بھی کی جائیگی۔مگر مولوی صاحب نے قبول نہ کیا اور کہا کہ مَیں نے آج ایمان کو اپنی جان پر مقدم کر لیا ہے اور مَیں جانتا ہوں کہ جس کی مَیں نے بیعت کی ہے وہ سچا ہے اور روئے زمین پر اس جیسا دوسرا نہیں۔ اور پھر جب انکی توبہ سے نومیدی ہوئی تو بڑی بے رحمی سے سنگسار کئے گئے۔ دیکھنے والے بیان کرتے ہیں کہ آج تک ان کی قبر میں سے مشک کی خوشبو آتی ہے۔ رحمہ اللہ وادخلہ فی جنانہ۔ جب وہ پکڑے گئے تو کہا گیا کہ اولاد اور بیوی سے ملاقات کر لو۔فرمایا کہ مجھے کچھ ضرورت نہیں۔ منہ

9. ترجمہ: اس سے زیادہ سخت ظلم ہم نے نہیں دیکھا۔ (مرتب)

یہ خون کبھی ضائع نہیں جائے گا۔ پہلے اس سے غریب عبدالرحمٰن میری جماعت کا ظلم سے مارا گیا اور خدا چپ رہا۔ مگر اس خون پر اب وہ چپ نہیں رہے گا اور بڑے بڑے نتائج ظاہر ہوں گے۔ چنانچہ سنا گیا ہے کہ جب شہید مرحوم کو ہزاروں پتھروں سے قتل کیا گیا تو انہیں دنوں میں سخت ہیضہ کابل میں پھوٹ پڑا اور بڑے بڑے ریاست کے نامی اس کا شکار ہو گئے۔ اور بعض امیر کے رشتہ دار اور عزیز بھی اس جہان سے رخصت ہوئے۔ مگر ابھی کیا ہے۔ یہ خون بڑی بے رحمی کے ساتھ کیا گیا ہے اور آسمان کے نیچے ایسے خون کی اس زمانہ میں نظیر نہیں ملے گی۔ ہائے اس نادان امیر نے کیا کیا کہ ایسے معصوم شخص کو کمال بیدردی سے قتل کر کے اپنے تئیں تباہ کر لیا۔ اے کابل کی زمین تو گواہ رہ کہ تیرے پر سخت جرم کا ارتکاب کیا گیا۔ اے بدقسمت زمین تو خدا کی نظر سے گر گئی کہ تو اس ظلم عظیم کی جگہ ہے۔

(تذکرۃ الشہادتین۔ روحانی خزائن جلد۲۰ صفحہ۷۴)

اگر کابل کی تمام سرزمین میں اس کی نظیر تلاش کی جائے تو تلاش کرنا لا حاصل ہے۔ ایسے لوگ اکسیر احمر کے حکم میں ہیں جو صدق دل سے ایمان اور حق کے لئے جان بھی فدا کرتے ہیں اور زن و فرزند کی کچھ بھی پرواہ نہیں کرتے۔ اے عبداللطیف! تیرے پر ہزاروں رحمتیں کہ تو نے میری زندگی میں ہی اپنے صدق کا نمونہ دکھایا۔ اور جو لوگ میری جماعت میں سے میری موت کے بعد رہیں گے مَیں نہیں جانتا کہ وہ کیا کام کریں گے۔

(تذکرۃ الشہادتین۔ روحانی خزائن جلد۲۰ صفحہ۶۰)

عیسائیت

عیسائی مذہب بھی خدا کی طرف سے تھا مگر افسوس کہ اب وہ اس تعلیم پر قائم نہیں۔

(گورنمنٹ انگریزی اور جہاد۔ روحانی خزائن جلد ۱۷صفحہ ۳۰)

میرے پر ظاہر کیا گیا کہ جو کچھ مسیح کی نسبت دنیا کے اکثر عیسائیوں کا عقیدہ ہے یعنی تثلیث و کفارہ وغیرہ یہ سب انسانی غلطیاں ہیں اور حقیقی تعلیم سے انحراف ہے۔

(گورنمنٹ انگریزی اور جہاد۔ روحانی خزائن جلد ۱۷صفحہ ۲۹)

عیسائیت کے مذہب کو دیکھو کہ وہ ابتداء میں کیسے پاک اصول پر مبنی تھا اور جس تعلیم کو حضرت مسیح علیہ السلام نے پیش کیا تھا اگرچہ وہ تعلیم قرآنی تعلیم کے مقابل پر ناقص تھی کیونکہ ابھی کامل تعلیم کا وقت نہیں آیا تھا اور کمزور استعدادیں اس لائق بھی نہ تھیں تاہم وہ تعلیم اپنے وقت کے مناسب حال نہایت عمدہ تعلیم تھی۔ وہ اسی خدا کی طرف راہنمائی کرتی تھی جس کی طرف توریت نے راہنمائی کی۔ لیکن حضرت مسیح علیہ السلام کے بعد مسیحیوں کا خدا ایک اور خدا ہوگیا جس کا توریت کی تعلیم میں کچھ بھی ذکر نہیں اور نہ بنی اسرائیل کو اس کی کچھ بھی خبر ہے۔ اس نئے خدا پر ایمان لانے سے تمام سلسلہ توریت کا الٹ گیا اور گناہوں سے حقیقی نجات اور پاکیزگی حاصل کرنے کیلئے جو ہدایتیں توریت میں تھیں وہ سب درہم برہم ہوگئیں اور تمام مدار گناہ سے پاک ہونے کا اس اقرار پر آ گیا کہ حضرت مسیح نے دنیا کو نجات دینے کے لئے خود صلیب قبول کی اور وہ خدا ہی تھے۔ اور نہ صرف اسی قدر بلکہ توریت کے اور کئی ابدی احکام توڑ دیئے گئے اور عیسائی مذہب میں ایک ایسی تبدیلی واقع ہوئی کہ اگر حضرت مسیح علیہ السلام خود بھی دوبارہ تشریف لے آویں تو وہ اس مذہب کو شناخت نہ کرسکیں۔

(لیکچر سیالکوٹ۔ روحانی خزائن جلد ۲۰صفحہ ۲۰۴)

یاد رکھنا چاہیے کہ یہ مذہب جو عیسائی مذہب کے نام سے شہرت دیا جاتا ہے دراصل پولوسی

مذہب ہے نہ مسیحی۔ کیونکہ حضرت مسیحؑ نے کسی جگہ تثلیث کی تعلیم نہیں دی اور وہ جب تک زندہ رہے خدائے واحد لاشریک کی تعلیم دیتے رہے اور بعد ان کی وفات کے ان کا بھائی یعقوب بھی جو ان کا جانشین تھا اور ایک بزرگوار انسان تھا توحید کی تعلیم دیتا رہا۔ اور پولوس نے خواہ مخواہ اس بزرگ سے مخالفت شروع کر دی اور اس کے عقائد صحیحہ کے مخالف تعلیم دینا شروع کیا اور انجام کار پولوس اپنے خیالات میں یہاں تک بڑھا کہ ایک نیا مذہب قائم کیا اور توریت کی پیروی سے اپنی جماعت کو بکلّی علیحدہ کر دیا اور تعلیم دی کہ مسیحی مذہب میں مسیح کے کفارہ کے بعد شریعت کی ضرورت نہیں اور خون مسیح گناہوں کے دور کرنے کیلئے کافی ہے۔ توریت کی پیروی ضروری نہیں۔ اور پھر ایک اور گند اس مذہب میں ڈال دیا کہ ان کے لئے سؤر کھانا حلال کر دیا۔ حالانکہ حضرت مسیح انجیل میں سؤر کو ناپاک قرار دیتے ہیں۔ تبھی تو انجیل میں ان کا قول ہے کہ اپنے موتی سؤروں کے آگے مت پھینکو۔ پس جب کہ پاک تعلیم کا نام حضرت مسیح نے موتی رکھا ہے تو اس مقابلہ سے صریح معلوم ہوتا ہے کہ پلید کا نام انہوں نے سؤر رکھا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ یونانی سؤر کو کھایا کرتے تھے جیسا کہ آجکل تمام یورپ کے لوگ سؤر کھاتے ہیں۔ اس لئے پولوس نے یونانیوں کے تالیف قلوب کے لئے سؤر بھی اپنی جماعت کے لئے حلال کر دیا۔ حالانکہ توریت میں لکھا ہے کہ وہ ابدی حرام ہے اور اس کا چھونا بھی ناجائز ہے۔ غرض اس مذہب میں تمام خرابیاں پولوس سے پیدا ہوئیں۔

(چشمہ مسیحی۔ روحانی خزائن جلد ۲۰ صفحہ ۳۷۴۔۳۷۵)

اب عیسائی قوم دوگونہ بدقسمتی میں مبتلا ہے۔ ایک تو ان کو خدا تعالیٰ کی طرف سے بذریعہ وحی اور الہام مدد نہیں مل سکتی کیونکہ الہام پر جو مہر لگ گئی۔ اور دوسری یہ کہ وہ عملی طور پر آگے قدم نہیں بڑھا سکتی کیونکہ کفارہ نے مجاہدات اور سعی اور کوشش سے روک دیا۔

(حقیقۃ الوحی۔ روحانی خزائن جلد ۲۲ صفحہ ۲۹)

سچے مذہب کیلئے ضروری ہے کہ اس کا صرف قصوں اور کہانیوں پر سہارا نہ ہو بلکہ ہر ایک زمانہ میں اسکی شناخت کیلئے آسمانی دروازے کھلے رہیں اور آسمانی نشان ظاہر ہوتے رہیں تا

معلوم ہو کہ اس زندہ خدا سے اس کا تعلق ہے کہ جو ہمیشہ سچائی کی حمایت کرتا ہے۔ سو افسوس کہ عیسائی مذہب میں یہ علامت بھی پائی نہیں جاتی بلکہ بیان کیا جاتا ہے کہ سلسلہ نشانوں اور معجزات کا آگے نہیں بلکہ پیچھے رہ گیا ہے اور بجائے اسکے کہ کوئی موجودہ آسمانی نشان دکھلایا جائے ان باتوں کو پیش کرتے ہیں کہ جو اس زمانہ کی نظر میں صرف قصے اور کہانیاں ہیں۔

(کتاب البریہ۔ روحانی خزائن جلد۱۳ صفحہ ۵۲)

عیسائی مذہب کیساتھ ہمارا مقابلہ ہے۔ عیسائی مذہب اپنی جگہ آدم زاد کی خدائی منوانی چاہتا ہے اور ہمارے نزدیک وہ اصل اور حقیقی خدا سے دور پڑے ہوئے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ ان عقائد کی (جو حقیقی خدا پرستی سے دور پھینک کر مردہ پرستی کی طرف لیجاتے ہیں) کافی تردید ہو اور دنیا آگاہ ہو جاوے کہ وہ مذہب جو انسان کو خدا بناتا ہے خدا کی طرف سے نہیں ہو سکتا اور بظاہر اسباب عیسائی مذہب کی اشاعت اور ترقی کے جو اسباب ہیں وہ انسان پرست انسان کو کبھی یقین نہیں دلاتے کہ اس مذہب کا استیصال ہو جاوے گا۔ لیکن ہم اپنے خدا پر یقین رکھتے ہیں کہ اس نے ہم کو اس کی اصلاح کے لئے بھیجا ہے اور یہ میرے ہاتھ پر مقدر ہے کہ مَیں دنیا کو اس عقیدہ سے رہائی دوں۔ پس ہمارا فیصلہ کرنے والا یہی امر ہو گا۔ یہ باتیں لوگوں کی نظر میں عجیب ہیں مگر مَیں یقین رکھتا ہوں کہ میرا خدا قادر ہے۔

(ملفوظات جلد سوم۔ جدید ایڈیشن صفحہ ۶۴۶)

الوہیت

جاننا چاہیئے کہ یہ دعویٰ الوہیت کا جو حضرت مسیحؑ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے یہ کوئی چھوٹا سا دعویٰ نہیں۔ ایک عظیم الشان دعویٰ ہے۔ حضرت عیسائی صاحبان کے عقیدہ کے رُو سے جو شخص حضرت مسیحؑ کی الوہیت کا انکار کرے وہ ہمیشہ کے جہنم میں گرایا جاوے گا اور قرآن کریم کی تعلیم کی رو سے جو شخص ایسا لفظ منہ پر لاوے کہ فلاں شخص درحقیقت خدا ہے یا درحقیقت میں ہی خدا ہوں وہ جہنم کے لائق ٹھہرے گا۔

(جنگ مقدس۔ روحانی خزائن جلد ۶ صفحہ ۱۷۸)

یاد رکھو کہ خدائی کے دعویٰ کی حضرت مسیح پر سراسر تہمت ہے۔ انہوں نے ہرگز ایسا دعویٰ نہیں کیا۔
(لیکچر سیالکوٹ۔ روحانی خزائن جلد ۲۰ صفحہ ۲۳۶)

ان کا وہ کلمہ جو صلیب پر چڑھائے جانے کے وقت ان کے منہ سے نکلا کیسا توحید پر دلالت کرتا ہے کہ انہوں نے نہایت عاجزی سے کہا۔ ایلی ایلی لما سبقتانی۔ یعنی اے میرے خدا! اے میرے خدا ! تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا۔ کیا جو شخص اس عاجزی سے خدا کو پکارتا ہے اور اقرار کرتا ہے کہ خدا میرا رب ہے اسکی نسبت کوئی عقلمند گمان کر سکتا ہے کہ اس نے درحقیقت خدائی کا دعویٰ کیا تھا ؟

(چشمہ مسیحی۔ روحانی خزائن جلد۲۰ صفحہ ۳۷۵)

یہ بات کہ مسیح نے اپنے تئیں خدا کا بیٹا کہا ہے یا کسی اور کتاب میں اسکو بیٹا کہا گیا ہے ایسی تحریروں سے اسکی خدائی نکالنا درست نہیں۔ بائبل میں بہت سے لوگوں کو خدا کے بیٹے کہا گیا ہے بلکہ بعض کو خدا بھی۔ پھر مسیح کی تخصیص بے وجہ ہے۔ اور اگر ایسا ہوتا بھی کہ کسی دوسرے کو ان کتابوں میں بجز مسیح کے خدا یا خدا کے بیٹے کا لقب نہ دیا جاتا تب بھی ایسی تحریروں کو حقیقت پر حمل کرنا نادانی تھا۔ کیونکہ خدا کے کلام میں ایسے استعارات بکثرت پائے جاتے ہیں۔ مگر جس حالت میں بائبل کے رو سے خدا کا بیٹا کہلانے میں اور بھی مسیح کے شریک ہیں تو دوسرے شرکاء کو کیوں اس فضیلت سے محروم رکھا جاتا ہے۔
(لیکچر لاہور۔ روحانی خزائن جلد ۲۰ صفحہ ۱۶۴۔۱۶۵)

کیا ممکن ہے کہ ایک ہی ماں یعنی مریم کے پیٹ میں سے پانچ بچے پیدا ہو کر ایک بچہ خدا کا بیٹا بلکہ خدا بن گیا اور چار باقی جو رہے ان بے چاروں کو خدائی سے کچھ بھی حصہ نہ ملا۔ بلکہ قیاس یہ چاہتا تھا کہ جبکہ کسی مخلوق کے پیٹ سے خدا بھی پیدا ہو سکتا ہے، یہ نہیں کہ ہمیشہ آدمی سے آدمی اور گدھی سے گدھا پیدا ہو، تو جہاں کہیں کسی عورت کے پیٹ سے خدا پیدا ہو تو پھر اس پیٹ سے کوئی مخلوق پیدا نہ ہو بلکہ جس قدر بچے پیدا ہوتے جائیں وہ سب خدا ہی ہوں تا وہ پاک رحم مخلوق کی شرکت سے منزّہ رہے اور فقط خداؤں ہی کے پیدا ہونے کی ایک

کان ہو۔ پس قیاس متذکرہ بالا کے رو سے لازم تھا کہ حضرت مسیح کے دوسرے بھائی اور بہن بھی کچھ نہ کچھ خدائی میں سے بخرہ پاتے اور ان پانچوں حضرات کی والدہ تو ربّ الارباب ہی کہلاتی کیونکہ یہ پانچوں حضرات روحانی اور جسمانی قوتوں میں اسی سے فیضیاب ہیں۔

(براہین احمدیہ چہار حصص۔ روحانی خزائن جلد ۱ صفحہ ۴۴۲ حاشیہ نمبر ۱۱)

ڈپٹی صاحب موصوف[1] ..... حضرت مسیح کی الوہیت ثابت کرنے کیلئے فرماتے ہیں کہ اور انسانوں کی تو ایک روح ہوتی ہے مگر حضرت مسیح کی دو روحیں تھیں۔ ایک انسان کی اور ایک خدا تعالیٰ کی۔ اور گویا حضرت مسیح کے جسم کی دو۲ روحیں مدبّر تھیں۔ مگر یہ امر سمجھ میں نہیں آ سکتا ایک جسم کے متعلق دو روحیں کیونکر ہو سکتی ہیں۔ اور اگر صرف خدا تعالیٰ کی روح تھی تو پھر حضرت مسیحؑ انسان بلکہ انسان کامل کن معنوں سے کہلا سکتے ہیں۔ کیا صرف جسم کے لحاظ سے انسان کہلاتے ہیں ..... جسم تو معرض تحلل میں ہے۔ چند سال میں اور ہی جسم ہو جاتا ہے۔ اور کوئی دانشمند جسم کے لحاظ سے کسی کو انسان نہیں کہہ سکتا جب تک روح انسانی اس میں داخل نہ ہو۔ پھر اگر حضرت مسیح درحقیقت روح انسانی رکھتے تھے اور وہی روح مدبر جسم تھی اور وہی روح مصلوب ہونے کے وقت بھی مصلوبی کے وقت نکلی اور ایلی ایلی کہکر حضرت مسیحؑ نے جان دی تو پھر روح خدائی کس حساب اور شمار میں آئی۔ یہ ہمیں سمجھ میں نہیں آتا اور نہ کوئی عقلمند سمجھ سکتا ہے۔ اگر درحقیقت روح کے لحاظ سے بھی حضرت مسیح انسان تھے تو پھر خدا نہ ہوئے۔ اور اگر روح کے لحاظ سے خدا تھے تو پھر انسان نہ ہوئے۔

(جنگ مقدس۔ روحانی خزائن جلد ۶ صفحہ ۱۹۵۔۱۹۶)

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں بعض عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی یہ خصوصیت پیش کی تھی کہ وہ بغیر باپ کے پیدا ہوئے ہیں تو فی الفور اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف کی اس آیت میں جواب دیا اِنَّ مَثَلَ عِیۡسٰی عِنۡدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَہٗ مِنۡ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَہٗ کُنۡ فَیَکُوۡنُ[2] یعنی "عیسیٰ کی مثال آدم کی مثال ہے۔ خدا نے اس کو مٹی سے پیدا کیا۔ پھر

1. عبداللہ آتھم (مرتب)
2. ال عمران : ٦٠ (مرتب)

اس کو کہا کہ ہو جا سو وہ ہو گیا۔" ایسا ہی عیسیٰ بن مریم ، مریم کے خون سے اور مریم کی منی سے پیدا ہوا اور پھر خدا نے کہا کہ ہو جا۔ سو ہو گیا۔ پس اتنی بات میں کونسی خدائی اور کونسی خصوصیت اس میں پیدا ہو گئی۔ موسم برسات میں ہزارہا کیڑے مکوڑے بغیر ماں اور باپ کے خود بخود زمین سے پیدا ہو جاتے ہیں۔ کوئی ان کو خدا نہیں ٹھہراتا۔

(براہین احمدیہ حصہ پنجم۔ روحانی خزائن جلد ۲۱ صفحہ ۵۰۔۵۱)

اور یہ کہنا کہ" بجز یسوع کسی دوسرے شخص کا گناہ سے پاک رہنا ممتنع ہے" یہ دعویٰ بلا دلیل ہے اس لئے قابل تسلیم نہیں۔ عیسائی خود قائل ہیں کہ ملک صدق سالم بھی جو مسیح سے بہت عرصہ پہلے گزر چکا ہے گناہ سے پاک تھا۔ پس پہلا حق خدا بننے کا اسکو حاصل تھا۔ ایسا ہی عیسائی لوگ فرشتوں کا بھی کوئی گناہ ثابت نہیں کر سکتے۔ پس وہ بھی بوجہ اولیٰ خدا بننے کے لئے استحقاق رکھتے ہیں۔

غرض جبکہ خدا بننے کا یہ قاعدہ ہے کہ کوئی بیگناہ ہو تو عقل تجویز کرتی ہے کہ جس طرح یسوع کیلئے یہ اتفاق پیش آ گیا کہ بقول عیسائیاں وہ ایک مدت تک گناہ نہ کر سکا یہ اتفاق دوسرے کیلئے بھی ممکن ہے۔ اور اگر ممکن نہیں تو کوئی دلیل اس بات پر قائم نہیں ہو سکتی کہ یسوع کے لئے کیوں ممکن ہو گیا اور دوسروں کیلئے کیوں غیر ممکن ہے۔

(کتاب البریہ۔ روحانی خزائن جلد ۱۳ صفحہ ۶۸۔۶۹)

حضرت مسیح علیہ السلام کے معجزات موسیٰ نبی کے معجزات سے کچھ بڑھ کر نہیں ہیں۔ اور ایلیا نبی کے نشانوں کا جب مسیح کے نشانوں سے مقابلہ کریں تو ایلیا کے معجزات کا پلہ بھاری معلوم ہوتا ہے۔ پس اگر معجزات سے کوئی خدا بن سکتا ہے تو یہ سب بزرگ خدائی کے مستحق ہیں۔

(لیکچر لاہور۔ روحانی خزائن جلد ۲۰ صفحہ ۱۶۴)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَ اُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ كَانَا يَاْكُلَانِ الطَّعَامَ[3] الجزو نمبر ۶ ع ۳ یعنی عیسیٰ مسیح ایک رسول ہے۔ پہلے اس سے سب رسول فوت

3. المائدہ :۷۶ (مرتب)

ہو چکے ہیں اور ماں اسکی ایک عورت راستباز تھی اور دونوں جب زندہ تھے روٹی کھایا کرتے تھے۔اس آیت میں اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خدائی کا ابطال کرتا ہے اور فرماتا ہے کہ پہلے اس سے سب رسول فوت ہو چکے ہیں اور پھر باوجود اسکے یہ خیال کہ مسیح زندہ آسمان پر بیٹھا ہے باطل ہے۔ پس کس طرح اس دلیل سے اس کی خدائی ثابت کی جاتی ہے؟ کیونکہ یہ دلیل ہی فاسد ہے بلکہ حق یہ ہے کہ موت نے کسی کو نہیں چھوڑا۔ سب مر گئے۔دوسری دلیل اسکی عبودیت پر یہ ہے کہ اسکی ماں تھی جس سے وہ پیدا ہوا۔ اور خدا کی کوئی ماں نہیں۔ تیسری دلیل اسکی عبودیت پر یہ ہے کہ جب وہ اور اسکی ماں زندہ تھے دونوں روٹی کھایا کرتے تھے اور خدا روٹی کھانے سے پاک ہے یعنی روٹی بدل مایتحلّل ہوتی ہے اور خدا اس سے بلند تر ہے کہ اس میں تحلیل پانے کی صفت ہو۔مگر مسیح روٹی کھاتا رہتا تھا۔ پس اگر وہ خدا ہے تو کیا خدا کا وجود بھی تحلیل پاتا رہتا ہے؟

(براہین احمدیہ حصہ پنجم۔ روحانی خزائن جلد ۲۱ صفحہ ۳۹۲)

تثلیث

یہ کہنا بیجا نہیں ہوگا کہ عیسائیوں کے یہ تین خدا بطور تین ممبر کمیٹی کے ہیں اور بزعم ان کے تینوں کی اتفاق رائے سے ہر ایک حکم نافذ ہوتا ہے یا کثرت رائے پر فیصلہ ہو جاتا ہے۔ گویا خدا کا کارخانہ بھی جمہوری سلطنت ہے اور گویا انکے گاڈ صاحب کو بھی شخصی سلطنت کی لیاقت نہیں۔ تمام مدار کونسل پر ہے۔

(انجام آتھم۔ روحانی خزائن جلد ۱۱ صفحہ ۳۶)

حضرات عیسائی صاحبان کا یہ عقیدہ ہے کہ باپ بھی کامل اور بیٹا بھی کامل روح القدس بھی کامل۔ اب جب تینوں کامل ہوئے تو ان تینوں کے ملنے سے اکمل ہونا چاہئے۔ کیونکہ مثلاً جب تین چیزیں تین تین سیر فرض کی جائیں تو وہ سب ملکر ۹ سیر ہونگی۔

(جنگ مقدس۔ روحانی خزائن جلد ۶ صفحہ ۱۹۶)

جبکہ یہ تینوں شخص اور تینوں کامل اور تینوں میں ارادہ کرنے کی صفت موجود ہے۔ اَب ارادہ

کرنے والا ، ابن ارادہ کرنیوالا ، روح القدس ارادہ کرنے والا۔ تو پھر ہمیں سمجھاؤ کہ باوجود اس حقیقی تفریق کے اتحاد ماہیت کیونکر؟

(جنگ مقدس۔ روحانی خزائن جلد ۶ صفحہ ۲۷۸)

جس حالت میں تین اقنوم صفات کاملہ میں برابر درجہ کے ہیں تو ایک کامل اقنوم کے موجود ہونے کے ساتھ جو جمیع صفات کاملہ پر محیط ہے اور کوئی حالت منتظرہ باقی نہیں ، کیوں دوسرے اقنوموں کی ضرورت ہے۔

(جنگ مقدس۔ روحانی خزائن جلد ۶ صفحہ ۲۱۱)

رہے عیسائی۔ سو ان کا یہ حال ہے کہ وہ صریح توحید کے برخلاف عقیدہ[4] رکھتے ہیں یعنی وہ تین خدا مانتے ہیں یعنی باپ۔ بیٹا۔ روح القدس۔ اور یہ جواب ان کا سراسر فضول ہے کہ ہم تین کو ایک جانتے ہیں۔ ایسے بیہودہ جواب کو کوئی عاقل تسلیم نہیں کر سکتا۔ جبکہ یہ تینوں خدا مستقل طور پر علیحدہ علیحدہ وجود رکھتے ہیں اور علیحدہ علیحدہ پورے خدا ہیں تو وہ کونسا حساب ہے جس کے رو سے وہ ایک ہو سکتے ہیں۔ اس قسم کا حساب کس سکول یا کالج میں پڑھایا جاتا

---

4. وہ اعتقاد جو قرآن شریف نے سکھایا ہے یہ ہے کہ جیسا کہ خدا نے ارواح کو پیدا کیا ہے ایسا ہی وہ اُن کے معدوم کرنے پر بھی قادر ہے۔ اور انسانی رُوح اس کی موہبت اور فضل سے ابدی حیات پاتی ہے۔ نہ اپنی ذاتی قوت سے۔ یہی وجہ ہے کہ جو لوگ اپنے خدا کی پوری محبت اور پوری اطاعت اختیار کرتے ہیں اور پورے صدق اور وفاداری سے اُس کے آستانہ پر جھکتے ہیں اُن کو خاص طور پر ایک کامل زندگی بخشی جاتی ہے اور ان کے فطرتی حواس میں بھی بہت تیزی عطا کی جاتی ہے۔ اور ان کی فطرت کو ایک نور بخشا جاتا ہے جس نور کی وجہ سے ایک فوق العادت روحانیت اُن میں جوش مارتی ہے اور تمام روحانی طاقتیں جو دنیا میں وہ رکھتے تھے موت کے بعد بہت وسیع کی جاتی ہیں اور نیز مرنے کے بعد وہ اپنی خداداد مناسبت کی وجہ سے جو حضرت عزّت سے رکھتے ہیں آسمان پر اُٹھائے جاتے ہیں جس کو شریعت کی اصطلاح میں رفع کہتے ہیں۔ لیکن جو مومن نہیں ہیں اور جو خدا تعالیٰ سے صاف تعلقات نہیں رکھتے ۔ یہ زندگی ان کو نہیں ملتی اور نہ یہ صفات ان کو حاصل ہوتے ہیں۔ اس لئے وہ لوگ مُردہ کے حکم میں ہوتے ہیں۔ پس اگر خدا تعالیٰ رُوحوں کا پیدا کرنے والا نہ ہوتا تو وہ اپنے قادرانہ تصرف سے مومن اور غیر مومن میں یہ فرق دکھلا نہ سکتا۔ منہ

ہے۔ کیا کوئی منطق یا فلاسفی سمجھا سکتی ہے کہ ایسے مستقل تین ایک کیونکر ہو گئے۔ اور اگر کہو کہ یہ راز ہے کہ جو انسانی عقل سے برتر ہے تو یہ دھوکا دہی ہے۔ کیونکہ انسانی عقل خوب جانتی ہے کہ اگر تین کو تین کامل خدا کہا گیا تو تین کامل کو بہر حال تین۳ کہنا پڑے گا نہ ایک۔اوراس تثلیث کے عقیدہ کو نہ صرف قرآن شریف رد کرتا ہے بلکہ توریت بھی رد کرتی ہے کیونکہ وہ توریت جو موسیٰ کو دی گئی تھی اس میں اس تثلیث کا کچھ بھی ذکر نہیں۔

(چشمہ مسیحی۔ روحانی خزائن جلد ۲۰ صفحہ ۳۷۲۔۳۷۳)

تینوں مجسم خدا عیسائیوں کے زعم میں ہمیشہ کیلئے مجسم اور ہمیشہ کیلئے علیحدہ علیحدہ وجود رکھتے ہیں اور پھر بھی یہ تینوں ملکر ایک خدا ہے۔ لیکن اگر کوئی بتلا سکتا ہے تو ہمیں بتلاوے کہ باوجود اس دائمی تجسم اور تغیر کے یہ تینوں ایک کیونکر ہیں۔ بھلا ہمیں کوئی ڈاکٹر مارٹن کلارک اور پادری عمادالدین اور پادری ٹھاکر داس کو باوجود ان کے علیحدہ علیحدہ جسم کے ایک کر کے تو دکھلاوے۔ ہم دعوے سے کہتے ہیں کہ اگر تینوں کو کوٹ کر بھی بعض کا گوشت بعض کے ساتھ ملا دیا جاوے پھر بھی جن کو خدا نے تین بنایا تھا ہرگز ایک نہیں ہوسکیں گے۔ پھر جبکہ اس فانی جسم کے حیوان باوجود امکان تحلیل اور تفرق جسم کے ایک نہیں ہو سکتے پھر ایسے تین مجسم جن میں بموجب عقیدہ عیسائیاں تحلیل اور تفریق جائز نہیں کیونکر ایک ہو سکتے ہیں۔

(انجام آتھم۔ روحانی خزائن جلد ۱۱ صفحہ ۳۶)

ہم عیسائیوں سے پوچھتے ہیں کہ اگر واقعی تثلیث کی تعلیم حق تھی اور نجات کا یہی اصل ذریعہ تھا تو پھر کیا اندھیر مچا ہوا ہے کہ توریت میں اس تعلیم کا کوئی نشان نہیں ملتا۔

(ملفوظات جلد دوم۔ جدید ایڈیشن صفحہ ۷۴)

حضرت مسیحؑ نے کسی جگہ تثلیث کی تعلیم نہیں دی اور وہ جب تک زندہ رہے خدائے واحد لاشریک کی تعلیم دیتے رہے۔

(چشمہ مسیحی۔ روحانی خزائن جلد ۲۰ صفحہ ۳۷۴)

عیسائی صاحبان اس بات کے اقراری ہیں کہ ان کے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی کامل

خدا ہیں جن کے اندر چار روحیں موجود ہیں۔ ایک[1] بیٹے کی، دوسرے[2] باپ کی، تیسری[3] روح القدس کی چوتھی[4] انسان کی۔ اور یہ مربع خدا ہمیشہ کے لئے مربع ہوگا بلکہ اسکو مخمس کہیں تو بجا ہے کیونکہ اس کے ساتھ جسم بھی ہمیشہ ہی رہے گا..... پھر دوسرا تعجب یہ ہے کہ اس تخمیس کا نام تثلیث کیوں رکھا گیا ہے۔ جبکہ بموجب عیسائی عقیدہ کے چاروں روحیں مسیح کے جسم میں ابدی اور غیر فانی ہیں اور ہمیشہ رہیں گی اور انسانی روح بھی بباعث غیر فانی ہونے کے اس مجموعہ سے کبھی الگ نہیں ہوگی اور نہ کبھی جسم الگ ہوگا تو پھر یہ تو تخمیس ہوئی نہ تثلیث۔ اب ظاہر ہے کہ واضعان تثلیث سے یہ ایک بڑی ہی غلطی ہوئی ہے جو انہوں نے تخمیس کو تثلیث سمجھ لیا۔ مگر اب بھی یہ غلطی درست ہوسکتی ہے۔ اور جیسا کہ گذشتہ دنوں میں تثلیث کے لفظ کی نسبت ثالوث تجویز کیا گیا تھا اب بجائے ثالوث کے تخمیس تجویز ہوسکتی ہے۔ غلطی کی اصلاح ضروری ہے۔ مگر افسوس کہ اس پانچ پہلو والے خدا کی کچھ نہ کچھ مرمت ہی ہوتی رہتی ہے۔

(نسیم دعوت۔ روحانی خزائن جلد ۱۹ صفحہ ۳۷۶۔۳۷۸)

کیا یہ بات سوچنے کے لائق نہیں کہ عیسائیوں میں قدیم سے ایک فرقہ موحد بھی ہے جو قرآن شریف کے وقت میں بھی موجود تھا۔ اور وہ فرقہ بڑے زور سے اس بات کا ثبوت دیتا ہے کہ تثلیث کا گندہ مسئلہ صرف تیسری صدی کے بعد نکلا ہے۔ اور اب بھی اس فرقہ کے لاکھوں انسان یورپ اور امریکہ میں موجود ہیں اور ہزارہا کتابیں انکی شائع ہورہی ہیں۔

(انجام آتھم۔ روحانی خزائن جلد ۱۱ صفحہ ۴۲)

اگر باپ بیٹے روح القدس کی تعلیم جو دوسرے لفظوں میں تثلیث کہلاتی ہے بنی اسرائیل کو دی جاتی تو کوئی وجہ نہ تھی کہ وہ سب کے سب اسکو بھول جاتے۔

(انجام آتھم۔ روحانی خزائن جلد ۱۱ صفحہ ۵)

کفارہ

نجات پانے کیلئے ایک نئی تجویز نکالی گئی ہے اور ایک نیا نسخہ تجویز کیا گیا ہے جو تمام جہان کے اصول سے نرالا اور سراسر عقل اور انصاف اور رحم سے مخالف ہے اور وہ یہ ہے کہ بیان

کیا جاتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے تمام جہان کے گناہ اپنے ذمہ لیکر صلیب پر مرنا منظور کیا تا اُن کی اس موت سے دوسروں کی رہائی ہو اور خدا نے اپنے بیگناہ بیٹے کو مارا تا گنہگاروں کو بچا وے۔ لیکن ہمیں کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس قسم کی مظلومانہ موت سے دوسروں کے دل گناہ کی پلید خصلت سے کیونکر صاف اور پاک ہو سکتے ہیں اور کیونکر ایک بیگناہ کے قتل ہونے سے دوسروں کو گزشتہ گناہوں کی معافی کی سند مل سکتی ہے۔ بلکہ اس طریق میں انصاف اور رحم دونوں کا خون ہے۔ کیونکہ گنہگار کے عوض میں بے گناہ کو پکڑنا خلاف انصاف ہے اور نیز بیٹے کو اس طرح ناحق سخت دلی سے قتل کرنا خلاف رحم ہے۔

(لیکچر لاہور۔ روحانی خزائن جلد۲۰ صفحہ۱۶۳)

عیسائیوں کا یہ اصول کہ خدا نے دنیا سے پیار کر کے دنیا کو نجات دینے کے لئے یہ انتظام کیا کہ نافرمانوں اور کافروں اور بدکاروں کا گناہ اپنے پیارے بیٹے یسوع پر ڈال دیا اور دنیا کو گناہ سے چھوڑانے کیلئے اسکو لعنتی بنایا اور لعنت کی لکڑی سے لٹکایا، یہ اصول ہر ایک پہلو سے فاسد اور قابل شرم ہے۔ اگر میزان عدل کے لحاظ سے اسکو جانچا جائے تو صریح یہ بات ظلم کی صورت میں ہے کہ زید کا گناہ بکر پر ڈال دیا جائے۔ انسانی کانشنس اس بات کو ہرگز پسند نہیں کرتا کہ ایک مجرم کو چھوڑ کر اُس مجرم کی سزا غیر مجرم کو دی جائے۔ اور اگر روحانی فلاسفی کے رو سے گناہ کی حقیقت پر غور کی جائے تو اس تحقیق کے رو سے بھی یہ عقیدہ فاسد ٹھہرتا ہے کیونکہ گناہ درحقیقت ایک ایسا زہر ہے جو اس وقت پیدا ہوتا ہے کہ جب انسان خدا کی اطاعت اور خدا کی پرجوش محبت اور محبانہ یاد الٰہی سے محروم اور بے نصیب ہو ....غرض گناہ کی فلاسفی یہی ہے کہ وہ خدا سے جدا ہو کر پیدا ہوتا ہے لہٰذا اُس کا دور کرنا خدا کے تعلق سے وابستہ ہے۔ پس وہ کیسے نادان لوگ ہیں جو کسی کی خودکشی کو گناہ کا علاج کہتے ہیں۔ یہ ہنسی کی بات ہے کہ کوئی شخص دوسرے کے سردرد پر رحم کر کے اپنے سر پر پتھر مارلے یا دوسرے کے بچانے کے خیال سے خودکشی کر لے۔

(سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کا جواب۔ روحانی خزائن جلد۱۲ صفحہ ۳۲۸۔۳۳۰)

لعنت کے معنوں کیلئے عبرانی یا عربی کے لغات نکال کر دیکھ لو کہ ملعون کسے کہتے ہیں۔ لغت کی کتابوں میں صاف لکھا ہوا ہے کہ لعین شیطان کا نام ہے اور ملعون وہ شخص ہوتا ہے جس کا خدا سے کوئی تعلق نہ ہو اور وہ خدا سے دور ہو۔ اب عیسائیوں نے بالاتفاق اپنے عقیدہ میں داخل کر لیا ہے کہ مسیح ہمارے بدلے لعنتی ہوا۔ چنانچہ تین دن کیلئے اسے ہاویہ میں بھی رکھتے ہیں۔ اب یہ لعنتی قربانی جو ان کے عقیدہ کے موافق ہوئی نجات سے کیا تعلق اس کا ہوا۔

(ملفوظات جلد دوم۔ جدید ایڈیشن صفحہ ۷۸۔۷۹)

اگر ہم عیسائیوں کے اس اصول کو لعنت کے مفہوم کے رو سے جانچیں جو مسیح کی نسبت تجویز کی گئی ہے تو نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اس اصول کو قائم کر کے عیسائیوں نے یسوع مسیح کی وہ بے ادبی کی ہے جو دنیا میں کسی قوم نے اپنے رسول یا نبی کی نہیں کی ہو گی۔ کیونکہ یسوع کا لعنتی ہو جانا گو وہ تین دن کیلئے ہی سہی، عیسائیوں کے عقیدہ میں داخل ہے۔ اور اگر یسوع کو لعنتی نہ بنایا جائے تو مسیحی عقیدہ کے رو سے کفارہ اور قربانی وغیرہ سب باطل ہو جاتے ہیں گویا اس تمام عقیدہ کا شہتیر لعنت ہی ہے۔

(سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کا جواب۔ روحانی خزائن جلد۱۲ صفحہ ۳۳۱)

عیسائیوں نے خدا کو تو ظالم جانا اور بیٹے کو رحیم کہ باپ تو گناہ نہ بخشے اور بیٹا جان دے کر بخشوائے۔ بڑی بیوقوفی ہے کہ باپ بیٹے میں اتنا فرق ہو۔ والد مولود میں مناسبت اخلاق، عادات کی ہوا کرتی ہے (مگر یہاں تو بالکل ندارد)۔ اگر اللہ رحیم نہ ہوتا تو انسان کا ایک دم گزارہ نہ ہوتا۔

(ملفوظات جلد اول۔ جدید ایڈیشن صفحہ۲)

اگر کوئی کہے کہ وہ کفارہ ہونے کے واسطے آئے تھے، اس لئے یہ دعا قبول نہیں ہوئی ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ جب ان کو معلوم تھا کہ وہ کفارہ کے لئے آئے ہیں پھر اس قدر بزدلی کے کیا معنی ہیں۔ اگر ایک افسر طاعون کی ڈیوٹی پر بھیجا جائے اور وہ کہدے کہ یہاں خطرے کا محل ہے مجھے فلاں جگہ بھیج دو تو کیا وہ احمق نہ سمجھا جائے گا۔ جبکہ مسیح کو معلوم تھا کہ وہ صرف کفارہ

ہی ہونے کو بھیجے گئے ہیں تو اس قدر لمبی دعاؤں کی کیا ضرورت تھی؟ ابھی کیا کفارہ زیر تجویز امر تھا یا ایک مقرر شدہ امر تھا۔

(ملفوظات جلد اول۔ جدید ایڈیشن صفحہ ۳۳۲)

کفارہ نے کیا بنایا۔ علمی دلائل کو چھوڑ دیا جاوے تو بھی دیکھو کہ حواریوں کی نہ تو علمی اصلاح ہوئی اور نہ عملی۔ علمی اصلاح کے لئے تو انجیل نے خود فیصلہ کر دیا کہ وہ موٹی عقل والے تھے اور کم فہم اور لالچی تھے۔ اور عملی اصلاح کا خاکہ بھی انجیل ہی نے کھینچ کر دکھلا دیا کہ کوئی لعنتیں بھیجتا ہے اور کوئی تیس ۳۰ روپے پر پکڑواتا ہے۔ اور کیا کچھ گناہ کے آثار۔ تاریکی اور ظلمت تو اس دنیا ہی میں شروع ہو جاتی ہے۔ جیسے فرمایا مَنْ كَانَ فِیْ هٰذِهٖۤ اَعْمٰی فَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ اَعْمٰی ۔ (بنی اسرائیل :۷۳) اب یسوع کے شاگردوں کو دیکھو کہ کیا ان کی حالت میں تبدیلی ہوئی۔ گناہ کے دور ہونے سے تو ایک قسم کی بصیرت اور روشنی پیدا ہوتی ہے، مگر ان میں کہاں۔ پھر کفارہ نے کیا بنایا؟

(ملفوظات جلد اول۔ جدید ایڈیشن صفحہ ۱۸۰)

جس غرض کیلئے خودکشی اختیار کی گئی وہ غرض بھی تو پوری نہ ہوئی[5] غرض تو یہ تھی کہ یسوع کو ماننے والے گناہ اور دنیا پرستی اور دنیا کے لالچوں سے باز آ جائیں مگر نتیجہ برعکس ہوا۔ اس

---

5. افسوس کہ قرون ثلاثہ کے بعض مسلمانوں کے فرقوں کا یہ مذہب ہو گیا کہ گویا حضرت عیسیٰ علیہ السلام صلیب سے محفوظ رہ کر آسمان پر زندہ چلے گئے اور ابتک وہیں زندہ مع جسم عنصری بیٹھے ہیں اُن پر موت نہیں آئی اور اس طرح پر ان نادان مسلمانوں نے عیسائی مذہب کو بڑی مدد دی ہے۔ اور کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ کی موت کا قرآن میں کہیں ذکر نہیں حالانکہ قرآن شریف کے کئی مقامات میں بتصریح ان کی موت کا ذکر ہے۔ مثلاً آیت فلمّا توفّیتنی ☆ کیسی صاف تصریح سے انکی موت پر دلالت کرتی ہے۔ اور کہتے ہیں کہ آیت ما قتلوہ وما صلبوہ × حضرت عیسیٰ کی حیات پر دلالت کرتی ہے۔ ان کی ایسی سمجھ پر رونا آتا ہے۔ کیا جو شخص مصلوب نہیں ہوتا وُہ مرتا نہیں؟ میں نے بار بار بیان کیا ہے کہ قرآن شریف میں نفی صلیب اور رفع عیسیٰ کا ذکر اس لئے نہیں کہ خدا تعالیٰ حضرت عیسیٰ کی حیات ثابت کرے بلکہ اس لئے یہ ذکر ہے کہ تا یہ ثابت کرے کہ عیسیٰ لعنتی موت سے نہیں مرا۔ اور مومنوں کی طرح اس کا رفع روحانی ہوا ہے اِس میں یہود کا ردّ مقصود ہے کیونکہ وُہ اُن کے رفع ہونے کے منکر ہیں۔ منہ

☆ المآئدہ: ۱۱۸ (مرتب) × النسآء: ۱۵۸ (مرتب)

خودکشی سے پہلے تو کسی قدر یسوع کے ماننے والے رو بخدا بھی تھے مگر بعد اس کے جیسے جیسے خودکشی اور کفارہ کے عقیدہ پر زور دیا گیا اسی قدر دنیا پرستی اور دنیا کے لالچ اور دنیا کی خواہش اور شراب خواری اور قمار بازی اور بدنظری اور ناجائز تعلقات عیسائی قوم میں بڑھ گئے کہ جیسے ایک خونخوار اور تیز رو دریا پر جو ایک بند لگایا گیا تھا وہ بند یکدفعہ ٹوٹ جائے اور اردگرد کے تمام دیہات اور زمین کو تباہ کر دے۔

(حقیقۃ الوحی۔ روحانی خزائن جلد۲۲ صفحہ ۶۱۔۶۲)

تعجب کی بات ہے کہ عیسائی جب کفارہ کا اصول بیان کرتے ہیں تو اپنی تقریر کو خدا تعالیٰ کے رحم اور عدل سے شروع کیا کرتے ہیں۔ مگر مَیں پوچھتا ہوں کہ جب زیدؔ کے بدلے پھانسی بکرؔ کو ملی تو یہ کونسا انصاف اور رحم ہے۔ جب یہ اصول قرار دیدیا کہ سب گناہ اس نے اٹھا لئے ، پھر گناہ نہ کرنے کے لئے کونسا امر مانع ہوسکتا ہے۔ اگر یہ ہدایت ہوتی کہ اس وقت کے گناہ گار عیسائیوں کے لئے کفارہ ہوئے ہیں تو یہ اور بات تھی مگر جب یہ مان لیا گیا ہے کہ قیامت تک پیدا ہونے والوں کے گناہوں کی گٹھڑی یسوع اٹھا کر لے گیا اوراس نے سزا بھی اٹھا لی پھر گنہگار کو پکڑنا کس قدر ظلم ہے۔ اول تو بے گناہ کو گنہگار کے بدلے سزا دینا ہی ظلم ہے اور پھر دوسرا ظلم یہ ہے کہ اول گنہگاروں کے گناہوں کی گٹھڑی یسوع کے سر پر رکھ دی اور گنہگاروں کو مژدہ سنا دیا کہ تمہارے گناہ اس نے اٹھا لئے اور پھر وہ گناہ کریں، تو پکڑے جاویں۔ یہ عجیب دھوکا ہے جس کا جواب عیسائی کبھی نہیں دے سکیں گے۔

اگر کوئی یہ کہے کہ کفارہ پر ایمان لانے سے انسان گناہ کی زندگی سے نجات پا سکتا ہے اور گناہ کی قوت اس میں نہیں رہتی، تو یہ ایک ایسی بات ہے جس کا کوئی ثبوت نہیں ہے، اس لئے کہ یہ اصول ہی اپنی جڑھ میں گناہ رکھتا ہے۔ گناہ سے بچنے کی قوت پیدا ہوتی ہے مؤاخذہ الٰہی کے خوف سے ، لیکن وہ مواخذہ کا خوف کیونکر ہوسکتا ہے جبکہ یہ مان لیا جاوے کہ ہمارے گناہ یسوع نے اٹھا لئے۔

(ملفوظات جلد اول۔ جدید ایڈیشن صفحہ ۱۱۲)

قرآن کوئی لعنتی قربانی پیش نہیں کرتا بلکہ ہرگز جائز نہیں رکھتا کہ ایک کا گناہ یا ایک کی لعنت کسی دوسرے پر ڈالی جائے۔ چہ جائیکہ کروڑہا لوگوں کی لعنتیں اکٹھی کر کے ایک کے گلے میں ڈال دی جائیں۔قرآن شریف صاف فرماتا ہے کہ لَاتَـزِرُ وَازِرَۃٌ وِّزْرَ اُخْرٰی [6] یعنی ایک کا بوجھ دوسرا نہیں اٹھائے گا۔

(سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کا جواب۔روحانی خزائن جلد ۱۲ صفحہ ۳۲۷۔۳۲۸)

مسیح کا اپنی امت کی نجات کیلئے مصلوب ہونا اور امت کا گناہ ان پر ڈالے جانا ایک ایسا مہمل عقیدہ ہے جو عقل سے ہزاروں کوس دور ہے۔ خدا کی صفات عدل اور انصاف سے یہ بہت بعید ہے کہ گناہ کوئی کرے اور سزا کسی دوسرے کو دی جائے۔

(لیکچر سیالکوٹ۔ روحانی خزائن جلد ۲۰ صفحہ ۲۳۶)

جس فدیہ کو عیسائی پیش کرتے ہیں وہ خدا کے قدیم قانون قدرت کے بالکل مخالف ہے۔ کیونکہ قانون قدرت میں کوئی اس بات کی نظیر نہیں کہ ادنیٰ بچانے کیلئے اعلیٰ کو مارا جائے۔ ہمارے سامنے خدا کا قانون قدرت ہے۔ اس پر نظر ڈالنے سے ثابت ہوتا ہے کہ ہمیشہ ادنیٰ اعلیٰ کی حفاظت کیلئے مارے جاتے ہیں۔ چنانچہ جس قدر دنیا میں جانور ہیں یہانتک کہ پانی کے کیڑے وہ سب انسان کے بچانے کیلئے جو اشرف المخلوقات ہے کام میں آ رہے ہیں۔ پھر یسوع کے خون کا فدیہ کسقدر اس قانون کے مخالف ہے جو صاف صاف نظر آ رہا ہے اور ہر ایک عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ جو زیادہ قابل قدر اور پیارا ہے اسی کے بچانے کیلئے ادنیٰ کو اس اعلیٰ پر قربان کیا جاتا ہے۔چنانچہ خدا تعالیٰ نے انسان کی جان بچانے کیلئے کروڑہا حیوانوں کو بطور فدیہ کے دیا ہے اور ہم تمام انسان بھی فطرتاً ایسا ہی کرنیکی طرف راغب ہیں۔تو پھر خود سوچ لو کہ عیسائیوں کا فدیہ خدا کے قانون قدرت سے کس قدر دور پڑا ہوا ہے۔

(کتاب البریہ۔ روحانی خزائن ۱۳ جلد صفحہ ۷۷)

دوسرے کی نجات کے لئے خودکشی کرنا خود گناہ ہے اور مَیں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہہ سکتا

---

6. بنی اسرائیل: ۱۶ (مرتب)

ہوں کہ ہرگز مسیح نے اپنی رضا مندی سے صلیب کو منظور نہیں کیا۔ بلکہ شریر یہودیوں نے جو چاہا اس سے کیا اور مسیح نے صلیبی موت سے بچنے کے لئے باغ میں ساری رات دعا کی اور اس کے آنسو جاری ہو گئے۔ تب خدا نے بباعث اس کے تقوٰے کے اس کی دعا قبول کی اور اس کو صلیبی موت سے بچا لیا جیسا کہ خود انجیل میں بھی لکھا ہے۔ پس یہ کیسی تہمت ہے کہ مسیح نے اپنی رضا مندی سے خودکشی کی۔

(لیکچر لاہور۔ روحانی خزائن جلد ۲۰ صفحہ ۱۶۵)

اگر خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں انسانوں کی نجات کے لئے صرف یہی ایک ذریعہ تھا کہ اس کا ایک بیٹا ہو اور وہ تمام گنہگاروں کی لعنت کو اپنے ذمہ لے لے اور پھر لعنتی قربانی بنکر صلیب پر کھینچا جائے تو یہ امر ضروری تھا کہ یہودیوں کیلئے توریت اور دوسری کتابوں میں جو یہودیوں کے ہاتھ میں ہیں اس لعنتی قربانی کا ذکر کیا جاتا۔ کیونکہ کوئی عقلمند اس بات کو باور نہیں کر سکتا کہ خدا کا وہ ازلی ابدی قانون جو انسانوں کی نجات کیلئے اس نے مقرر کر رکھا ہے ہمیشہ بدلتا رہے۔ اور توریت کے زمانہ میں کوئی اور ہو اور انجیل کے زمانہ میں کوئی اور۔ قرآن کے زمانہ میں کوئی اور ہو اور دوسرے نبی جو دنیا کے اور حصوں میں آئے ان کیلئے کوئی اور ہو۔ اب ہم جب تحقیق اور تفتیش کی نظر سے دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ توریت اور یہودیوں کی تمام کتابوں میں اس لعنتی قربانی کی تعلیم نہیں ہے۔

(سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کا جواب۔ روحانی خزائن جلد ۱۲ صفحہ ۳۳۳۔۳۳۴)

عہد نامہ قدیم وعہد نامہ جدید

ایک اور اعتراض متی وغیرہ انجیلوں پر ہے جو ہم نے بار بار پیش کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ ان تحریرات کا الہامی ہونا ہرگز ثابت نہیں۔ کیونکہ ان کے لکھنے والوں نے کسی جگہ یہ دعویٰ نہیں کیا کہ یہ کتابیں الہام سے لکھی گئی ہیں۔ بلکہ بعض نے ان میں سے صاف اقرار بھی کر دیا ہے کہ یہ کتابیں محض انسانی تالیف ہیں۔ سچ ہے کہ قرآن شریف میں انجیل کے نام پر ایک کتاب حضرت عیسیٰ پر نازل ہونے کی تصدیق ہے مگر قرآن شریف میں ہرگز یہ نہیں ہے کہ کوئی الہام متی یا یوحنا وغیرہ کو بھی ہوا ہے اور وہ الہام انجیل کہلاتا ہے۔ اس لئے مسلمان لوگ کسی طرح ان کتابوں کو خدا تعالیٰ کی کتابیں تسلیم نہیں کر سکتے۔ ان ہی انجیلوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیحؑ خدا تعالیٰ سے الہام پاتے تھے اور اپنے الہامات کا نام انجیل رکھتے تھے۔ پس عیسائیوں پر لازم ہے کہ وہ انجیل پیش کریں۔ تعجب کہ یہ لوگ اس کا نام بھی نہیں لیتے۔ پس وجہ یہی ہے کہ اس کو یہ لوگ کھو بیٹھے ہیں۔

(کتاب البریہ۔ روحانی خزائن جلد ۱۳ صفحہ ۷۶)

انجیلوں میں بہت سی باتیں ایسی بھری پڑی ہیں کہ وہ بتلا رہی ہیں کہ یہ انجیلیں اپنی اصلی حالت پر قائم نہیں رہیں یا انکے بنانیوالے کوئی اور ہیں، حواری اور انکے شاگرد نہیں ہیں۔ مثلاً انجیل متی کا یہ قول ’’اور یہ بات آج تک یہودیوں میں مشہور ہے‘‘ کیا اس کا لکھنے والا متی کو قرار دینا صحیح اور مناسب ہوسکتا ہے؟ کیا اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ اس انجیل متی کا لکھنے والا کوئی اور شخص ہے جو متی کی وفات کے بعد گزرا ہے۔ پھر اسی انجیل متی باب ۲۸ آیت ۱۲ و ۱۳ میں ہے ’’تب انہوں نے یعنی یہودیوں نے بزرگوں کے ساتھ اکٹھے ہو کر صلاح کی اور ان پہرہ والوں کو بہت روپے دیئے اور کہا تم کہو کہ رات کو جب ہم سوتے تھے اسکے شاگرد یعنی مسیح کے شاگرد آ کر اسے چرا کر لے گئے‘‘ دیکھو یہ کیسی کچی اور نامعقول باتیں ہیں۔ اگر

اس سے مطلب یہ ہے کہ یہودی اس بات کو پوشیدہ کرنا چاہتے تھے کہ یسوع مُردوں میں سے جی اٹھا ہے اسلئے انہوں نے پہرہ والوں کو رشوت دی تھی کہ تا عظیم الشان معجزہ ان کی قوم میں مشہور نہ ہو تو کیوں یسوع نے جس کا یہ فرض تھا کہ اپنے اس معجزہ کی یہودیوں میں اشاعت کرتا اس کو مخفی رکھا بلکہ دوسروں کو بھی اسکے ظاہر کرنے سے منع کیا۔

(مسیح ہندوستان میں۔ روحانی خزائن جلد ۱۵ صفحہ ۴۸)

موجودہ اناجیل کے اصلی نہ ہونے کے لئے ایک بڑی بھاری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہر ایک نبی کو ہم اس کی قوم کی زبان میں اس کی طرف بھیجتے ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ یہود کی زبان عبرانی تھی حالانکہ عبرانی میں اس وقت کوئی انجیل اصلی نہیں ملتی ، بلکہ اصل یونانی کو قرار دیا جاتا ہے جو کہ سنت اللہ کے برخلاف ہے۔

(ملفوظات جلد اول۔ جدید ایڈیشن صفحہ ۵۲۴)

بہت سی انجیلوں میں سے یہ چار انجیلیں انتخاب کی گئی ہیں جن کو بعض یونانیوں نے حضرت مسیحؑ سے بہت پیچھے بنا کر حضرت مسیحؑ کی طرف منسوب کر دیا۔ اور کوئی عبرانی انجیل عیسائیوں کے پاس موجود نہیں ہے۔ اور ناحق افتراء کے طور پر حضرت مسیح کو ایک یونانی آدمی تصور کر لیا ہے۔ حالانکہ حضرت مسیحؑ کی مادری بولی عبرانی تھی۔ کوئی ثابت نہیں کر سکتا کہ کبھی حضرت مسیح نے ایک فقرہ یونانی کا بھی کسی سے پڑھا تھا اور نہ حواریوں نے جو اُمّی محض تھے کسی مکتب میں یونانی سیکھی بلکہ وہ ہمیشہ ماہی گیروں کے کام کرتے رہے۔ اب چونکہ عیسائیوں کو یہ سخت مصیبت پیش آئی کہ کوئی عبرانی انجیل موجود نہیں صرف قریباً ساٹھ انجیلیں یونانی میں ہیں جو باہم متناقص ہیں جن میں سے یہ چار چن لی گئیں جو وہ بھی باہم مخالفت رکھتی ہیں بلکہ ہر ایک انجیل اپنی ذات میں بھی مجموعہ تناقضات ہے۔ ان مشکلات کے لحاظ سے یونانی کو اصل زبان ٹھہرایا گیا ہے۔ لیکن یہ اس قدر بیہودہ بات ہے کہ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ان پادری صاحبوں نے کس قدر جھوٹ اور جعلسازی پر کمر باندھی ہے۔ حضرت مسیحؑ کے وقت

میں رومی سلطنت تھی اور گورنمنٹ کی لاطینی زبان تھی۔ اور حضرت مسیحؑ کو چونکہ گورنمنٹ سے کوئی تعلق ملازمت نہ تھا اور نہ ریاست اور جاہ طلبی کی خواہش تھی اس لئے انہوں نے لاطینی کو بھی نہیں سیکھا۔ وہ ایک مسکین اور عاجز اور غریب طبع اور سادہ وضع انسان تھا۔ اسکو وہی بولی یاد تھی جو ناصرہ میں اپنی ماں سے سیکھی تھی یعنی عبرانی جو یہودیوں کی قومی بولی ہے۔ اور اسی بولی میں توریت وغیرہ خدا کی کتابیں تھیں۔[1] غرض یہ چاروں انجیلیں جو یونانی سے ترجمہ ہوکر اس ملک میں پھیلائی جاتی ہیں۔ایک ذرہ قابل اعتبار نہیں۔

(تریاق القلوب۔ روحانی خزائن جلد ۱۵ صفحہ ۱۴۱۔۱۴۲)

جب اصل انجیل ہی انکے ہاتھ میں نہیں ہے تو کیوں یہ امر قرین قیاس نہ مانا جائے کہ اس میں تحریف کی گئی ہے کیونکہ مسیح اور اس کی ماں کی زبان عبرانی تھی۔ جس ملک میں رہتے تھے وہاں عبرانی بولی جاتی تھی۔ صلیب کی آخری ساعت میں مسیح کے منہ سے جو کچھ نکلا وہ عبرانی تھا۔ یعنی ایلی ایلی لما سبقتانی۔ اب بتاؤ کہ جب اصل انجیل ہی کا پتہ ندارد ہے تو اس ترجمہ پر کیا دوسرے کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ کہے اصل انجیل پیش کرو۔ اس صورت میں تو عیسائی یہودیوں سے بھی گر گئے کیونکہ انہوں نے اپنی اصل کتاب کو تو گم نہیں کیا۔
پھر انجیل میں مسیح نے کہا ہے کہ ''میری انجیل'' اب اس لفظ پر غور کرنے سے بھی صاف معلوم ہوتا ہے کہ اصل مسوّدہ انجیل کا کوئی مسیح نے بھی لکھا ہو۔ اور یہ تو نبی کا فرض ہوتا ہے کہ وہ خدا کی وحی کو محفوظ کرے اور اس کی حفاظت کا کام دوسروں پر نہ ڈالے کہ وہ جو چاہیں سو لکھ لیں۔

(ملفوظات جلد دوم۔ جدید ایڈیشن صفحہ ۱۰۲)

پادری صاحبان کا ایک بڑا محقق شمکّر نام کہتا ہے کہ یوحنا کی انجیل کے سوا باقی تینوں انجیلیں جعلی ہیں۔ اور مشہور فاضل ڈاڈویل اپنی تحقیقات کے بعد لکھتا ہے کہ دوسری صدی کے وسط تک ان موجودہ چار انجیلوں کا کوئی نشان دنیا میں نہ تھا۔ سیمرل کہتا ہے کہ موجودہ عہد نامہ

1. صلیب پر جبکہ حضرت مسیح کو موت کا سامنا معلوم ہوتا تھا اُس وقت بھی عبرانی فقرہ زبان پر جاری ہوا۔ اور وہ یہ ہے کہ ایلی ایلی لما سبقتانی. منہ

یعنی انجیلیں نیک نیتی کے بہانہ سے مکاری کے ساتھ دوسری صدی کے آخر میں لکھی گئیں۔ اور ایک پادری ایوسنؔ نام انگلستان کا رہنے والا کہتا ہے کہ متی کی یونانی انجیل دوسری صدی مسیحی میں ایک ایسے آدمی نے لکھی تھی جو یہودی نہ تھا۔ اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ اس میں بہت سی غلطیاں اس ملک کے جغرافیہ کی بابت اور یہودیوں کی رسومات کی بابت ہیں۔ عیسائیوں کے محقق اس بات کے بھی مقر ہیں کہ ایک عیسائی اپنے مذہب کے رو سے انسانی سوسائٹی میں نہیں رہ سکتا اور نہ تجارت کر سکتا ہے کیونکہ انجیل میں امیر بننے اور کل کی فکر کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ ایسا ہی کوئی سچا عیسائی فوج میں بھی داخل نہیں ہو سکتا کیونکہ دشمن کے ساتھ محبت کرنے کا حکم ہے۔ ایسا ہی اگر کامل عیسائی ہے تو اس کو شادی کرنا بھی منع ہے۔ ان تمام باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ انجیل ایک مختص الزمان اور مختص القوم قانون کی طرح تھی جس کو حضرات عیسائیوں نے عام ٹھہرا کر صدہا اعتراض اس پر وارد کرا لئے۔

(کتاب البریہ۔ روحانی خزائن جلد ۱۳ صفحہ ۹۳)

کچھ شک نہیں کہ مبالغہ کرنا انجیل نویسوں کی عادت میں داخل تھا۔ چنانچہ ایک انجیل میں یہ فقرہ موجود ہے کہ مسیح نے اتنے کام کئے کہ اگر وہ لکھے جاتے تو دنیا میں سما نہ سکتے۔ اب دیکھو کہ وہ کام بغیر لکھنے کے تو دنیا میں سما گئے لیکن لکھنے کی حالت میں وہ دنیا میں نہیں سمائیں گے۔ یہ کس قسم کا فلسفہ اور کس قسم کی منطق ہے۔ کیا کوئی سمجھ سکتا ہے؟

(لیکچر لاہور۔ روحانی خزائن جلد ۲۰ صفحہ ۱۶۴)

بائبل اور سائنس کی آپس میں ایسی عداوت ہے جیسی کہ دو سوکنیں ہوتی ہیں۔ بائبل میں لکھا ہے کہ وہ طوفان ساری دنیا میں آیا اور کشتی تین سو ہاتھ لمبی اور پچاس ہاتھ چوڑی تھی اور اس میں حضرت نوحؑ نے ہر قسم کے پاک جانوروں میں سے سات جوڑے اور ناپاک میں سے دو جوڑے ہر قسم کے کشتی میں چڑھائے۔ حالانکہ یہ دونوں باتیں غلط ہیں۔ اوّل تو اللہ تعالیٰ نے کسی قوم پر عذاب نازل نہیں کیا جب تک پہلے رسول کے ذریعہ سے اس کو تبلیغ نہ کی ہو۔ اور حضرت نوح کی تبلیغ ساری دنیا کی قوموں تک کہاں پہنچی تھی جو سب غرق ہو جاتے۔

دوم اتنی چھوٹی سی کشتی میں جو صرف ۳۰۰ ہاتھ لمبی اور ۵۰ ہاتھ چوڑی ہو ساری دنیا کے جانور، بہائم، چرند پرند سات سات جوڑے یا دو دو جوڑے کیونکر سما سکتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کتاب میں تحریف ہے اور اس میں بہت سی غلطیاں داخل ہو گئی ہیں۔

(ملفوظات جلد اول۔ جدید ایڈیشن صفحہ ۵۲۶)

ایک شخص نے حضرت اقدس کی خدمت بابرکت میں چند سوال پیش کئے [جن میں سے ایک یہ تھا]: براہین احمدیہ میں آپ نے کلام الٰہی کی ایک نشانی یہ بھی لکھی ہے کہ وہ ہر ایک پہلو میں دوسری کلاموں سے افضل ہوتا ہے۔ توریت انجیل بھی تو خدا تعالیٰ کا کلام ہیں۔ کیا ان میں بھی یہ وصف پایا جاتا ہے؟

حضرت اقدس نے فرمایا کہ:

ان کتابوں کی نسبت قرآن مجید میں یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِہٖ ۔ (المائدہ :۱۴) لکھا ہے۔ وہ لوگ شرح کے طور پر اپنی طرف سے بھی کچھ ملا دیا کرتے تھے۔ اس لئے جو کتابیں محرّف مبدّل ہو چکی ہیں ان میں یہ نشانی کب مل سکتی ہے؟

اس پر حضرت حکیم الامت نے عرض کی کہ حضور، توریت میں لکھا ہے ’’پھر موسیٰ خدا کا بندہ مر گیا اور موسیٰ جیسا نہ کوئی پیدا ہوا نہ ہو گا۔ اور اسکی قبر بھی آج تک کوئی نہیں جانتا‘‘ تو یہ کلام حضرت موسیٰؑ کی ہو ہی کس طرح سکتی ہے اور انجیل کی نسبت تو عیسائی خود قائل ہیں کہ وہ اصلی جو عیسیٰ کی انجیل تھی نہیں ملتی۔ یہ سب تراجم در تراجم ہیں۔ اور ترجمے مترجم کے اپنے خیالات کے مطابق ہوا کرتے ہیں اور ان میں بہت سا حصہ اس قسم کا پایا جاتا ہے جو دوسروں کا بیان ہے جیسے صلیب کا واقعہ وغیرہ۔

اس پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ:۔

یہ ٹھیک بات ہے۔ اگر تمام دنیا میں تلاش کریں تو قرآن مجید کی طرح خالص اور محفوظ کلام الٰہی کبھی نہیں مل سکتا۔ بالکل محفوظ اور دوسروں کی دست برد سے پاک کلام تو صرف قرآن مجید ہی ہے۔

(ملفوظات جلد پنجم۔ جدید ایڈیشن صفحہ ۳۴۷۔۳۴۸)

دوسرا سوال اس مضمون کا تھا کہ جو قرآن جو انجیلوں کا مصدق ہے تو کیا اناجیل صحیح ہیں؟

فرمایا کہ:-

مصدق کے معنے قرآنی طور پر یہ ہیں کہ جو کچھ صحیح تھا اس کی تو نقل کر دی اور جو نہیں لیا وہ غلط تھا۔ پھر انجیلوں کا آپس میں اختلاف ہے۔ اگر قرآن نے تصدیق کی ہے تو بتلاؤ کونسی انجیل کی کی ہے؟ قرآن نے یوحنا متی وغیرہ کی انجیل کی کہیں تصدیق نہیں کی۔ ہاں پطرس کی دعا کی تصدیق کی ہے۔ اسی طرح کونسی توریت کہیں جس کی تصدیق قرآن نے کی؟ پہلے توریت تو ایک بتاؤ۔ قرآن تو تمہاری توریت کو محرف بتلاتا ہے اور تم میں خود اختلاف ہے کہ توریت مختلف ہیں۔

(ملفوظات جلد دوم۔ جدید ایڈیشن صفحہ ۴۲۵)

بعض لوگ کہتے ہیں کہ قرآن کیا لایا ؟ اس میں وہی کچھ تو ہے جو تورات میں درج ہے اور اسی کوتاہ نظری نے بعض عیسائیوں کو عدم ضرورت قرآن جیسے رسائل لکھنے پر دلیر کر دیا۔ کاش وہ سچی دانائی اور حقیقی فراست سے حصہ رکھتے تا وہ بھٹک نہ جاتے۔ ایسے لوگ کہتے ہیں کہ تورات میں لکھا ہے کہ تو زنا نہ کر۔ ایسا ہی قرآن میں لکھا ہے کہ زنا نہ کر۔ قرآن توحید سکھاتا ہے اور تورات بھی خدائے واحد کی پرستش سکھلاتی ہے۔ پھر فرق کیا ہوا؟ بظاہر یہ سوال بڑا پیچدار ہے۔ اگر کسی ناواقف آدمی کے سامنے پیش کیا جاوے تو وہ گھبرا جاوے۔ اصل بات یہ ہے کہ اس قسم کے باریک اور پیچدار سوالات کا حل بھی اللہ تعالیٰ کے خاص فضل کے بغیر ممکن نہیں۔ یہی تو قرآنی معارف ہیں جو اپنے اپنے وقت پر ظاہر ہوتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن شریف اور تورات میں تطابق ضرور ہے۔ اس سے ہم کو انکار نہیں لیکن تورات نے صرف متن کو لیا ہے جس کے ساتھ دلائل، براہین اور شرح نہیں ہے، لیکن قرآن کریم نے معقولی رنگ کو لیا ہے۔ اس لئے کہ توریت کے وقت انسانوں کی استعدادیں وحشیانہ رنگ میں تھیں (مگر قرآن شریف کے نزول کے وقت استعدادیں معقولیت کا رنگ پکڑ گئی تھیں) اس لئے قرآن شریف نے وہ طریق اختیار کیا جو اخلاق کے منافع کو ظاہر کرتا

ہے اور بتلاتا ہے کہ اخلاق کے مفاد یہ ہیں۔ اور نہ صرف مفاد اور منافع کو بیان ہی کرتا ہے بلکہ معقولی طور پر دلائل اور براہین کے ساتھ ان کو پیش کرتا ہے۔

(ملفوظات جلد اول۔ جدید ایڈیشن صفحہ ۵۴)

کیا موجودہ اناجیل سے انسان طریق توحید کا پتہ لگا سکتا ہے۔ کیسی حیران کر دینے والی بات ہے کہ خداتعالیٰ کا نبی اس کی توحید کو قائم کرنے آیا کرتا ہے یا اپنی خدائی منوانے؟ پس اب موجودہ انجیل نے یہی نہیں کہ طریق توحید کو گم کیا بلکہ ساتھ ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی رسالت اور نبوت کو اڑا دیا۔

(ملفوظات جلد اول۔ جدید ایڈیشن صفحہ ۱۸۵)

توریت میں حد سے زیادہ سختی اور انتقام پر زور ڈالا گیا ہے اور وہ سختی مطیع اور نافرمان اور دوست دشمن دونوں کے حق میں ایسے طور سے تجویز کی گئی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ توریت کی تعلیم کو خاص قوم اور خاص زمانہ کے لحاظ سے یہ مجبوری پیش آ گئی تھی کہ سیدھے اور عام قانون قدرت کے موافق توریت کے احکام ان قوموں کو کچھ بھی فائدہ نہیں پہنچا سکتے تھے۔ اسی لحاظ سے توریت نے اندرونی طور پر یعنی اپنی قوم کے ساتھ یہ سختی کی کہ انتقامی احکام پر زور ڈال دیا اور عفو اور درگذر گویا یہودیوں کے لئے حرام کی طرح ہو گئے۔ دانت کے عوض اپنے بھائی کا دانت نکال ڈالنا داخل ثواب سمجھا گیا اور حقوق اللہ میں بھی بہت سخت اور گویا فوق الطاقت تکلیفیں جن سے معیشت اور تمدن میں حرج ہو رکھی گئیں۔ ایسا ہی بیرونی احکام توریت کے بھی زیادہ سخت تھے جن کی رو سے مخالفوں اور نافرمانوں کے دیہات اور شہر پھونکے گئے اور کئی لاکھ بچے قتل کئے گئے اور بڈھوں اور اندھوں اور لنگڑوں اور ضعیف عورتوں کو بھی تہ تیغ کیا گیا۔ اور انجیل کی تعلیم میں حد سے زیادہ نرمی اور رحم اور درگذر فرض کی طرح ٹھہرائے گئے۔ چنانچہ بیرونی طور پر اگر دشمن دین حملہ کریں تو انجیل کی رو سے مقابلہ کرنا حرام ہے۔ گو وہ ان کے روبرو ان کے قوم کے غریبوں اور ضعیفوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیں اور انکے بچوں کو قتل کر ڈالیں اور انکی عورتوں کو پکڑ کر لیجائیں اور ہر طرح سے بے حرمتی کریں

اور ان کے معابد کو پھونک دیں اور انکی کتابوں کو جلا دیں۔ غرض کیسے ہی انکی قوم کو تہ و بالا کر دیں مگر دشمن مذہب کے ساتھ لڑائی کا حکم نہیں۔ ایسا ہی اندرونی طور پر بھی انجیل میں قوم کی باہمی حفظ حقوق کیلئے یا مجرم کو پاداش جرم کے لئے کوئی سزا اور قانون نہیں۔ اور صرف رحم اور عفو اور درگذر کے پہلو پر اگرچہ جین مت سے بہت کم مگر تاہم اس قدر زور ڈال دیا گیا ہے کہ دوسرے پہلوؤں کا گویا خیال ہی نہیں۔ اگرچہ ایک گال پر طمانچہ کھا کر دوسری بھی پھیر دینا ایک نادان کی نظر میں بڑی عمدہ تعلیم ہو گی مگر افسوس کہ ایسے لوگ نہیں سمجھتے کہ کیا کسی زمانہ کے لوگوں نے اس پر عمل بھی کیا۔ اور اگر بغرض محال عمل کیا تو کیا یہی آبادی رہی اور لوگوں کی جان و مال اور امن میں کچھ خلل نہ ہوا۔ کیا یہ تعلیم دنیا کے پیدا کرنیوالے کے اس قانون قدرت کے مطابق ہے جس کی طرف انسانوں کی طبائع مختلفہ محتاج ہیں۔ کیا نہیں دیکھتے کہ تمام طبائع جرائم کی سزا دینے کی طرف بالطبع جھک گئیں اور ہر یک سلطنت نے انسداد جرائم کے لئے یہی قانون مرتب کئے جو مجرموں کو قرار واقعی سزا دی جائے۔ اور کسی ملک کا انتظام بجز قوانین سزا کے مجرد رحم سے چل نہ سکا۔ آخر عیسائی مذہب نے بھی اس رحم اور درگذر کی تعلیم سے بیزار ہوکر وہ خونریزیاں دکھلائیں کہ شاید ان کی دنیا میں نظیر نہیں ہو گی اور جیسے ایک پل ٹوٹ کر ارد گرد کو تہ آب کر دیتا ہے ایسا ہی عیسائی قوم نے درگذر کی تعلیم کو چھوڑ کر کام دکھلائے۔ سو ان دونوں کتابوں کا نا تمام اور ناقص ہونا ظاہر ہے۔

(کرامات الصادقین۔ روحانی خزائن جلد ۷ صفحہ ۵۷۔۵۸)

انجیل کی تعلیم کو کامل خیال کرنا سراسر نقصان عقل اور کم فہمی ہے۔ خود حضرت مسیح نے انجیل کی تعلیم کو مبرّا عن النقصان نہیں سمجھا۔ جیسا کہ انہوں نے آپ فرمایا ہے کہ میری اور بہت سی باتیں ہیں کہ میں تمہیں کہوں۔ پر تم ان کی برداشت نہیں کر سکتے لیکن جب وہ یعنی روح الحق آوے گا تو وہ تمہیں صداقت کا راستہ بتلاوے گا۔ انجیل یوحنا باب ۱۶۔ آیت ۱۲۔۱۳۔۱۴

(براہین احمدیہ چہار حصص۔ روحانی خزائن جلد ۱ صفحہ ۳۰۰ حاشیہ در حاشیہ نمبر ۲)

ہندومت

ہندوؤں کے مقابل میں نے کتاب براہین احمدیہ اور سرمہ چشم آریہ اور آریہ دھرم ایسی کتابیں تالیف کیں جن سے ہر ایک طالب حق پر بخوبی کھل گیا کہ ہندو مذہب جس کی وید پر بنا قرار دی گئی ہے ہرگز خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہے۔ بلکہ وہ ایسے خلاف حق عقائد کا مجموعہ ہے جن میں نہ خدا تعالیٰ کی عزت اور عظمت اور قدرت کا کچھ پاس کیا گیا ہے اور نہ انسانی طہارت اور پاکیزگی کو مدّنظر رکھا گیا ہے۔میں نے ان کتابوں میں خود آریوں کے اقرار سے ثابت کردیا ہے کہ ان کے مذہب کے رُو سے اس عالم کا کوئی ایسا خالق نہیں ہے جس نے مخلوق کو عدم سے وجود دیا ہو۔

(تریاق القلوب۔ روحانی خزائن جلد ۱۵ صفحہ ۲۳۲۔۲۳۳)

عام ہندو اپنے دیوتاؤں کو کارخانہ ربوبیّت میں شریک سمجھتے ہیں اور خدا کے کاموں میں ان کو مستقل طور پر دخیل قرار دیتے ہیں بلکہ یہ سمجھ رہے ہیں کہ وہ خدا کے ارادوں کو بدلنے والے اور اس کی تقدیروں کو زیروزبر کرنے والے ہیں۔اور نیز ہندو لوگ کئی انسانوں اور دوسرے جانوروں کی نسبت بلکہ بعض ناپاک اور نجاست خوار حیوانات یعنی خنزیر وغیرہ کی نسبت یہ خیال کرتے ہیں کہ کسی زمانہ میں ان کا پرمیشر ایسی ایسی جونوں میں تولدّ پاکر ان تمام آلائشوں اور آلودگیوں سے ملوث ہوتا رہا ہے کہ جو ان چیزوں کے عائد حال ہیں اور نیز انہیں چیزوں کی طرح بھوک اور پیاس اور درد اور دکھ اور خوف اور غم اور بیماری اور موت اور ذلت اور رسوائی اور عاجزی اور ناتوانی کی آفات میں گرفتار ہوتا رہا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ تمام اعتقادات خدائے تعالیٰ کی خوبیوں میں بٹہ لگاتے ہیں اور اس کے ازلی و ابدی جاہ وجلال کو گھٹاتے ہیں۔ اور آریہ سماج والے جو ان کے مہذب بھائی نکلے ہیں جن کا یہ گمان ہے کہ وہ ٹھیک

ٹھیک وید کی لکیر پر چلتے ہیں وہ خدائے تعالیٰ کو خالقیت سے ہی جواب دیتے ہیں اور تمام روحوں کو اس کی ذات کامل کی طرح غیر مخلوق اور واجب الوجود اورموجود بوجودِ حقیقی قرار دیتے ہیں حالانکہ عقلِ سلیم خدائے تعالیٰ کی نسبت صریح یہ نقص سمجھتی ہے کہ وہ دنیا کا مالک کہلا کر پھرکسی چیز کا رب اور خالق نہ ہو اور دنیا کی زندگی اس کے سہارے سے نہیں بلکہ اپنے ذاتی وجوب کے رُو سے ہو۔اور جب عقل سلیم کے آگے یہ دونوں سوال پیش کئے جائیں کہ آیا خداوند قادر مطلق کے محامد تامہ کے لئے یہ بات اصلح اور انسب ہے کہ وہ آپ ہی اپنی قدرت کاملہ سے تمام موجودات کو منصّہ ظہور میں لا کر ان سب کا رب اور خالق ہو اور تمام کائنات کا سلسلہ اسی کی ربوبیت تک ختم ہوتا ہو اور خالقیت کی صفت اور قدرت اس کی ذات کامل میں موجود ہو اور پیدائش اورموت کے نقصان سے پاک ہو۔ یا یہ باتیں اس کی شان کے لائق ہیں کہ جس قدر مخلوقات اس کے قبضہ تصرف میں ہیں یہ چیزیں اس کی مخلوق نہیں ہیں اور نہ اس کے سہارے سے اپنا وجود رکھتی ہیں اور نہ اپنے وجود اور بقا میں اس کی محتاج ہیں اور نہ وہ ان کا خالق اور ربّ ہے اور نہ خالقیت کی صفت اور قدرت اس میں پائی جاتی ہے اور نہ پیدائش اورموت کے نقصان سے پاک ہے تو ہرگز عقل یہ فتویٰ نہیں دیتی کہ وہ جو دنیا کا مالک ہے وہ دنیا کا پیدا کنندہ نہیں۔اور ہزاروں پُر حکمت صفتیں کہ جو روحوں اورجسموں میں پائی جاتی ہیں وہ خود بخود ہیں اور ان کا بنانے والا کوئی نہیں اور خدا جو ان سب چیزوں کا مالک کہلاتا ہے وہ فرضی طور پر مالک ہے اور نہ یہ فتویٰ دیتی ہے کہ اس کو پیدا کرنے سے عاجز سمجھا جاوے یا ناطاقت اور ناقص ٹھہرایا جاوے۔ یا پلیدی اورنجاست خواری کی نالائق اور قبیح عادت کو اس کی طرف منسوب کیا جاوے یا موت اور درد اور دکھ اور بے علمی اور جہالت کو اُس پر روا رکھا جائے۔ بلکہ صاف یہ شہادت دیتی ہے کہ خدائے تعالیٰ ان تمام رذیلتوں اور نقصانوں سے پاک ہونا چاہیے اور اس میں کمالِ تام چاہئے اور کمال تام قدرت تام سے مشروط ہے اور جب خدائے تعالیٰ میں قدرت تام نہ رہی اور نہ وہ کسی دوسری چیز کو پیدا کرسکا اور نہ اپنی ذات کو ہریک قسم کے نقصان اورعیب سے بچا سکا تو

اس میں کمالِ تام بھی نہ رہا اور جب کمال تام نہ رہا تو محامد کاملہ سے وہ بے نصیب رہا۔

(براہین احمدیہ چہار حصص۔ روحانی خزائن جلد ۱ صفحہ ۴۳۶۔۴۳۸ حاشیہ در حاشیہ نمبر ۱۱)

آریہ مذہب کا ایک ایسا خدا ہے جس کی خدائی کا اپنی ذاتی قوت اور قدرت پر چلنا غیر ممکن ہے اور اس کی تمام اُمیدیں ایسے وجودوں پر لگی ہوئی ہیں جو اس کے ہاتھ سے پیدا نہیں ہوئے۔ حقیقی خدا کی قدرتوں کا انتہا معلوم کرنا انسان کا کام نہیں مگر آریوں کے پرمیشر کی قدرت انگلیوں پر گن سکتے ہیں۔ وہ ایک ایسا کم سرمایہ پرمیشر ہے کہ اس کی تمام قدرتوں کی حد معلوم ہو چکی ہے۔ اور اگر اس کی قدرتوں کی بہت ہی تعریف کی جائے تو اس سے بڑھ کر کچھ نہیں کہہ سکتے کہ وہ اپنے جیسی قدیم چیزوں کو معماروں کی طرح جوڑنا جانتا ہے۔ اور اگر یہ سوال ہو کہ اپنے گھر سے کون سی چیز ڈالتا ہے تو نہایت افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ کچھ نہیں۔ غرض اس کی طاقت کا انتہائی مرتبہ صرف اس حد تک ہے کہ موجودہ روحوں اور اجسامِ صغار کو جو قدیم اور اسکے وجود کی طرح انادی اور واجب الوجود ہیں جن کی پیدائش پر اس کے وجود کا کچھ بھی اثر نہیں باہم پیوند کر دیتا ہے لیکن اس بات پر دلیل قائم ہونا مشکل ہے کہ کیوں ان قدیم چیزوں کو ایسے پرمیشر کی حاجت ہے۔ جبکہ کل چیزیں خود بخود ہیں۔ ان کے تمام قویٰ بھی خود بخود ہیں اور ان میں باہم ملنے کی استعداد بھی خود بخود ہے اور ان میں قوت جذب اور کشش بھی قدیم سے ہے اور ان کے تمام خواص جو ترکیب کے بعد بھی ظاہر ہوتے ہیں خود بخود ہیں تو پھر سمجھ نہیں آتا کہ کس دلیل سے اس ناقص اور ناطاقت پرمیشر کی ضرورت ثابت ہوتی ہے اور اس میں اور اس کے غیر میں مابہ الامتیاز بجز زیادہ ہوشیار اور ذہین ہونے کے اور کیا ہو سکتا ہے۔ اس میں کیا شک ہے کہ آریوں کا پرمیشر اُن بے انتہا قدرتوں سے ناکام ہے جو الوہیت کے کمال کے متعلق ہیں۔

(معیار المذاہب۔ روحانی خزائن جلد ۹ صفحہ ۴۶۵۔۴۶۶)

ہندو مذہب جس کی ایک شاخ آریہ مذہب ہے وہ سچائی کی حالت سے بالکل گرا ہوا ہے۔ اُن کے نزدیک اِس جہان کا ذرّہ ذرّہ قدیم ہے جن کا کوئی پیدا کرنیوالا نہیں۔ پس ہندوؤں

کو اُس خدا پر ایمان نہیں جس کے بغیر کوئی چیز ظہور میں نہیں آئی اور جس کے بغیر کوئی چیز قائم نہیں رہ سکتی۔ اور کہتے ہیں کہ اُن کا پرمیشر کسی کے گناہ معاف نہیں کرسکتا۔ گویا اُسکی اخلاقی حالت انسان کی اخلاقی حالت سے بھی گری ہوئی ہے جبکہ ہم اپنے گنہگاروں کے گناہ معاف کر سکتے ہیں اور اپنے نفوس میں ہم یہ قوت پاتے ہیں کہ جو شخص سچے دل سے اپنے قصور کا اعتراف کرے اور اپنے فعل پر سخت نادم ہو اور آئندہ کے لئے اپنے اندر ایک تبدیلی پیدا کرے اور تذلّل اور انکسار سے ہمارے سامنے توبہ کرے تو ہم خوشی کے ساتھ اُسکے گناہ معاف کر سکتے ہیں بلکہ معاف کرنے سے ہمارے اندر ایک خوشی پیدا ہوتی ہے۔ تو پھر کیا وجہ کہ وہ پرمیشر جو خدا ہونے کا دعویٰ کرتا ہے جس کے پیدا کردہ گنہگار ہیں اور اُنکے گناہ کرنے کی طاقتیں بھی اُسی کی طرف سے ہیں اُس میں یہ عمدہ خلق نہیں اور جبتک کروڑوں سال تک ایک گناہ کی سزا نہ دے خوش نہیں ہوتا۔ ایسے پرمیشر کے ماتحت رہ کر کیونکر کوئی نجات پاسکتا ہے اور کیونکر کوئی ترقی حاصل کرسکتا ہے۔

(حقیقۃ الوحی۔ روحانی خزائن جلد۲۲ صفحہ ۶۳)

قال بعض البراهمة ان التفاوت من اعمال النشأة السابقة واعلم انهم قوم يعتقدون بالتناسخ نظرا على تفاوة مراتب المخلوقات. ويقولون ان انواع الحيوانات قد حدثت من انواع الحسنات والسّياٰت واصروا على هذا وجاؤه موعبين وانت تعلم ان هذه الاوهام ما ظهرت من منبع بصيرة ولا من لجّة معرفة صحيحة وما قامت عليها حجة من حجج قاطعة.[1]

---

1. ترجمہ: بعض برہمن کہتے ہیں کہ مخلوقات کے مراتب میں فرق سابقہ پیدائش کے اعمال کی وجہ سے ہے اور جان لے کہ یہ لوگ مخلوقات کے مراتب میں فرق کے پیش نظر تناسخ پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ جانوروں کی مختلف اقسام نیکی اور بدی کی اقسام سے وجود میں آئی ہیں۔ وہ اس (عقیدے) پر اصرار کرتے ہیں اور ایسا ہونے پر متفق ہیں اور تو جان لے کہ یہ صرف وہم ہیں جو نہ تو چشمۂ بصیرت سے پھوٹے ہیں اور نہ ہی صحیح اور سچی معرفت کے سمندر سے نکلے ہیں اور اس (خیال) پر کوئی قطعی دلیل قائم نہیں ہوئی ہے۔ (مرتب)

بعض براہمہ می گوئیند کہ تفاوت مراتب مخلوقات بباعث اعمال پیدائش سابقہ است۔ و بداں کہ ایں قومے ہست کہ اعتقاد تناسخ دارند۔ بدیں خیال کہ تفاوت مراتب مخلوقات رابجز ایں وجہے نیست۔ و میگویند کہ انواع جانداراں از انواع نیکی ہا و بدی ہا پیدا شدہ اند و بریں اصرار مے کنند و اتفاق میدارند کہ ہمچنیں ست۔ و تو میدانی کہ ایں اوہام محض اند۔ و از چشمہ بصیرت ظاہر نشدہ اندر۔ دنہ از دریائے معرفت صحیحہ بیروں آمدہ اند۔ و ہیچ حجتے برآں ہا قائم نشدہ است۔

(انجام آتھم۔ روحانی خزائن جلد ۱۱ صفحہ ۱۰۵ حاشیہ)

ہم جب اس پہلو کو دیکھتے ہیں کہ کیوں اور کس وجہ سے ایک مدّت کے بعد تمام لوگ مکتی خانہ سے نکالے جاتے ہیں تو ہمیں اور بھی وید کی تعلیم پر افسوس آتا ہے کہ وہ کس قدر خلاف حق خدائے کریم کی ذات پر بُخل اور بُغض اور نادانی کی تہمت لگا رہی ہے۔ یعنی یہ عذر بیان کیا جاتا ہے کہ پرمیشر جو مکتی دے کر پھر مکتی خانہ سے باہر نکالتا ہے تو وہ اس اخراج کے لئے پہلے سے مکتی یابوں کا ایک ذرہ سا گناہ باقی رکھ لیتا ہے اور آخر اسی گناہ پر دوبارہ مؤاخذہ کر کے سب کو مکتی خانہ سے باہر نکال دیتا ہے۔ اب خود سوچ لو کہ کیا یہ نہایت بد اور قابل نفرت مکر خداوند کریم کی طرف منسوب کر سکتے ہیں۔ کیا اس کے اختیار میں نہ تھا کہ جہاں اور گناہوں کے دُور کرنے کے لئے ایک مدّت تک جونوں میں رکھا تھا اس تھوڑے سے گناہ کے لئے بھی چند روز آواگون کے چکّر میں رکھتا اور پھر دائمی مکتی دیتا۔ اور پھر اس جگہ منصفین کے لئے یہ بات بھی سوچنے کے لائق ہے کہ گناہ تو صرف ایک ذرہ تھا پھر اُسکی سزا میں انسانوں کو بڑے بڑے گناہوں کی سزا کے موافق کُتے بلیاں بنانا اور مختلف طور کی جُونوں میں ڈالنا یہ کس قسم کا انصاف ہے۔ اور پھر یہ بھی سوچو کہ وہ گناہ جو صرف ایک ذرہ کے مقدار تھا اس کی سزا میں بعض کے لئے بڑی سزائیں اور بعض کیلئے چھوٹی سزائیں کیونکر تجویز کی گئیں یعنی اُسی ایک ذرہ گناہ کی وجہ سے ایک گروہ کو تو مکتی خانہ سے نکال کر انسان کی جُون میں ڈالا گیا مگر پھر بھی بعض کو مرد اور بعض کو عورت بنایا اور پھر اُسی ایک ذرہ گناہ کیوجہ سے دُوسرے گروہ کو کتے اور

تیسرے کو سؤر اور چوتھے کو بندر بنایا گیا۔ حالانکہ گناہ صرف ایک ذرہ تھا۔ اوّل تو ایک ذرّہ گناہ چیز ہی کیا تھا کہ اسکی وجہ سے انسان کو کسی جُون میں ڈالا جاتا کیونکہ اگر پرمیشر کی نظر میں وہ گناہ قابلِ بیزاری ہوتا تو باوجود ایسے گناہ کے کیوں پرمیشر لوگوں کو مکتی خانہ میں داخل کرتا۔ کیا وہ گناہ بھی کچھ وزن رکھتا ہے جو مکتی دینے کے وقت نظر انداز کیا گیا تھا۔ اور اگر ایسی بیرحمی ہی منظور تھی تو صرف ایک ذرہ گناہ سے ایک ہی جون میں ڈالنا چاہئے تھا تا کسی کی رعایت نہ ہو مگر اس میں تو صریح پکش پات اور طرفداری ہے کہ تمام لوگ جو مکتی خانہ سے باہر نکالے جاتے ہیں گناہ تو سب کا برابر ہوتا ہے کم و بیش نہیں ہوتا یعنی صرف ایک ذرّہ مگر جونیں برابر درجہ کی نہیں ہوتیں۔ اُسی گُناہ سے مرد بنایا جاتا ہے اور اُسی سے عورت اور اُسی سے بندر اور اُسی گناہ سے نجاست کا کیڑا۔ کیا کوئی سمجھ سکتا ہے کہ وید کی یہ فلاسفی کس قسم کی ہے۔ کیا اب بھی پرمیشر کا نام نیاکار اور منصف رکھو گے۔ پھر یہ بھی ظاہر ہے کہ جونوں کی مختلف صورتیں چاہتی ہیں کہ گناہ بھی مختلف صورتوں کے ہوں۔ پس اس سے لازم آتا ہے کہ جس قدر دُنیا میں جاندار کیڑے مکوڑے پائے جاتے ہیں اُسی قدر گناہ بھی ہوں اور اس بات کے بیان کرنے کی حاجت نہیں کہ تمام سطح زمین اور فضا اور سمندر مختلف جانداروں اور کیڑوں مکوڑوں سے بھرا ہوا ہے۔ پس اگر یہ سچ ہے کہ اسی قدر گناہ بھی ہیں جنکی وجہ سے یہ مختلف حالتوں کے جاندار زمین پر نظر آتے ہیں تو آریہ صاحبوں کا یہ فرض ہے کہ وید میں سے نکال کر اُن گناہوں کی ایک فہرست ہمیں دیویں تا ہم مقابلہ کر کے دیکھ لیں کہ جس قدر زمین پر اور سمندر میں اور آسمان کی فضا میں اور زمین کے اندر جانور اور کیڑے مکوڑے پائے جاتے ہیں کیا اسی کے موافق ٹھیک تعداد گناہوں کی وید میں لکھی گئی ہے۔ کیونکہ اگر یہ فہرست گناہوں کی اُن تمام جانوروں کی تعداد کے برابر نہیں ہوگی تو اس صورت میں ہمیں تناسخ اور نیز وید کے باطل ٹھہرانے کے لئے کسی اور دلیل کی حاجت نہیں ہوگی۔ سو یہ بار ثبوت آریہ صاحبوں پر ہے کہ گناہوں کی فہرست اسی اندازہ اور تعداد کی پیش کریں جس قدر مختلف جانور زمین میں پائے جاتے ہیں۔

(چشمہ معرفت۔ روحانی خزائن جلد ۲۳ صفحہ ۵۳۔۵۴)

وید کی خاص تعلیموں میں سے ایک نیوگ بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر کسی ہندو کے گھر میں اولاد نہ ہو اور کسی وجہ سے مرد ناقابل اولاد ہو...... یا کسی اور طبی وجہ سے مرد عقیمہ کی طرح ہو یا ہیجڑہ ہو یا لڑکیاں ہی پیدا ہوتی ہوں تو ان سب صورتوں میں وید کی یہ تعلیم ہے کہ مرد اولاد کی خواہش سے اپنی عورت کو دوسرے سے ہمبستر کرادے اور اگر کسی جگہ مرد نوکر ہو اور تین برس تک گھر میں نہ آوے گو خرچ بھیجتا ہو اور خط بھی بھیجتا ہو تو اس صورت میں بھی اگر عورت کو شہوت غلبہ کرے تو کچھ ضرور نہیں کہ وہ اپنے خاوند کے پاس جاوے بلکہ اپنے اختیار سے کسی دوسرے سے ہمبستر ہو جاوے۔ آریہ دھرم میں اس کا سب ثبوت موجود ہے۔

(ست بچن۔ روحانی خزائن جلد ۱۰صفحہ ۱۱۶ حاشیہ)

محقق پنڈتوں کو خوب معلوم ہے کہ کسی وید میں گائے کا حرام ہونا نہیں پایا جاتا۔ بلکہ رگ وید کے پہلے حصّہ سے ہی ثابت ہوتا ہے کہ وید کے زمانہ میں گائے کا گوشت عام طور پر بازاروں میں بکتا تھا اور آریہ لوگ بخوشی خاطر اسکو کھاتے تھے۔ اور حال میں جو ایک بڑے محقق یعنے آنریبل مونٹ اسٹورٹ الفنسٹن صاحب بہادر سابق گورنر بمبئی نے واقعات آریہ قوم میں ہندوؤں کے مستند پُستکوں کے رُو سے ایک کتاب بنائی ہے جس کا نام تاریخِ ہندوستان ہے اس کے صفحہ نواسی میں منّو کے مجموعہ کی نسبت صاحب موصوف لکھتے ہیں کہ اس میں بڑے بڑے تیوہاروں میں بیل کا گوشت کھانے کے لئے برہمنوں کو تاکید کی گئی ہے یعنے اگر نہ کھاویں تو گنہگار ہوں۔ اور ایسی ہی ایک اور کتاب انہی دنوں میں ایک پنڈت صاحب نے بمقام کلکتہ چھپوائی ہے جس میں لکھا ہے کہ وید کے زمانہ میں گائے کا کھانا ہندوؤں کے لئے دینی فرائض میں سے تھا اور بڑے بڑے اور عمدہ عمدہ ٹکڑے برہمنوں کو کھانے کے لئے ملتے تھے اور علیٰ ہذا القیاس مہا بھارت کے پرب تیرھویں میں بھی صاف تصریح ہے کہ گوشت گائے کا نہ صرف حلال اور طیب بلکہ اس کا اپنے پتروں کے لئے برہمنوں کو کھلانا تمام جانوروں میں سے اولیٰ اور بہتر ہے اور اس کے کھلانے سے پتر دس ماہ تک سیر رہتے ہیں۔ غرض وید کے تمام رشیوں اور منوجی اور بیاس جی نے گوشت گائے کا استعمال کرنا فرائض

دینی میں داخل کیا ہے اور موجب ثواب سمجھا ہے۔

(براہین احمدیہ چہار حصص۔ روحانی خزائن جلد ۱ صفحہ ۳۱۷۔۳۱۸)

وید اپنی موجودہ حالت میں ایک دھوکا دینے والی کتاب ہے۔ جو شرک کی تعلیم جا بجا اس میں دکھائی دیتی ہے اور کروڑ ہا لوگوں پر اس کا یہ بد اثر پایا جاتا ہے کہ وہ آتش پرستی وغیرہ مشرکانہ طریقوں میں سرگرم ہیں بلکہ معلوم ہوتا ہے کہ جو ستارہ پرستی اور آتش پرستی پارسیوں میں موجود ہے وہ بھی وید سے ہی انہیں پہنچی ہے اور تعجب نہیں کہ رومیوں اور یونانیوں میں بھی یہ مشرکانہ تعلیمیں وید کے ذریعہ سے ہی رواج پائی ہوں کیونکہ آریہ قوم کا خیال ہے کہ وید قدیم ہے۔ لہٰذا ہر ایک جھوٹی اور مشرکانہ تعلیم کا سر چشمہ ایسی کتاب کو ہی ماننا پڑیگا جو سب سے پرانی کہلاتی ہے۔ پس وہ نمونہ جو وید کی تعلیم نے دکھلایا ہے وہ ان کروڑ ہا لوگوں کے عقیدوں سے ظاہر ہے جو وید کی پابندی کا دعویٰ رکھتے ہیں اور موجودہ حالت میں وید میں کوئی نور توحید نظر نہیں آتا۔ ہر ایک صفحہ پر مشرکانہ تعلیم کے الفاظ نظر آتے ہیں اور بے اختیار دل میں گزرتا ہے کہ یہ چار کا عدد ہی شرک سے کچھ مناسبت رکھتا ہے۔ انجیلیں چار تھیں۔ انہوں نے ایک مصنوعی خدا پیش کیا اور پھر وید بھی چار ہیں۔ انہوں نے آگ وغیرہ کی پرستش سکھلائی۔ لیکن تاہم ممکن اور قرین قیاس ہے کہ یہ کتاب تحریف کی گئی ہو اور کسی زمانہ میں صحیح ہو اور خداتعالیٰ کی طرف سے ہو اور پھر نادانوں کے تصرف اور تحریف سے بگڑ گئی ہو اور وہ شرتیاں اس میں سے نکال دی گئی ہوں جن میں یہ ذکر تھا کہ تم سورج اور چاند اور ہوا اور آگ اور پانی اور اکاش اور خاک وغیرہ کی پرستش مت کرو۔ اگرچہ اس قدر تغیّر اور انقلاب سے یہ کتاب خطرناک اور مضر ہوگئی تاہم کسی زمانہ میں بے کار نہ تھی۔ اور جس شخص کو ہندوؤں کی تاریخ سے واقفیت ہے وہ خوب جانتا ہے کہ وید پر بڑے بڑے تغیرّات آئے ہیں۔ اور ایک زمانہ میں ویدوں کو مخالفوں نے آگ میں جلا دیا تھا اور مدّت تک وہ ایسے لوگوں کے قبضہ میں رہے جو عناصر پرستی اور مورتی پوجا کے دلدادہ تھے اور بجز اس قسم کے برہمنوں کے دوسروں پر ان کا پڑھنا حرام کیا گیا تھا۔ پس اس وجہ سے وید کے پُستک عام طور پر مل نہیں

سکتے تھے بلکہ صرف بڑے بڑے برہمنوں کے کتب خانوں میں ہی پائے جاتے تھے جو بُت پرست اور عناصر پرست ہو چکے تھے۔ اس صورت میں خود عقل قبول کرتی ہے کہ ان دنوں میں ان برہمنوں نے بہت کچھ مشرکانہ حاشیے وید پر چڑھائے ہونگے اور اس بات کے اکثر محقق آریہ ورت کے قائل ہیں کہ بعض زمانوں میں وید بڑھائے گئے اور بعض میں گھٹائے گئے اور بعض وقت جلائے گئے اور جب آریہ قوم نے اندرونی لڑائیوں سے فراغت پائی تو بیرونی حکومتوں کے پنجہ میں پھنس گئے۔ اسلامی حکومت بھی سات سو برس تک اس ملک میں رہی۔ اس لمبے زمانہ میں بھی جو کچھ مسلمانوں نے آریہ قوم کا عقیدہ دیکھا وہ بت پرستی اور آتش پرستی وغیرہ تھا۔ اسی زمانہ میں شیخ سعدی بھی ایک مرتبہ اس ملک میں آئے تھے۔ اور بت پرستی کا بڑا زور تھا۔ چنانچہ وہ اپنی کتاب بوستان میں فرماتے ہیں:

بُتک رایکے بوسہ دادم بدست

کہ لعنت بروباد و بر بُت پرست

گائے کے لئے جس قدر آریہ صاحبوں کو جوش ہے وہ بھی دراصل مخلوق پرستی کی ایک جڑھ ہے ورنہ ایک حیوان کیلئے اس قدر جوش کیا معنے رکھتا ہے۔

قریباً تیرہ سو برس ہوتے ہیں کہ مسلمانوں نے اس ملک کا ایک حصہ فتح کر لیا تھا۔ اس وقت بھی اس ملک میں عام طور پر بُت پرستی اور آتش پرستی وغیرہ پھیلی ہوئی تھی۔ پس جہاں تک تاریخ کا قدم روشنی میں ہے ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ آریہ ورت پر کوئی ایسا زمانہ بھی آیا تھا کہ وہ خدا پرست تھے۔

(نسیم دعوت۔ روحانی خزائن جلد ۱۹ صفحہ ۴۰۴۔ ۴۰۶)

تناسخ کے مسئلہ جیسا اور کوئی جھوٹا مسئلہ نہیں۔ کیونکہ اس کی بنیاد بھی غلط ہے اور آزمائش کے طور پر بھی یہ غلط ثابت ہوتا ہے اور انسانی پاکیزگی کے لحاظ سے بھی غلط ٹھہرتا ہے اور خدا کی قدرت میں رخنہ انداز ہونے کی وجہ سے بھی ہر ایک عارف کا فرض ہے جو اس کو غلط سمجھے۔ اس کی بنیاد اس طرح پر غلط ہے کہ ستیارتھ پرکاش میں بتلایا گیا ہے کہ روح عورت کے پیٹ

میں اسطرح آتی ہے کہ شبنم کے ساتھ کسی ساگ پات پر پڑتی ہے اور اس ساگ پات کے کھانے سے روح بھی ساتھ کھائی جاتی ہے پس اس سے تو لازم آتا ہے کہ روح دو ٹکڑے ہوکر زمین پر پڑتی ہے۔ ایک ٹکڑے کو اتفاقاً مرد کھا لیتا ہے اور دوسرے ٹکڑے کو عورت کھاتی ہے کیونکہ یہ ثابت شدہ مسئلہ ہے کہ بچہ کی روحانی قوتیں اور روحانی اخلاق مرد اور عورت دونوں سے ملتے ہیں نہ کہ صرف ایک سے۔ پس دونوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ ایسے ساگ پات کو کھاویں جس میں روح ہو اور صرف ایک کا کھانا کافی نہیں۔ پس ببداہت یہ امر مستلزم تقسیم روح ہے اور تقسیم روح باطل ہے اسلئے تناسخ باطل ہے۔ اور آزمائش کے طور پر یہ مسئلہ اس طرح پر غلط ٹھہرتا ہے کہ جس طرح ہر قسم کی روحیں پیدا ہوتی رہی ہیں ان تمام صورتوں میں ممکن ہی نہیں کہ شبنم کے ساتھ وہ روحیں پیدا ہوتی ہوں۔ مثلاً ہم دیکھتے ہیں کہ بالوں میں جوئیں پڑجاتی ہیں۔ وہ روحیں کس شبنم کے ساتھ کھائی جاتی ہیں۔ ایسا ہی کنک کے کھاتوں میں سسری پڑ جاتی ہے۔ وہ کروڑ ہا روحیں جو کھاتہ کے اندر پیدا ہوجاتی ہیں وہ کس شبنم کے ساتھ کھاتہ کے اندر اترتی ہیں اور کون ان کو کھاتا ہے۔ ایسا ہی ہم دیکھتے ہیں کہ پیٹ میں کدودانے پیدا ہوتے ہیں اور کبھی کبھی دماغ میں کیڑے پیدا ہوجاتے ہیں۔اور طبعی علم کے تجربہ سے پانی کے ہر ایک قطرے میں ہزارہا کیڑے ثابت ہوتے ہیں۔ یہ کس شبنم سے پڑتے ہیں۔ تجربہ بتلا رہا ہے کہ ہر ایک چیز میں ایک قسم کے کیڑہ کا مادہ موجود ہے۔ پشمینہ میں بھی ایک قسم کا کیڑا لگ جاتا ہے۔لکڑی میں بھی، اناج میں بھی اور بعض پھلوں میں پھل کی پیدائش کے ساتھ ساتھ ہی کیڑا پیدا ہوتا ہے جیسا کہ گولر کا درخت۔ وہ کس شبنم سے کیڑے آتے ہیں اور اہل تجربہ نے ثابت کیا ہے کہ بعض ترکیبوں سے ہزارہا بچھو پیدا کرسکتے ہیں۔ وہ کس شبنم سے آتے ہیں ...... دیکھو پاکیزگی کے لحاظ سے بھی تناسخ کا مسئلہ کیسا خراب ہے۔ کیا جب کوئی لڑکی پیدا ہوتی ہے اس کے ساتھ کوئی فہرست بھی اندر سے نکلتی ہے جس سے معلوم ہو کہ یہ لڑکی فلاں مرد کی ماں یا دادی یا ہمشیرہ ہے تا اس سے وہ شادی کرنے سے پرہیز کرے۔اور یہ تناسخ کا مسئلہ پرمیشر کی قدرت میں بھی سخت رخنہ

اندازہ ہے۔ خدا وہ خدا ہے کہ چاہے تو ایک لکڑی میں جان ڈال دے جیسا کہ حضرت موسیٰؑ کا عصا ایک دم میں لکڑی اور ایک دم میں سانپ بن جاتا تھا۔مگر روحوں کے انادی ہونے کی حالت میں ہندوؤں کا پرمیشر ہرگز پرمیشر نہیں رہ سکتا کیونکہ جو محض دوسروں کے سہارے سے اپنی خدائی چلا رہا ہے اس کی خدائی کی خیر نہیں۔وہ آج بھی نہیں اور کل بھی نہیں۔ اور یہ کہنا کہ تناسخ کا چکر جو کئی ارب سے بموجب آریہ صاحبوں کے عقیدہ کے جاری ہے اس کا باعث گزشتہ پیدائشوں کے گناہ ہیں یہ خیال طبعی علم کے تجربہ کے ذریعہ سے نہایت فضول اور لچر اور باطل ثابت ہوتا ہے۔یہ ظاہر ہے کہ روحوں کی پیدائش میں بھی خدا تعالیٰ کا ایک نظام ہے جو کبھی پیش و پس نہیں ہوتا۔ مثلا برسات کے دنوں میں ہزار ہا کیڑے پیدا ہو جاتے ہیں اور گرمی کے دنوں میں بکثرت مکھیاں پیدا ہو جاتی ہیں تو کیا انہی دنوں میں ہمیشہ دنیا میں پاپ زیادہ ہوتے ہیں اور نہایت سخت گناہ کی وجہ سے انسانوں کو مکھیاں اور برسات کے کیڑے بنایا جاتا ہے۔اسی طرح کے ہزار ہا دلائل ہیں جن سے تناسخ باطل ہوتا ہے۔

(نسیم دعوت۔ روحانی خزائن جلد ۱۹ صفحہ ۴۴۱۔۴۴۴ حاشیہ)

آریہ ورت میں مذہب قدیم جس پر کروڑہا انسان پائے جاتے ہیں سناتن دھرم ہے۔ اگرچہ اس مذہب کو عوام نے بگاڑ دیا ہے۔اور مورتی پوجا اور دیویوں کی پرستش اور بہت سی مشرکانہ بدعتیں اور اوتاروں کو خدا سمجھنا گویا اس مذہب کی جُز ہو گیا ہے۔لیکن ان چند غلطیوں کو الگ کر کے بہت عمدہ باتیں بھی اس مذہب میں موجود ہیں۔ اسی مذہب میں بڑے بڑے رشی اور منی اور جوگی ہوتے رہے ہیں ...... اور نیز اس مذہب میں بڑے بڑے جپی تپی اور ریاضت کرنے والے پائے گئے ہیں ان لوگوں میں کسی زمانہ میں قابل تعریف عملی حالتیں تھیں اور وہ بنوں میں جا کر ریاضت اور عبادت بھی کرتے تھے اور ان کے دلوں میں نرمی اور سچی تہذیب تھی۔ کیونکہ ان کا مذہب صرف زبان تک نہیں تھا بلکہ دلوں کو صاف کرتے تھے اور وہ پرمیشر جس کا کتابوں میں انہوں نے نام سنا تھا چاہتے تھے کہ اسی دنیا میں اس کا درشن ہو جائے اس لئے وہ بہت محنت کرتے تھے اور اس صدق کا نور ان کی پیشانیوں میں ظاہر

تھا۔ پھر بعد اس کے ایک اور زمانہ آیا کہ بت پرستی اور دیوتاؤں کی پوجا اور مورتی پوجا اور اوتاروں کی پوجا بلکہ ہر ایک عجیب چیز کی پوجا سناتن دھرم کا طریق ہو گیا اور وہ اس طریق کو بھول گئے جو طریق رامچند ر اور راجہ کرشن نے اختیار کیا تھا جن پر اُنکی راستبازی کی وجہ سے خدا ظاہر ہوا۔

(نسیم دعوت ۔روحانی خزائن جلد ۱۹صفحہ ۳۸۷۔۳۸۸)

آریہ سماجیوں کا یہ دعویٰ ہے کہ وید میں عناصر پرستی اور ستارہ پرستی کی تعلیم نہیں ہے اور اس میں محض خدائے واحد لاشریک کی پرستش کی تعلیم ہے۔ لیکن ان کے مقابل پر قدیم مذہب سناتن دھرم کا ہے جو تمام آریہ ورت میں پھیلا ہوا ہے جس کے کروڑہا باشندے اس ملک میں موجود ہیں اور صدہا پنڈت جا بجا پائے جاتے ہیں۔ ان کا یہ بیان ہے کہ ضرور عناصر پرستی کی تعلیمیں وید میں پائی جاتی ہیں۔ اور بلا شبہ وید یہی ہدایت کرتا ہے کہ تم آگ کی پرستش کرو۔ ہوا کی پرستش کرو۔ پانی کی پرستش کرو۔ زمین کی پرستش کرو۔ سورج کی پرستش کرو۔ چاند کی پرستش کرو۔ اور اسی وجہ سے آریہ ورت میں قدیم سے ان چیزوں کے پرستار پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ گنگا کی پرستش کرنے والے اور کانگڑہ میں جوالا مکھی کی آگ کے پرستش کرنیوالے اور سورج کے آگے ہاتھ جوڑنے والے اب تک جا بجا ان پرستشوں میں مشغول ہیں اور یہ سب لوگ وید کی پابندی کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اور قطع نظر اس کے جب کہ ہم خود بھی ایمان اور انصاف کی رُو سے ان ویدوں پر غور کرتے ہیں جو اُردو اور انگریزی میں ترجمہ ہو کر شائع کئے گئے ہیں تو صدہا شرتیوں پر نظر ڈال کر ضرور ہمیں ماننا پڑتا ہے کہ بلا شبہ ان ویدوں میں آگ اور ہوا اور سورج اور چاند وغیرہ سے دعائیں مانگی گئی ہیں اور مرادوں کے پانے کے لئے ان سے مدد طلب کی گئی ہے۔

(نسیم دعوت ۔روحانی خزائن جلد ۱۹صفحہ ۳۹۸)

اوّل علامت خدا شناسی کی توحید ہے یعنی خدا کو اسکی ذات میں اور صفات میں ایک ماننا اور کسی خوبی میں اس کا کوئی شریک قرار نہ دینا۔ لیکن ظاہر ہے کہ آریہ سماجی لوگ ذرّہ ذرّہ کو

خدا تعالیٰ کی ازلیت کی صفت میں شریک قرار دیتے ہیں[2] اور جس طرح خدا تعالیٰ اپنے وجود اور ہستی میں کسی خالق کا محتاج نہیں اسی طرح ان کے نزدیک جیوٗ یعنی روح اور پرمانو یعنی ذرّات اجسام بھی اپنے وجود اور ہستی میں کسی خالق کی طرف محتاج نہیں بلکہ اپنی تمام قوتوں کے ساتھ قدیم اور انادی ہیں اور اپنے اپنے وجود کے آپ ہی خدا ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ اس عقیدہ کے رو سے نہ خدا کی توحید باقی رہتی ہے نہ اسکی عظمت میں سے کچھ باقی رہ سکتا ہے۔ بلکہ اس صورت میں اسکی شناخت پر کوئی دلیل بھی قائم نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ صانع اپنے مصنوعات سے ہی شناخت ہوتا ہے۔ پس جبکہ روحوں اور جسموں کی تمام قوتیں خود بخود اور قدیم ہیں تو پھر خدا کے وجود پر کون سی دلیل قائم ہوئی اور عقل انسانی نے کیونکر سمجھ لیا کہ وہ موجود ہے۔ یہ کہنا بیجا ہے کہ وہ ان ذرّات کو جوڑتا ہے اور روح اور جسم کو تعلق بخشتا ہے اور اسی سے وہ پہچانا جاتا ہے کیونکہ صرف جوڑنے سے کوئی شخص خدا نہیں کہلا سکتا۔ وجہ یہ ہے کہ اگر صرف جوڑنے سے کوئی خدا کہلا سکتا ہے تو اس صورت میں تو تمام نجار اور معمار خدا کہلا سکتے ہیں کیونکہ جوڑنے کا کام تو انہیں بھی آتا ہے۔

(نسیم دعوت۔روحانی خزائن جلد ۱۹ صفحہ ۳۸۲۔۳۸۳)

دوسرا امر کہ وہ اپنے پرمیشر کو قادر کس درجہ تک سمجھتے ہیں خود ظاہر ہے۔ کیونکہ جب کہ ان کا یہ مانا ہوا اصول ہے کہ ان کا پرمیشر نہ ارواح کا خالق ہے نہ ذراتِ اجسام کا تو اس سے ظاہر ہے کہ اس کی قدرت ان کے نزدیک صرف اس حد تک ہے کہ وہ باہم جسم اور روح کو جوڑتا ہے اور جو ارواح اور اجسام میں گُن اور خواص اور عجیب وغریب قوتیں ہیں وہ ان کے نزدیک انادی اور خود بخود ہیں۔ پرمیشر کا ان میں کچھ بھی دخل نہیں۔ اب اس سے ظاہر ہے کہ ان کے

---

2. یہ اعتراض نہیں ہو سکتا کہ مسلمان بھی انسانی ارواح کو ابدی قرار دیتے ہیں۔ کیونکہ قرآن شریف یہ نہیں سکھلاتا کہ انسانی ارواح اپنی ذات کے تقاضا سے ابدی ہیں۔ بلکہ وہ یہ سکھلاتا ہے کہ یہ ابدیت انسانی رُوح کے لئے محض عطیہ الٰہی ہے ورنہ انسانی روح بھی دوسرے حیوانات کی روحوں کی طرح قابل فنا ہے۔ منہ

نزدیک ان کے پرمیشر کی قوت اور قدرت نجاروں اور آہنگروں وغیرہ صناعوں سے کچھ زیادہ نہیں کیونکہ زیادتی تو تب ہو کہ وہ ان قوتوں اور گُنوں اور خاصیتوں کا پیدا کرنے والا بھی ہو۔ اور جبکہ وہ سب خاصیتیں اور قوتیں اور گُن اور طرح طرح کی طاقتیں ارواح اور ذرّات اجسام میں قدیم اور انادی ہیں جیسا کہ خود ارواح اور ذرّات اجسام قدیم اور انادی ہیں تو اس صورت میں ماننا پڑتا ہے کہ جس پرمیشر نے ان ارواح اور ذرات کو پیدا نہیں کیا اس نے انکی قوّتوں کو بھی پیدا نہیں کیا کیونکہ کوئی چیز اپنی قوّتوں سے الگ نہیں رہ سکتی۔

(نسیم دعوت۔روحانی خزائن جلد ۱۹ صفحہ ۳۸۴۔۳۸۵)

وید

جو حال میں ہندو صاحبان کے ہاتھ میں وید ہیں جن کو وہ رگ اور یجر اور شام اور اتھرون سے موسوم کرتے ہیں اور رِچ اور رججش اور سامن اور اتھرونا بھی بولتے ہیں ان کا ٹھیک ٹھیک حال کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ وہ کن حضرات پر نازل ہوئے تھے۔ کوئی کہتا ہے کہ اگنی اور وایو اور سورج کو یہ الہام ہوا تھا جو بالکل نامعقول بات ہے۔ اور کسی کا یہ دعویٰ ہے کہ برہما کے چار مکھ سے یہ چاروں وید نکلے تھے۔ اور کسی کی یہ رائے ہے کہ یہ الگ الگ رشیوں کے اپنے ہی بچن ہیں۔ اب اِن بیانات میں یہاں تک شک ہے کہ کچھ پتہ نہیں ملتا کہ آیا ان اشخاص کا کچھ خارج میں وجود بھی تھا یا محض فرضی نام ہیں۔ اور وید پر نظر کرنے سے تیسری رائے صحیح معلوم ہوتی ہے کیونکہ اب بھی وید کے جدا جدا منتروں پر جدا جدا رشیوں کے نام لکھے ہوئے پائے جاتے ہیں۔ اوراتھرون وید کی نسبت تو اکثر محقق پنڈتوں کا اسی پر اتفاق ہے کہ وہ ایک جعلی وید یا براہمن پستک ہے جو پیچھے سے ویدوں کے ساتھ ملایا گیا ہے۔ اور یہ رائے سچی بھی معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ رِگ وید میں جو سب ویدوں کا اصل الاصول اور سب سے زیادہ معتبر خیال کیا جاتا ہے صرف رِگ اور یجر اور شام وید کا ذکر ہے اور اتھرون وید کا نام تک درج نہیں۔ اگر وہ وید ہوتا تو اس کا بھی ضرور ذکر ہوتا۔ پھر یجر وید کے ۲۶۔ ادھیائے میں بھی صاف لکھا ہے کہ وید صرف تین ہی ہیں۔ اور ایسا ہی شام وید میں بھی ویدوں کا تین ہونا ہی بیان کیا ہے۔ اور منوجی بھی اپنی پستک کے ساتویں ادھیا بیالیسویں اشلوک میں تین وید ہی تسلیم کرتے ہیں۔ اور جوگ بششٹ میں جو ہندوؤں میں بڑی متبرک کتاب شمار کی جاتی ہے اور ان تعلیمات کا مجموعہ ہے جو خاص راجہ رام چندر جی کو ان کے بزرگ استاد نے دی تھیں چاروں ویدوں کی نسبت ایسا صاف بیان کیا ہے کہ بس فیصلہ ہی کر دیا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ

صرف اتھرون وید کے وید ہونے میں بحث نہیں بلکہ سارے ویدوں کا یہی حال ہے۔ اور کوئی ان میں سے ایسا نہیں جو تغیر اور تبدل اور کمی اور بیشی سے خالی ہو۔

(براہین احمدیہ چہار حصص۔ روحانی خزائن جلد ۱ صفحہ ۹۸-۹۹ حاشیہ نمبر ۸)

اکثر محقق آریہ ورت کے قائل ہیں کہ بعض زمانوں میں وید بڑھائے گئے اور بعض میں گھٹائے گئے اور بعض وقت جلائے گئے۔

(نسیم دعوت۔ روحانی خزائن جلد ۱۹ صفحہ ۴۰۶)

یہ بات فی الواقع صحیح اور درست ہے کہ ابتدائے آفرینش میں بھی ایک الہامی کتاب نوعِ انسان کو ملی تھی مگر وہ وید ہرگز نہیں ہے۔ اور موجودہ وید کو خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا اس پاک ذات کی توہین ہے۔

(چشمہ معرفت۔ روحانی خزائن جلد ۲۳ صفحہ ۷۴)

وید کے لفظ سے وہ تعلیم مراد ہے جو آریہ سماج والوں نے اپنے زعم میں ویدوں کے حوالہ سے شائع کی ہے ورنہ یاد رکھنا چاہیئے کہ ہم وید کی اصل حقیقت کو خدا کے حوالہ کرتے ہیں۔ ہم نہیں جانتے کہ ان لوگوں نے اس میں کیا بڑھایا اور کیا گھٹایا۔ جبکہ ہندوستان اور پنجاب میں وید کی پیروی کا دعویٰ کرنے والے صدہا مذہب ہیں تو ہم کسی خاص فرقہ کی غلطی کو وید پر کیونکر تھوپ سکتے ہیں۔ پھر یہ بھی ثابت ہے کہ وید بھی محرف ہو چکا ہے۔ پس بوجہ تحریف اس سے کسی بہتری کی امید بھی لاحاصل ہے۔

(قادیان کے آریہ اور ہم۔ روحانی خزائن جلد ۲۰ صفحہ ۴۵۲ حاشیہ)

ہمارا یہی اعتقاد ہے کہ گو موجودہ تعلیم وید کی ایک گمراہ کرنے والی تعلیم ہے لیکن کسی زمانہ میں وہ ان بیہودہ تعلیموں سے پاک ہوگا۔

(چشمہ معرفت۔ روحانی خزائن جلد ۲۳ صفحہ ۳۷۲)

وید توحید اور معرفت الٰہی کا سخت مخالف اور دشمن ہے اور ایک گمراہ کرنے والی کتاب ہے۔ پس جس کتاب نے ایسی گندی تعلیم پھیلائی ہے کہ نہ توحید کو باقی چھوڑا اور نہ عمل صالح کی

ترغیب دی اور نہ ایک ذرہ بھر اس میں کوئی خوبی ہے اس کی ایسی تعریف کرنا کہ گویا اس کے بعد کسی الہامی کتاب کی حاجت نہیں یہ سراسر بے حیائی ہے۔

(چشمہ معرفت۔ روحانی خزائن جلد۲۳ صفحہ ۱۹۴)

وید کے ذریعہ سے جو کچھ آریوں کو فیض پہنچا وہ تو یہی ہے کہ اس ملک کے کروڑہا ہندو لوگ مخلوق پرستی کی بلا میں گرفتار ہو گئے۔ ان لوگوں نے مخلوق پرستی میں حد ہی کر دی کہ نہ پانی چھوڑا نہ آگ۔ نہ سورج نہ چاند۔ نہ پتھر نہ انسان نہ درخت بلکہ ہر ایک عجیب چیز کو خدا سمجھ لیا۔ آخر جب قرآن شریف کا اس ملک میں مبارک قدم پڑا تو کروڑہا ہندوؤں کو اس نے مخلوق پرستی کی بلا سے نجات دی اور دے رہا ہے۔ مگر پھر یہ لوگ ناشکر گزار ہیں اور ناحق وید وید کر رہے ہیں۔ شاید وید کے پہلے ہاتھ جو ان کو لگ چکے ہیں وہ بھول گئے۔

(چشمہ معرفت۔ روحانی خزائن جلد۲۳ صفحہ ۲۲۰)

کوئی شخص اس بات کا قائل نہیں ہو گا کہ وید مشرکانہ تعلیم سے خالی ہیں۔ ہم نے ویدوں پر بہت غور کی اور جہاں تک طاقت بشری ہے ان کے معلوم کرنے کے لئے زور لگایا۔ آخر ہم پر صاف کھل گیا کہ یہ چاروں وید پرانے مخلوق پرستوں کے خیالات کا مجموعہ ہیں اور اس زمانہ کی بناوٹ ہیں کہ جب کہ سچے قادر تک لوگوں کو رسائی نہیں ہوئی تھی۔ پس وہ لوگ جو علم الٰہیات میں پست نگاہ رکھتے تھے انہوں نے زمانہ کا الٹ پھیر اور حوادث ارضی وسماوی میں اجرام سماوی و عناصر کا بہت کچھ دخل دیکھ کر یہی اپنے دلوں میں سمجھ لیا کہ اگر کوئی رب العالمین و مدبر عالم ہے تو یہی چیزیں ہیں۔ ان کے سوا اگر کچھ ہے تو وہ دخل در عالم سے معطل و بے کار ہے۔ سو درحقیقت نفی صفات الٰہی کرنا اور خدائے تعالیٰ کو قادرانہ تصرف سے معطل سمجھنا یہی اصل موجب دیوتا پرستی اور تناسخ کا ہے۔

(سرمہ چشم آریہ۔ روحانی خزائن جلد۲ صفحہ ۲۰۷)

آریہ سماجیوں کا یہ دعویٰ ہے کہ وید میں عناصر پرستی اور ستارہ پرستی کی تعلیم نہیں ہے۔ اور اس میں محض خدائے واحد لاشریک کی پرستش کی تعلیم ہے۔ لیکن ان کے مقابل پر قدیم مذہب

سناتن دھرم کا ہے جو تمام آریہ ورت میں پھیلا ہوا ہے جس کے کروڑ ہا باشندے اس ملک میں موجود ہیں اور صد ہا پنڈت جا بجا پائے جاتے ہیں۔ ان کا یہ بیان ہے کہ ضرور عناصر پرستی کی تعلیمیں وید میں پائی جاتی ہیں۔ اور بلا شبہ وید یہی ہدایت کرتا ہے کہ تم آگ کی پرستش کرو۔ ہوا کی پرستش کرو۔ پانی کی پرستش کرو۔ زمین کی پرستش کرو۔ سورج کی پرستش کرو۔ چاند کی پرستش کرو۔ اور اسی وجہ سے آریہ ورت میں قدیم سے ان چیزوں کے پرستار پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ گنگا کی پرستش کرنے والے اور کانگڑہ میں جوالا مکھی کی آگ کے پرستش کرنے والے اور سورج کے آگے ہاتھ جوڑنے والے اب تک جا بجا ان پرستشوں میں مشغول ہیں اور یہ سب لوگ وید کی پابندی کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اور قطع نظر اس کے جب کہ ہم خود بھی ایمان اور انصاف کی رو سے ان ویدوں پر غور کرتے ہیں جو اردو اور انگریزی میں ترجمہ ہو کر شائع کئے گئے ہیں تو صد ہا شرتیوں پر نظر ڈال کر ضرور ہمیں ماننا پڑتا ہے کہ بلا شبہ ان ویدوں میں آگؔ اور ہواؔ اور سورجؔ اور چاندؔ وغیرہ سے دعائیں مانگی گئی ہیں۔ اور مرادوں کے پانے کے لئے ان سے مدد طلب کی گئی ہے۔ چنانچہ ہم چند شرتیاں رگ وید کی اس جگہ محض نمونہ کے طور پر لکھتے ہیں۔ اور یہ حصہ وید کا ترجمہ ہو کر سنسکرت پستک سے دوبارہ مقابلہ کیا گیا ہے۔ اور پنڈتوں کی شہادتوں کے ساتھ اس کی صحت کی اطمینان دلائی گئی ہے اور یونیورسٹی میں پڑھانے کے لئے قبول کیا گیا ہے۔ اور وہ شرتیاں یہ ہیں:-

میں اگنی دیوتا کی جو ہوم کا بڑا گرو کارکن اور دیوتاؤں کو نذریں پہنچانے والا اور بڑے ثروت والا ہے مہما کرتا ہوں۔ ایسا ہو کہ اگنی جس کی مہما زمانہ قدیم اور زمانہ حال کے رشی کرتے چلے آئے ہیں دیوتاؤں کو اس طرف متوجہ کرے۔ اے اگنی جو کہ دو لکڑیوں کے رگڑنے سے پیدا ہوئی ہے اس پاک کئے ہوئے کشا پر دیوتاؤں کو لا۔ تو ہماری جانب سے ان کا بلانے والا ہے اور تیری پرستش ہوتی ہے۔ اے اگنی آج ہماری خوش ذائقہ قربانی دیوتاؤں کو ان کے کھانے کے واسطے پیش کر۔ اے اگنی، وایو۔ سورج وغیرہ دیوتاؤں کو ہماری نذر پیش کر۔ اے بے عیب اگنی تو منجملہ اور دیوتاؤں کے ایک ہوشیار دیوتا ہے جو اپنے والدین کے پاس رہتا

ہے اور ہمیں اولاد عطا کرتا ہے۔ تمام دولتوں کا تو ہی بخشنے والا ہے۔ اے اگنی سرخ گھوڑوں کے سوامی ہماری استت سے پرسن ہو۔ ۳۳ دیوتاؤں کو یہاں لا۔ اے اگنی جیسا کہ تو ہے لوگ اپنے گھروں میں تجھے محفوظ جگہ میں روشن کرتے ہیں۔ اے عاقل اگنی تو پناپت ہے یعنی اپنے جسم کا آپ جلانے والا ہے، آج ہماری خوش ذائقہ قربانی دیوتاؤں کو ان کے کھانے کے لئے پیش کر۔ اے اندر اے وایو یہ ارگ تمہارے واسطے چھڑکا گیا ہے۔ ہمارے واسطے کھانا لے کر ادھر آؤ۔ اے اندر کوسیکا رشی کے پُتر جلد آ اور مجھ رشی کو مال دار کر دے۔[1] اے سورج اور چاند ہمارے یگ کو کامیاب کرو اور ہماری قوت زیادہ کرو۔ تم بہت آدمیوں کے فائدے کیلئے پیدا ہوئے ہو۔ بہتوں کو تمہارا ہی آسرا ہے (غور کرنے کا مقام ہے کہ ایک طرف اس شرتی میں اقرار ہے کہ سورج اور چاند دونوں مخلوق اور پیدا شدہ ہیں اور پھر ان سے مرادیں بھی مانگی گئی ہیں) سورج کے نکلنے پر ستارے اور رات چوروں کی طرح بھاگ جاتے ہیں۔ ہم سورج کے پاس جاتے ہیں جو دیوتاؤں کے بیچ نہایت عمدہ دیوتا ہے۔ اے چاند ہمیں تہمت سے بچا۔ گناہ سے محفوظ رکھ۔ ہمارے توکل سے خوش ہو کر ہمارا دوست ہو جا۔ ایسا ہو کہ تیری قوت زیادہ ہو۔ اے چاند تو دولت کو بخشنے والا ہے اور مشکلوں سے نجات دینے والا۔ ہمارے مکان پر دلیر بہادروں کے ہمراہ آ۔ اے چاند اور اگنی تم مرتبہ میں برابر ہو۔ ہماری تعریفوں کو آپس میں بانٹ لو کہ تم ہمیشہ دیوتاؤں کے سردار رہے ہو۔ میں جل دیوتا کو جس میں ہمارے مویشی پانی پیتے ہیں بلاتا ہوں۔ اے دہرتی دیوتا ایسا ہو کہ تو بہت وسیع ہو جائے۔ تجھ پر کانٹے نہ رہیں۔ اور تو ہمارے رہنے کی جگہ ہو جائے اور ہمیں بڑی خوشی دے۔

(نسیم دعوت۔ روحانی خزائن جلد ۱۹ صفحہ ۳۹۸۔۴۰۰)

---

1. تمام پرانوں کے شجرہ میں لکھا ہے کہ کوسیکا کا بیٹا وشوامتر اور سیانا وید کا بھاشیکار اس کی وجہ بیان کرنے کو کہ اندر کوسیکا کا کیونکر پوتر ہو گیا۔ یہ قصّہ بیان کرتا ہے جو کہ وید کے تتمہ انوکرامیتکا میں درج ہے۔ کہ کوسیکا اشرا تھا کے پُتر نے یہ دل میں خواہش کر کے کہ اندر کی توجہ سے میرا بیٹا ہو۔ تپ جپ اختیار کیا تھا۔ جس تپ کے بدلہ میں خود اندر نے ہی اوس کے گھر جنم لے لیا۔ اور آپ ہی اس کا بیٹا بن گیا۔ منہ

وید صرف اس زمانہ کے موٹے اور پست خیالات ہیں کہ جب آریوں میں ہنوز مخلوق اور خالق میں تمیز کرنے کا مادہ پیدا نہیں ہوا تھا اور عناصر اور اجرام سماوی کو خدائے تعالیٰ کی جگہ دی گئی تھی۔ چنانچہ رگوید کے شاعروں کے وہ سب پر جوش شعر جن میں اندر واگنی وغیرہ سے بہت سی گوئیں اور گھوڑے اور لوٹ کا مال مانگا گیا اس بیان پر شاہد ہیں۔

(سرمہ چشم آریہ۔ روحانی خزائن جلد۲ صفحہ ۳۴۲)

اگر ہم تمام وید اول سے آخر تک پڑھ جائیں تو ہمیں کوئی خدائی صفت اس میں ایسی معلوم نہیں ہوتی جس سے ہمیں خیال آسکے کہ یہ کتاب خدا کی طرف سے ہے۔ نہ اس میں کسی معجزہ کا ذکر ہے اور نہ اس میں کوئی پیشگوئی ہے اور نہ اس میں انسانی طاقت سے بڑھ کر علوم ہیں بلکہ صرف موٹے خیالات ہیں جو جابجا غلطیوں سے بھرے ہوئے ہیں۔

(چشمہ معرفت۔ روحانی خزائن جلد۲۳ صفحہ ۹۶)

حقوق العباد

خداتعالیٰ کی راہ میں زندگی کا وقف کرنا جو حقیقت اسلام ہے دو قسم پر ہے۔ ایک یہ کہ خداتعالیٰ کو ہی اپنا معبود اور مقصود اور محبوب ٹھہرایا جاوے.......دوسری قسم اللہ تعالیٰ کی راہ میں زندگی وقف کرنے کی یہ ہے کہ اسکے بندوں کی خدمت اور ہمدردی اور چارہ جوئی اور باربرداری اور سچی غمخواری میں اپنی زندگی وقف کر دی جاوے۔ دوسروں کو آرام پہنچانے کے لئے دکھ اُٹھاویں اور دوسروں کی راحت کے لئے اپنے پر رنج گوارا کر لیں...... پس حقیقی طور پر اسی وقت کسی کو مسلمان کہا جائے گا جب اسکی غافلانہ زندگی پر ایک سخت انقلاب وارد ہوکر اسکے نفس امّارہ کا نقش ہستی معہ اسکے تمام جذبات کے یکدفعہ مٹ جائے اور پھر اس موت کے بعد محسن لِلّٰہ ہونے کے نئی زندگی اس میں پیدا ہوجائے اور وہ ایسی پاک زندگی ہو جو اس میں بجز طاعت خالق اور ہمدردی مخلوق کے اور کچھ بھی نہ ہو.......

اور خلق کی خدمت اس طرح سے کہ جسقدر خلقت کی حاجات ہیں اور جسقدر مختلف وجوہ اور طُرق کی راہ سے قسّام ازل نے بعض کو بعض کا محتاج کر رکھا ہے ان تمام امور میں محض لِلّٰہ اپنی حقیقی اور بے غرضانہ اور سچی ہمدردی سے جو اپنے وجود سے صادر ہوسکتی ہے اُن کو نفع پہنچاوے اور ہر یک مدد کے محتاج کو اپنی خداداد قوت سے مدد دے اور ان کی دنیا و آخرت دونوں کی اصلاح کیلئے زور لگاوے۔

(آئینہ کمالات اسلام۔ روحانی خزائن جلد ۵ صفحہ ۶۰۔۶۲)

دین کے دو ہی کامل حصے ہیں۔ ایک خدا سے محبت کرنا اور ایک بنی نوع سے اس قدر محبت کرنا کہ ان کی مصیبت کو اپنی مصیبت سمجھ لینا اور ان کے لئے دعا کرنا۔

(نسیم دعوت۔ روحانی خزائن جلد ۱۹ صفحہ ۴۶۴)

اسلامی تعلیم کے رو سے دین اسلام کے حصے صرف دو ہیں یا یوں کہہ سکتے ہیں کہ یہ تعلیم دو بڑے مقاصد پر مشتمل ہے۔ اوّل ایک خدا کو جاننا جیسا کہ وہ فی الواقعہ موجود ہے اور اس سے محبت کرنا اور اسکی سچی اطاعت میں اپنے وجود کو لگانا جیسا کہ شرط اطاعت و محبت ہے۔ دوسرا مقصد یہ ہے کہ اسکے بندوں کی خدمت اور ہمدردی میں اپنے تمام قویٰ کو خرچ کرنا اور بادشاہ سے لیکر ادنیٰ انسان تک جو احسان کرنے والا ہو شکر گزاری اوراحسان کے ساتھ معاوضہ کرنا۔

(تحفہ قیصریہ۔ روحانی خزائن جلد۱۲ صفحہ۲۸۱)

اسلام نے اپنی تعلیم کے دو حصے کئے ہیں۔ اوّل حقوق اللہ دوم حقوق العباد۔ حق اللہ یہ ہے کہ اسکو واجب الاطاعت سمجھے اور حقوق العباد یہ ہے کہ خدا کی مخلوق سے ہمدردی کریں۔ یہ طریق اچھا نہیں کہ صرف مخالفت مذہب کی وجہ سے کسی کو دکھ دیں۔

(لیکچر لدھیانہ۔ روحانی خزائن جلد۲۰ صفحہ۲۸۱)

شریعت کے دو ہی قسم کے حقوق ہیں۔ حقوق اللہ اورحقوق العباد۔ مگر میں جانتا ہوں کہ اگر کوئی بدقسمت نہ ہو تو حقوق اللہ پر قائم ہونا سہل ہے اس لئے کہ وہ تم سے کھانے کو نہیں مانگتااور کسی قسم کی ضرورت اسے نہیں۔ وہ تو صرف یہی چاہتا ہے کہ تم اسے وحدہٗ لاشریک خدا سمجھو۔ اسکی صفات کاملہ پر ایمان لاؤ اور اسکے مرسلوں پر ایمان لاکر ان کی اتباع کرو۔ لیکن حقوق العباد میں آکر مشکلات پیدا ہوتی ہیں جہاں نفس دھوکہ دیتا ہے۔ ایک بھائی کا حق ہے اور اسکے دبا لینے کا فتویٰ دیتا ہے۔ مقدمات ہوتے ہیں تو چاہتا ہے کہ شریک کو ایک حبّہ نہ ملے سب کچھ مجھ ہی کو مل جاوے۔ غرض حقوق العباد میں بہت مشکلات ہیں۔ اس لئے جہانتک ہو سکے اسکی بڑی رعایت اور حفاظت کرنی چاہیئے۔ ایسا نہ ہو کہ آدمی دوسرے کے حقوق تلف کرنیوالا ٹھہرے۔اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے فضل اور توفیق سے ملتا ہے جس کے لئے دعا کی بڑی ضرورت ہے۔

(ملفوظات جلد چہارم۔ جدید ایڈیشن صفحہ ۳۷۱)

خدا تعالیٰ نے دو ہی قسم کے حقوق رکھے ہیں حقوق اللہ اور حقوق العباد۔ جو شخص حقوق العباد کی پروانہیں کرتا وہ آخر حقوق اللہ کو بھی چھوڑ دیتا ہے۔ کیونکہ حقوق العباد کا لحاظ رکھنا یہ بھی تو امرِ الٰہی ہے جو حقوق اللہ کے نیچے ہے۔

(ملفوظات جلد چہارم۔ جدید ایڈیشن صفحہ ۲۷۰)

خداتعالیٰ نے انسان پر دو ذمہ داریاں مقرر کی ہیں۔ ایک حقوق اللہ اور ایک حقوق العباد۔ پھر اس کے دو حصے کئے ہیں یعنی اوّل تو ماں باپ کی اطاعت اور فرمانبرداری اور پھر دوسری مخلوق الٰہی کی بہبودی کا خیال اور اسی طرح ایک عورت پر اپنے ماں باپ اور خاوند اور ساس سسر کی خدمت اور اطاعت۔ پس کیا بدقسمت ہے جو ان لوگوں کی خدمت نہ کر کے حقوق عباد اور حقوق اللہ دونوں کی بجا آوری سے منہ موڑتی ہے۔

(ملفوظات جلد پنجم۔ جدید ایڈیشن صفحہ ۱۸۰)

ہمارے بڑے اصول دو ہیں۔ خدا تعالیٰ کے ساتھ تعلق صاف رکھنا اور اسکے بندوں کے ساتھ ہمدردی اور اخلاق سے پیش آنا۔

(ملفوظات جلد پنجم۔ جدید ایڈیشن صفحہ ۴۱)

سب سے مشکل اور نازک مرحلہ حقوق العباد ہی کا ہے کیونکہ ہر وقت اس کا معاملہ پڑتا ہے اور ہر آن یہ ابتلا سامنے رہتا ہے۔ پس اس مرحلہ پر بہت ہی ہوشیاری سے قدم اُٹھانا چاہیئے۔ میرا تو یہ مذہب ہے کہ دشمن کے ساتھ بھی حد سے زیادہ سختی نہ ہو .... میں سچ کہتا ہوں کہ تم کسی کو اپنا ذاتی دشمن نہ سمجھو اور اس کینہ توزی کی عادت کو بالکل ترک کر دو۔

(ملفوظات جلد چہارم۔ جدید ایڈیشن صفحہ ۴۳۹۔۴۴۰)

نوع انسان پر شفقت اور اس سے ہمدردی کرنا بہت بڑی عبادت ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے یہ ایک زبردست ذریعہ ہے۔

(ملفوظات جلد چہارم۔ جدید ایڈیشن صفحہ ۴۳۸)

اللہ تعالیٰ بار بار فرماتا ہے کہ بغیر لحاظ مذہب ملت کے تم لوگوں سے ہمدردی کرو۔ بھوکوں کو کھلاؤ۔ غلاموں کو آزاد کرو۔ قرض داروں کے قرض دو اور زیر باروں کے بار اُٹھاؤ اور بنی نوع سے سچی ہمدردی کا حق ادا کرو۔

(نور القرآن نمبر۲۔روحانی خزائن جلد ۹صفحہ ۴۳۴)

ہر شخص کو ہر روز اپنا مطالعہ کرنا چاہئے کہ وہ کہاں تک ان امور کی پروا کرتا ہے اور کہاں تک وہ اپنے بھائیوں سے ہمدردی اور سلوک کرتا ہے۔ اس کا بڑا بھاری مطالبہ انسان کے ذمہ ہے۔ حدیث صحیح میں آیا ہے کہ قیامت کے روز خدا تعالیٰ کہے گا کہ میں بھوکا تھا تم نے مجھے کھانا نہ کھلایا۔ میں پیاسا تھا اور تو نے مجھے پانی نہ دیا۔ میں بیمار تھا تم نے میری عیادت نہ کی۔جن لوگوں سے یہ سوال ہو گا وہ کہیں گے کہ اے ہمارے رب تو کب بھوکا تھا جو ہم نے کھانا نہ دیا۔تو کب پیاسا تھا جو پانی نہ دیا اور تو کب بیمار تھا جو تیری عیادت نہ کی۔ پھر خدا تعالیٰ فرمائیگا کہ میرا فلاں بندہ جو ہے وہ ان باتوں کا محتاج تھا مگر تم نے اس کی کوئی ہمدردی نہ کی۔ اس کی ہمدردی میری ہی ہمدردی تھی۔ ایسا ہی ایک اور جماعت کو کہے گا کہ شاباش! تم نے میری ہمدردی کی۔ میں بھوکا تھا تم نے مجھے کھانا کھلایا۔ میں پیاسا تھا تم نے مجھے پانی پلایا وغیرہ۔ وہ جماعت عرض کرے گی کہ اے ہمارے خدا ہم نے کب تیرے ساتھ ایسا کیا؟ تب اللہ تعالیٰ جواب دیگا کہ میرے فلاں بندہ کے ساتھ جو تم نے ہمدردی کی وہ میری ہی ہمدردی تھی۔ دراصل خدا تعالیٰ کی مخلوق کے ساتھ ہمدردی کرنا بہت ہی بڑی بات ہے اور خدا تعالیٰ اس کو بہت پسند کرتا ہے۔

(ملفوظات جلد چہارم۔ جدید ایڈیشن صفحہ ۲۱۵)

تمام انبیاء علیہم السلام کی بعثت کی غرض مشترک یہی ہوتی ہے کہ خدا تعالیٰ کی سچی اور حقیقی محبت قائم کی جاوے اور بنی نوع انسان اور اخوان کے حقوق اور محبت میں ایک خاص رنگ پیدا کیا جاوے۔ جب تک یہ باتیں نہ ہوں تمام امور صرف رسمی ہونگے۔

(ملفوظات جلد دوم ۔جدید ایڈیشن صفحہ ٦٧)

یاد رکھو ہمدردی کا دائرہ میرے نزدیک بہت وسیع ہے۔کسی قوم اور فرد کو الگ نہ کرے۔ میں آجکل کے جاہلوں کی طرح یہ نہیں کہنا چاہتا کہ تم اپنی ہمدردی کو صرف مسلمانوں سے ہی مخصوص کرو۔نہیں۔ میں کہتا ہوں کہ تم خدا تعالیٰ کی ساری مخلوق سے ہمدردی کرو۔خواہ وہ کوئی ہو۔ ہندو ہو یا مسلمان یا کوئی اور۔ میں کبھی ایسے لوگوں کی باتیں پسند نہیں کرتا جو ہمدردی کوصرف اپنی ہی قوم سے مخصوص کرنا چاہتے ہیں ...... میں تمہیں بار بار یہی نصیحت کرتا ہوں کہ تم ہرگز ہرگز اپنی ہمدردی کے دائرہ کومحدود نہ کرو۔

(ملفوظات جلد چہارم۔ جدید ایڈیشن صفحہ ۲۱۷)

تم حقیقی نیکی کو ہرگزنہیں پاسکتے جب تک کہ بنی نوع کی ہمدردی میں وہ مال خرچ نہ کرو جو تمہارا پیارا مال ہے۔غریبوں کا حق ادا کرو۔مسکینوں کو دو۔ مسافروں کی خدمت کرو اور فضولیوں سے اپنے تئیں بچاؤ یعنی بیاہوں شادیوں میں اور طرح طرح کی عیاشی کی جگہوں میں اور لڑکا پیدا ہونے کی رسوم میں جو اسراف سے مال خرچ کیا جاتا ہے اس سے اپنے تئیں بچاؤ۔تم ماں باپ سے نیکی کرو اور قریبیوں سے اور یتیموں سے اور مسکینوں سے اور ہمسایہ سے جو تمہارا قریبی ہے اور ہمسایہ سے جو بیگانہ ہے اور مسافر سے اور نوکر اور غلام اور گھوڑے اور بکری اور بیل اور گائے سے اور حیوانات سے جو تمہارے قبضہ میں ہوں۔ کیونکہ خدا کو جو تمہارا خدا ہے یہی عادتیں پسند ہیں۔ وہ لاپرواہوں اور خود غرضوں سے محبت نہیں کرتا اور ایسے لوگوں کو نہیں چاہتا جو بخیل ہیں اور لوگوں کو بخل کی تعلیم دیتے ہیں اور اپنے مال کو چھپاتے ہیں یعنی محتاجوں کو کہتے ہیں کہ ہمارے پاس کچھ نہیں۔

(اسلامی اصول کی فلاسفی ۔ روحانی خزائن جلد ۱۰ صفحہ ۳۵۸)

سورۃ فاتحہ میں جو اللہ تعالیٰ کی صفات بیان کی گئی ہیں یہ گویا خدا تعالیٰ کے اخلاق ہیں جن سے بندہ کو حصہ لینا چاہئے اور وہ یہی ہے کہ اگر ایک شخص عمدہ حالت میں ہے تو اس کو اپنی نوع کے ساتھ ہر قسم کی ممکن ہمدردی سے پیش آنا چاہئے۔ اگر دوسرا شخص جو اس کا رشتہ دار ہے یا عزیز ہے خواہ کوئی ہے اس سے بیزاری نہ ظاہر کی جاوے اور اجنبی کی طرح اس سے

پیش نہ آئیں بلکہ ان حقوق کی پروا کریں جو اسکے تم پر ہیں۔ اس کو ایک شخص کے ساتھ قرابت ہے اور اس کا کوئی حق ہے تو اس کو پورا کرنا چاہیئے۔

(ملفوظات جلد دوم ۔جدید ایڈیشن صفحہ ۲۶۲)

کسی کا بچہ خراب ہو تو اس کی اصلاح کیلئے وہ پوری کوشش کرتا ہے۔ ایسے ہی اپنے کسی بھائی کو ترک نہ کرنا چاہیئے بلکہ اسکی اصلاح کی پوری کوشش کرنی چاہیئے۔ قرآن کریم کی یہ تعلیم ہرگز نہیں ہے کہ عیب دیکھ کر اسے پھیلاؤ اور دوسروں سے تذکرہ کرتے پھرو۔ بلکہ وہ فرماتا ہے تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ (البلد:۱۸) کہ وہ صبر اور رحم سے نصیحت کرتے ہیں۔ مرحمہ یہی ہے کہ دوسرے کے عیب دیکھ کر اسے نصیحت کی جاوے اور اس کے لئے دعا بھی کی جاوے۔ دعا میں بڑی تاثیر ہے اور وہ شخص بہت ہی قابل افسوس ہے کہ ایک کے عیب کو بیان تو سو مرتبہ کرتا ہے لیکن دعا ایک مرتبہ بھی نہیں کرتا۔

(ملفوظات جلد چہارم۔ جدید ایڈیشن صفحہ ۶۰۔۶۱)

تم جو میرے ساتھ تعلق رکھتے ہو یاد رکھو کہ تم ہر شخص سے خواہ وہ کسی مذہب کا ہو ہمدردی کرو اور بلا تمیز ہر ایک سے نیکی کرو کیونکہ یہی قرآن شریف کی تعلیم ہے۔ وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّ يَتِيْمًا وَّ اَسِيْرًا (الدھر: ۹) وہ اسیر اور قیدی جو آتے تھے اکثر کفار ہی ہوتے تھے۔ اب دیکھ لو کہ اسلام کی ہمدردی کی انتہا کیا ہے۔ میری رائے میں کامل اخلاقی تعلیم بجز اسلام کے اور کسی کو نصیب ہی نہیں ہوئی۔

(ملفوظات جلد چہارم۔ جدید ایڈیشن صفحہ ۲۱۹)

ایک دفعہ ایک مسلمان اور ایک یہودی کا آنجنابؐ کی عدالت میں مقدمہ آیا تو آنجنابؐ نے تحقیقات کے بعد یہودی کو سچا کیا اور مسلمان پر اس کے دعوے کی ڈگری کی۔

(چشمۂ معرفت۔ روحانی خزائن جلد ۲۳ صفحہ ۲۴۳)

اللہ تعالیٰ نے جا بجا رحم کی تعلیم دی ہے۔ یہی اخوت اسلامی کا منشا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے صاف طور پر فرمایا ہے کہ تمام مسلمان مومن آپس میں بھائی ہیں۔ ایسی صورت میں کہ تم میں اسلامی

اخوت قائم ہو اور پھر اس سلسلہ میں ہونے کی وجہ سے دوسری اخوت بھی ساتھ ہو یہ بڑی غلطی ہوگی کہ کوئی شخص مصیبت میں گرفتار ہو اور قضا و قدر سے اسے ماتم پیش آجاوے تو دوسرا تجہیز و تدفین میں بھی اس کا شریک نہ ہو۔ ہرگز ہرگز اللہ تعالیٰ کا یہ منشا نہیں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کے صحابہؓ جنگ میں شہید ہوتے یا مجروح ہوجاتے تو میں یقین نہیں رکھتا کہ صحابہؓ انہیں چھوڑ کر چلے جاتے ہوں یا پیغمبر صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم اس بات پر راضی ہوجاتے کہ وہ ان کو چھوڑ کر چلے جاویں۔

میں سمجھتا ہوں کہ ایسی وارداتوں کے وقت ہمدردی بھی ہوسکتی ہے اور احتیاط مناسب بھی عمل میں لائی جاسکتی ہے۔ اوّل تو کتاب اللہ سے یہ مسئلہ ملتا ہی نہیں کہ کوئی مرض لازمی طور پر دوسرے کو لگ بھی جاتی ہے۔ ہاں جسقدر تجارب سے معلوم ہوتا ہے اس کے لئے بھی نصِ قرآنی سے احتیاط مناسب کا پتہ لگتا ہے۔ جہاں ایسا مرکز وبا کا ہو کہ وہ شدّت سے پھیلی ہوئی ہو وہاں احتیاط کرے۔ لیکن اس کے بھی یہ معنی نہیں کہ ہمدردی ہی چھوڑ دے۔ خداتعالیٰ کا ہرگز یہ منشا نہیں ہے کہ انسان ایک میّت سے اس قدر بُعد اختیار کرے کہ میّت کی ذلّت ہو اور پھر اس کے ساتھ ساری جماعت کی ذلّت ہو۔

(ملفوظات جلد چہارم۔ جدید ایڈیشن صفحہ ۲۶۹۔۲۷۰)

اسکے بندوں پر رحم کرو اور ان پر زبان یا ہاتھ یا کسی تدبیر سے ظلم نہ کرو اور مخلوق کی بھلائی کے لئے کوشش کرتے رہو۔ اور کسی پر تکبر نہ کرو گو اپنا ماتحت ہو۔ اور کسی کو گالی مت دو گو وہ گالی دیتا ہو۔ غریب اور حلیم اور نیک نیت اور مخلوق کے ہمدرد بن جاؤ تا قبول کئے جاؤ۔

(کشتی نوح۔ روحانی خزائن جلد ۱۹ صفحہ ۱۱)

تم اگر چاہتے ہو کہ آسمان پر تم سے خدا راضی ہو تو تم باہم ایسے ایک ہوجاؤ جیسے ایک پیٹ میں سے دو بھائی۔ تم میں سے زیادہ بزرگ وہی ہے جو زیادہ اپنے بھائی کے گناہ بخشتا ہے۔ اور بد بخت ہے وہ جو ضد کرتا ہے اور نہیں بخشتا۔

(کشتی نوح۔ روحانی خزائن ۱۹ صفحہ ۱۲۔۱۳)

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰی [1]

یعنی خدا تم سے کیا چاہتا ہے۔ بس یہی کہ تم تمام نوع انسان سے عدل کے ساتھ پیش آیا کرو۔ پھر اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ ان سے بھی نیکی کرو جنہوں نے تم سے کوئی نیکی نہیں کی۔ پھر اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ تم مخلوق خدا سے ایسی ہمدردی کیساتھ پیش آؤ کہ گویا تم ان کے حقیقی رشتہ دار ہو جیسا کہ مائیں اپنے بچوں سے پیش آتی ہیں۔ کیونکہ احسان میں ایک خودنمائی کا مادہ بھی مخفی ہوتا ہے اور احسان کرنیوالا کبھی اپنے احسان کو جتلا بھی دیتا ہے۔ لیکن وہ جو ماں کی طرح طبعی جوش سے نیکی کرتا ہے وہ کبھی خودنمائی نہیں کرسکتا۔ پس آخری درجہ نیکیوں کا طبعی جوش ہے جو ماں کی طرح ہو۔

(کشتی نوح۔ روحانی خزائن جلد ۱۹ صفحہ ۳۰)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

عَزِیْزٌ عَلَیْہِ مَا عَنِتُّمْ حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ [2]

یعنی اے کافرو یہ نبی ایسا مشفق ہے جو تمہارے رنج کو دیکھ نہیں سکتا اور نہایت درجہ خواہشمند ہے کہ تم ان بلاؤں سے نجات پا جاؤ۔ پھر فرماتا ہے:

لَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفْسَکَ اَلَّا یَکُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ [3]

یعنی کیا تو اس غم سے ہلاک ہوجائیگا کہ یہ لوگ کیوں ایمان نہیں لاتے۔ مطلب یہ ہے کہ تیری شفقت اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ تو ان کے غم میں ہلاک ہونے کے قریب ہے۔

(نورالقرآن نمبر ۲۔ روحانی خزائن جلد ۹ صفحہ ۴۳۳)

میری تو یہ حالت ہے کہ اگر کسی کو درد ہوتا ہو اور میں نماز میں مصروف ہوں میرے کان میں اسکی آواز پہنچ جاوے تو میں تو یہ چاہتا ہوں کہ نماز توڑ کر بھی اگر اسکو فائدہ پہنچا سکتا ہوں تو

---

1. النحل: ۹۱ (مرتب)
2. التوبہ: ۱۲۸ (مرتب)
3. الشعرآء: ۴ (مرتب)

فائدہ پہنچاؤں اور جہانتک ممکن ہے اس سے ہمدردی کروں۔ یہ اخلاق کے خلاف ہے کہ کسی بھائی کی مصیبت اور تکلیف میں اس کا ساتھ نہ دیا جاوے۔ اگر تم کچھ بھی اس کے لئے نہیں کر سکتے تو کم از کم دعا ہی کرو۔ اپنے تو درکنار میں تو یہ کہتا ہوں کہ غیروں اور ہندوؤں کے ساتھ بھی ایسے اخلاق کا نمونہ دکھاؤ اور ان سے ہمدردی کرو۔ لا اُبالی مزاج ہرگز نہیں ہونا چاہئے۔

ایک مرتبہ میں باہر سیر کو جارہا تھا۔ ایک پٹواری عبدالکریم میرے ساتھ تھا۔ وہ ذرا آگے تھا اور میں پیچھے۔ راستہ میں ایک بڑھیا کوئی ۷۰ یا ۷۵ برس کی ضعیفہ ملی۔ اس نے ایک خط اسے پڑھنے کو کہا مگر اس نے اسے جھڑکیاں دے کر ہٹادیا۔ میرے دل پر چوٹ سی لگی۔ اس نے وہ خط مجھے دیا۔ میں اسکو لے کر ٹھہر گیا اور اس کو پڑھ کر اچھی طرح سمجھا دیا۔ اس پر اسے سخت شرمندہ ہونا پڑا۔ کیونکہ ٹھہرنا تو پڑا اور ثواب سے بھی محروم رہا۔

(ملفوظات جلد چہارم۔ جدید ایڈیشن صفحہ ۸۲۔۸۳)

والدین کی خدمت ایک بڑا بھاری عمل ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ دو آدمی بڑے بدقسمت ہیں۔ ایک وہ جس نے رمضان پایا اور رمضان گزر گیا پر اسکے گناہ نہ بخشے گئے اور دوسرا وہ جس نے والدین کو پایا اور والدین گذر گئے اور اسکے گناہ بخشے نہ گئے۔ والدین کے سایہ میں جب بچہ ہوتا ہے تو اسکے تمام ہمّ وغم والدین اُٹھاتے ہیں۔ جب انسان خود دنیوی امور میں پڑتا ہے تب انسان کو والدین کی قدر معلوم ہوتی ہے۔ خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں والدہ کو مقدم رکھا ہے کیونکہ والدہ بچہ کے واسطے بہت دکھ اُٹھاتی ہے۔ کیسی ہی متعدی بیماری بچہ کو ہو چیچک ہو، ہیضہ ہو، طاعون ہو ماں اسکو چھوڑ نہیں سکتی۔

(ملفوظات جلد چہارم۔ جدید ایڈیشن صفحہ ۲۸۹)

فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا[4]

یعنی اپنے والدین کو بیزاری کا کلمہ مت کہو اور ایسی باتیں ان سے نہ کرجن میں ان کی بزرگی کا

4. بنی اسرائیل: ۲۴ (مرتب)

لحاظ نہ ہو۔ اس آیت کے مخاطب تو آنحضرت صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم ہیں لیکن دراصل مرجع کلام امّت کی طرف ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کے والد اور والدہ آپ کی خوردسالی میں ہی فوت ہو چکے تھے۔ اور اس حکم میں ایک راز بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ اس آیت سے ایک عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا گیا ہے کہ تو اپنے والدین کی عزّت کر اور ہر ایک بول چال میں ان کے بزرگانہ مرتبہ کا لحاظ رکھ تو پھر دوسروں کو اپنے والدین کی کس قدر تعظیم کرنی چاہئے۔ اور اسی کی طرف یہ دوسری آیت اشارہ کرتی ہے۔

وَقَضٰی رَبُّکَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآاِیَّاہُ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا [5]

یعنی تیرے رب نے چاہا ہے کہ تو فقط اسی کی بندگی کر اور والدین سے احسان کر۔ اس آیت میں بت پرستوں کو جو بُت کی پوجا کرتے ہیں سمجھایا گیا ہے کہ بت کچھ چیز نہیں ہیں اور بتوں کا تم پر کچھ احسان نہیں ہے۔ انہوں نے تمہیں پیدا نہیں کیا اور تمہاری خورد سالی میں وہ تمہارے متکفل نہیں تھے۔ اور اگر خدا جائز رکھتا کہ اس کے ساتھ کسی اور کی بھی پرستش کی جائے تو یہ حکم دیتا کہ تم والدین کی بھی پرستش کرو کیونکہ وہ بھی مجازی ربّ ہیں۔ اور ہر ایک شخص طبعاً یہانتک کہ درند چرند بھی اپنی اولاد کو ان کی خوردسالی میں ضائع ہونے سے بچاتے ہیں۔ پس خدا کی ربوبیت کے بعد ان کی بھی ایک ربوبیت ہے اور وہ جوش ربوبیت کا بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

(حقیقۃ الوحی۔ روحانی خزائن جلد۲۲ صفحہ ۲۱۳۔۲۱۴)

پہلی حالت انسان کی نیک بختی کی ہے کہ والدہ کی عزت کرے۔ اویس قرنیؓ کے لئے بسااوقات رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم یمن کی طرف کو منہ کر کے کہا کرتے تھے کہ مجھے یمن کی طرف سے خدا کی خوشبو آتی ہے۔ آپؐ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ وہ اپنی والدہ کی فرمانبرداری میں بہت مصروف رہتا ہے اور اسی وجہ سے میرے پاس بھی نہیں آسکتا۔ بظاہر یہ بات ایسی ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم موجود ہیں۔ مگر وہ ان کی زیارت نہیں کر سکتے۔

---

5. بنی اسرائیل: ۲۴ (مرتب)

صرف اپنی والدہ کی خدمت گزاری اور فرمانبرداری میں پوری مصروفیت کی وجہ سے۔ مگر میں دیکھتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے دو ہی آدمیوں کو السّلام علیکم کی خصوصیت سے وصیت فرمائی۔ یا اویسؓ کو یا مسیحؑ کو۔ یہ ایک عجیب بات ہے جو دوسرے لوگوں کو ایک خصوصیت کے ساتھ نہیں ملی۔ چنانچہ لکھا ہے کہ جب حضرت عمرؓ ان سے ملنے کو گئے تو اویس نے فرمایا کہ والدہ کی خدمت میں مصروف رہتا ہوں اور میرے اونٹوں کو فرشتے چرایا کرتے ہیں۔ ایک تو یہ لوگ ہیں جنہوں نے والدہ کی خدمت میں اس قدر سعی کی اور پھر یہ قبولیت اور عزّت پائی۔ ایک وہ ہیں جو پیسہ پیسہ کے لئے مقدمات کرتے ہیں اور والدہ کا نام ایسی بری طرح لیتے ہیں کہ رذیل قومیں چوہڑے چمار بھی کم لیتے ہوں گے۔ ہماری تعلیم کیا ہے؟ صرف اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی پاک ہدایت کا بتلا دینا ہے۔ اگر کوئی میرے ساتھ تعلق ظاہر کر کے اسکو ماننا نہیں چاہتا تو وہ ہماری جماعت میں کیوں داخل ہوتا ہے؟ ایسے نمونے سے دوسروں کو ٹھوکر لگتی ہے اور وہ اعتراض کرتے ہیں کہ ایسے لوگ ہیں جو ماں باپ تک کی بھی عزّت نہیں کرتے۔ میں تم سے سچ سچ کہتا ہوں کہ مادر پدر آزاد کبھی خیر و برکت کا منہ نہ دیکھیں گے۔ پس نیک نیّتی کے ساتھ اور پوری اطاعت اور وفاداری کے رنگ میں خدا رسول کے فرمودہ پر عمل کرنے کو تیار ہو جاؤ۔ بہتری اسی میں ہے ورنہ اختیار ہے۔ ہمارا کام صرف نصیحت کرنا ہے۔

(ملفوظات جلد اوّل۔ جدید ایڈیشن صفحہ ۱۹۵۔۱۹۶)

جو شخص اپنے ماں باپ کی عزّت نہیں کرتا اور امور معروفہ میں جو خلاف قرآن نہیں ہیں ان کی بات کو نہیں مانتا اور ان کی تعہد خدمت سے لاپرواہ ہے وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔

(کشتی نوح۔ روحانی خزائن جلد ۱۹ صفحہ ۱۹)

ایک شخص نے سوال کیا کہ یا حضرت! والدین کی خدمت اور انکی فرمانبرداری اللہ تعالیٰ نے انسان پر فرض کی ہے مگر میرے والدین حضور کے سلسلہ بیعت میں داخل ہونے کی وجہ سے مجھ سے سخت بیزار ہیں اور میری شکل تک دیکھنا پسند نہیں کرتے۔ چنانچہ جب میں حضور کی بیعت کے واسطے آنے کو تھا تو انہوں نے مجھے کہا کہ ہم سے خط و کتابت بھی نہ کرنا اور اب

ہم تمہاری شکل بھی دیکھنا پسند نہیں کرتے۔ اب میں اس فرض الٰہی کی تعمیل سے کس طرح سبکدوش ہوسکتا ہوں۔ فرمایا کہ:

قرآن شریف جہاں والدین کی فرمانبرداری اور خدمت گزاری کا حکم دیتا ہے وہاں یہ بھی فرماتا ہے کہ: رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَافِيْ نُفُوْسِكُمْ ؕ اِنْ تَكُوْنُوْا صَالِحِيْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا.

(بنی اسرائیل : ۲۶)

اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے۔ اگر تم صالح ہوتو وہ اپنی طرف جھکنے والوں کے واسطے غفور ہے۔

صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بھی بعض ایسے مشکلات پیش آگئے تھے کہ دینی مجبوریوں کی وجہ سے انکی ان کے والدین سے نزاع ہوگئی تھی۔ بہرحال تم اپنی طرف سے ان کی خیریت اور خبرگیری کے واسطے ہر وقت تیار رہو۔ جب کوئی موقع ملے اسے ہاتھ سے نہ دو۔ تمہاری نیت کا ثواب تم کومل کے رہیگا۔ اگر محض دین کی وجہ سے اور اللہ تعالیٰ کی رضا کو مقدم کرنے کے واسطے والدین سے الگ ہونا پڑا ہے تو یہ ایک مجبوری ہے۔ اصلاح کو مدّنظر رکھو اور نیت کی صحت کا لحاظ رکھو اور ان کے حق میں دعا کرتے رہو۔ یہ معاملہ کوئی آج نیا نہیں پیش آیا۔ حضرت ابراہیمؑ کو بھی ایسا ہی واقعہ پیش آیا تھا۔ بہرحال خدا کا حق مقدم ہے۔ پس خدا تعالیٰ کو مقدم کرو اور اپنی طرف سے والدین کے حقوق ادا کرنے کی کوشش میں لگے رہو اور ان کے حق میں دعا کرتے رہو اور صحت نیت کا خیال رکھو۔

(ملفوظات جلد پنجم۔ جدید ایڈیشن صفحہ ۴۵۰)

بٹالہ کے سفر کے دوران حضرت اقدس شیخ عبدالرحمٰن صاحب قادیانی سے ان کے والد صاحب کے حالات دریافت فرماتے رہے اور نصیحت فرمائی کہ ان کے حق میں دعا کیا کرو۔ ہر طرح اور حتی الوسع والدین کی دلجوئی کرنی چاہئے اور ان کو پہلے سے ہزار چند زیادہ اخلاق اور اپنا پاکیزہ نمونہ دکھلا کر اسلام کی صداقت کا قائل کرو۔ اخلاقی نمونہ ایسا معجزہ ہے کہ جسکی دوسرے معجزے برابری نہیں کر سکتے۔ سچے اسلام کا یہ معیار ہے کہ اس سے انسان اعلیٰ درجہ

کے اخلاق پر ہو جاتا ہے اور وہ ایک ممیّز شخص ہوتا ہے۔ شائد خدا تعالیٰ تمہارے ذریعہ ان کے دل میں اسلام کی محبت ڈال دے۔ اسلام والدین کی خدمت سے نہیں روکتا۔ دنیوی امور جن سے دین کا حرج نہیں ہوتا ان کی ہر طرح سے پوری فرمانبرداری کرنی چاہئے۔ دل و جان سے انکی خدمت بجالاؤ۔

(ملفوظات جلد دوم ۔جدید ایڈیشن صفحہ۴۹۲)

ظہر کے وقت حضور نے ایک نووارد صاحب سے ملاقات کی اور ان کو تاکید کی کہ وہ اپنے والد کے حق میں جو سخت مخالف ہیں دعا کیا کریں۔ انہوں نے عرض کی کہ حضور میں دعا کیا کرتا ہوں اور حضور کی خدمت میں بھی دعا کے لئے ہمیشہ لکھا کرتا ہوں۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ توجہ سے دعا کرو۔ باپ کی دعا بیٹے کے واسطے اور بیٹے کی باپ کے واسطے قبول ہوا کرتی ہے۔ اگر آپ بھی توجہ سے دعا کریں تو اس وقت ہماری دعا کا بھی اثر ہوگا۔

(ملفوظات جلد دوم ۔جدید ایڈیشن صفحہ۵۰۲)

تم ماتحتوں پر اور اپنی بیویوں پر اور اپنے غریب بھائیوں پر رحم کرو تا آسمان پر تم پر بھی رحم ہو۔
(کشتی نوح۔ روحانی خزائن جلد ۱۹ صفحہ ۱۳)

فحشاء کے سوا باقی تمام کج خلقیاں اور تلخیاں عورتوں کی برداشت کرنی چاہئیں اور فرمایا۔ ہمیں تو کمال بے شرمی معلوم ہوتی ہے کہ مرد ہو کر عورت سے جنگ کریں. ہم کو خدا نے مرد بنایا ہے اور درحقیقت یہ ہم پر اتمامِ نعمت ہے۔ اس کا شکر یہ ہے کہ ہم عورتوں سے لطف اور نرمی کا برتاؤ کریں.......

میرا یہ حال ہے کہ ایک دفعہ میں نے اپنی بیوی پر آوازہ کسا تھا اور میں محسوس کرتا تھا کہ وہ بانگِ بلند دل کے رنج سے ملی ہوئی ہے۔ اور بایں ہمہ کوئی دل آزار اور درشت کلمہ منہ سے نہیں نکالا تھا۔ اس کے بعد میں بہت دیر تک استغفار کرتا رہا اور بڑے خشوع اور خضوع سے نفلیں پڑھیں اور کچھ صدقہ بھی دیا کہ یہ درشتی زوجہ پر کسی پنہانی معصیّت الٰہی کا نتیجہ ہے۔

(ملفوظات جلد اوّل ۔جدید ایڈیشن صفحہ ۳۰۷)

میری اپنی تو یہ حالت ہے کہ میری کوئی نماز ایسی نہیں ہے جس میں میں اپنے دوستوں اور اولاد اور بیوی کے لئے دعا نہیں کرتا۔ بہت سے والدین ایسے ہیں جو اپنی اولاد کو بری عادتیں سکھا دیتے ہیں۔ ابتداء میں جب وہ بدی کرنا سیکھنے لگتے ہیں تو ان کو تنبیہ نہیں کرتے۔نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ دن بدن دلیر اور بے باک ہوتے جاتے ہیں۔ایک حکایت بیان کرتے ہیں کہ ایک لڑکا اپنے جرائم کی وجہ سے پھانسی پر لٹکایا گیا۔ اس آخری وقت میں اس نے خواہش کی کہ میں اپنی ماں سے ملنا چاہتا ہوں۔ جب اسکی ماں آئی تو اس نے ماں کے پاس جاکر اسے کہا کہ میں تیری زبان کو چوسنا چاہتا ہوں۔ جب اس نے زبان نکالی تو اسے کاٹ کھایا۔ دریافت کرنے پر اس نے کہا کہ اسی ماں نے مجھے پھانسی پر چڑھایا ہے کیونکہ اگر یہ مجھے پہلے ہی روکتی تو آج میری یہ حالت نہ ہوتی۔

حاصل کلام یہ ہے کہ لوگ اولاد کی خواہش تو کرتے ہیں مگر نہ اسلئے کہ وہ خادم دین ہو بلکہ اس لئے کہ دنیا میں ان کا کوئی وارث ہو۔ اور جب اولاد ہوتی ہے تو اسکی تربیت کا فکر نہیں کیا جاتا۔ نہ اس کے عقائد کی اصلاح کی جاتی ہے اور نہ اخلاقی حالت کو درست کیا جاتا ہے۔ یہ یاد رکھو کہ اس کا ایمان درست نہیں ہوسکتا جو اقرب تعلقات کو نہیں سمجھتا۔ جب وہ اس سے قاصر ہے تو اور نیکیوں کی اُمید اس سے کیا ہوسکتی ہے۔اللہ تعالیٰ نے اولاد کی خواہش کو اس طرح پر قرآن میں بیان فرمایا ہے :

رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا.(الفرقان : ۷۵)

یعنی خدا تعالیٰ ہمکو ہماری بیویوں اور بچوں سے آنکھ کی ٹھنڈک عطا فرماوے۔ اور یہ تب ہی میسر آسکتی ہے کہ وہ فسق و فجور کی زندگی بسر نہ کرتے ہوں بلکہ عباد الرحمٰن کی زندگی بسر کرنے والے ہوں اور خدا کو ہر شے پر مقدم کرنیوالے ہوں۔ اور آگے کھول کر کہہ دیا وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا اولاد اگر نیک اور متقی ہو تو ان کا امام ہی ہوگا۔ اس سے گویا متقی ہونے کی بھی دعا ہے۔

(ملفوظات جلد اوّل۔ جدید ایڈیشن صفحہ ۵۶۲-۵۶۳)

قرآن شریف نے جس قدر والدین اور اولاد اور دیگر اقارب اور مساکین کے حقوق بیان

کئے ہیں میں نہیں خیال کرتا کہ وہ حقوق کسی اور کتاب میں لکھے گئے ہوں جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔وَاعۡبُدُوا اللّٰہَ وَلَا تُشۡرِکُوۡا بِہٖ شَیۡئًا وَّ بِالۡوَالِدَیۡنِ اِحۡسَانًا وَّبِذِی الۡقُرۡبٰی وَالۡیَتٰمٰی وَالۡمَسٰکِیۡنِ وَالۡجَارِ ذِی الۡقُرۡبٰی وَالۡجَارِ الۡجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالۡجَنۡۢبِ وَابۡنِ السَّبِیۡلِ ۙ وَمَا مَلَکَتۡ اَیۡمَانُکُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ مَنۡ کَانَ مُخۡتَالًا فَخُوۡرَا. (الجزو نمبر ۵ سورۃ النساء)[6]

(ترجمہ): تم خدا کی پرستش کرو۔ اور اُس کے ساتھ کسی کو مت شریک ٹھہراؤ۔ اور اپنے ماں باپ سے احسان کرو اور اُن سے بھی احسان کرو جو تمہارے قرابتی ہیں (اس فقرہ میں اولاد اور بھائی اور قریب اور دور کے تمام رشتہ دار آ گئے) اور پھر فرمایا کہ یتیموں کے ساتھ بھی احسان کرو اور مسکینوں کے ساتھ بھی اور جو ایسے ہمسایہ ہوں جو قرابت والے بھی ہوں اور ایسے ہمسایہ ہوں جو محض اجنبی ہوں اور ایسے رفیق بھی جو کسی کام میں شریک ہوں یا کسی سفر میں شریک ہوں یا نماز میں شریک ہوں یا علمِ دین حاصل کرنے میں شریک ہوں اور وہ لوگ جو مسافر ہیں اور وہ تمام جاندار جو تمہارے قبضہ میں ہیں سب کے ساتھ احسان کرو۔ خدا ایسے شخص کو دوست نہیں رکھتا جو تکبر کرنے والا اور شیخی مارنے والا ہو جو دوسروں پر رحم نہیں کرتا۔[7]

---

6. النساء: ۳۷ (مرتب)

7. ایک دوسری جگہ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:وَوَصَّیۡنَا الۡاِنۡسَانَ بِوَالِدَیۡہِ اِحۡسَانًا ؕ حَمَلَتۡہُ اُمُّہٗ کُرۡہًا ؕ وَّ وَضَعَتۡہُ کُرۡہًا وَحَمۡلُہٗ وَفِصٰلُہٗ ثَلٰثُوۡنَ شَہۡرًا ؕ حَتّٰۤی اِذَا بَلَغَ اَشُدَّہٗ وَبَلَغَ اَرۡبَعِیۡنَ سَنَۃً ۙ قَالَ رَبِّ اَوۡزِعۡنِیۡۤ اَنۡ اَشۡکُرَ نِعۡمَتَکَ الَّتِیۡۤ اَنۡعَمۡتَ عَلَیَّ وَعَلٰی وَالِدَیَّ وَاَنۡ اَعۡمَلَ صَالِحًا تَرۡضٰہُ وَاَصۡلِحۡ لِیۡ فِیۡ ذُرِّیَّتِیۡ ؕ اِنِّیۡ تُبۡتُ اِلَیۡکَ وَاِنِّیۡ مِنَ الۡمُسۡلِمِیۡنَ ☆ (الجزو ۲۶ سورۃ الاحقاف) (ترجمہ) اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے کی تاکید کی ہے یہ اس وجہ سے کہ مشکل سے اس کی ماں نے اپنے پیٹ میں اس کو رکھا اور مشکل ہی سے اس کو جنا اور یہ مشکلات اس دور دراز مدت تک رہتی ہیں کہ اس کا پیٹ میں رہنا اور اس کے دودھ کا چھوٹنا تیس مہینہ میں جا کر تمام ہوتا ہے یہاں تک کہ جب ایک نیک انسان اپنی پوری قوت کو پہنچتا ہے تو دُعا کرتا ہے کہ اے میرے پروردگار مجھ کو اس بات کی توفیق دے کہ تو نے جو مجھ پر اور میرے ماں باپ پر احسانات کئے ہیں تیرے اُن احسانات کا شکریہ ادا کرتا رہوں اور مجھے اس بات کی بھی توفیق دے کہ میں کوئی

☆ الاحقاف: ۱۶ (مرتب)

اور پھر والدین کے حقوق کی بجا آوری کے لئے قرآن شریف میں ایک اور جگہ حکم فرمایا ہے اور وہ یہ ہے:

وَقَضٰی رَبُّکَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاہُ وَ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا ؕ اِمَّا یَبْلُغَنَّ عِنْدَکَ الْکِبَرَ اَحَدُھُمَآ اَوْ کِلٰھُمَا فَلَا تَقُلْ لَّھُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْھَرْ ھُمَا وَقُلْ لَّھُمَا قَوْلًا کَرِیْمًاo وَاخْفِضْ لَھُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْھُمَا کَمَا رَبَّیَانِیْ صَغِیْرًا. (الجزو نمبر ۱۵ سورۃ بنی اسرائیل)[8]

(ترجمہ) تیرے رب نے یہ حکم کیا ہے کہ تم فقط میری ہی پرستش کرو اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرو اور اگر تیرے سامنے ان میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں پس تو اُن کی نسبت کوئی بیزاری کا لفظ منہ پر مت لا اور اُن کو مت جھڑک اور سخت لفظ مت بول اور جب تو اُن سے بات کرے تو تعظیم اور ادب سے کر اور مہربانی کی راہ سے اُن دونوں کے آگے اپنے بازو جھکا دے اور دعا کرتا رہ کہ اے میرے پروردگار ان دونوں پر رحم کر جیسا کہ انہوں نے بچپن کے زمانہ میں رحم کر کے میری پرورش کی۔

اور پھر ایک جگہ فرماتا ہے:

کُتِبَ عَلَیْکُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَکُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَکَ خَیْرًا ۖۚ اِلْوَصِیَّةُ لِلْوَالِدَیْنِ وَ الْاَقْرَبِیْنَ بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَی الْمُتَّقِیْنَo فَمَنْۢ بَدَّلَہٗ بَعْدَ مَا سَمِعَہٗ فَاِنَّمَآ اِثْمُہٗ عَلَی الَّذِیْنَ یُبَدِّلُوْنَہٗ ؕ اِنَّ اللّٰہَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌo فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا اَوْ اِثْمًا فَاَصْلَحَ بَیْنَھُمْ فَلَآ اِثْمَ عَلَیْہِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ. (الجزو نمبر ۲ سورۃ البقرہ)[9]

ترجمہ۔تم پر فرض کیا گیا ہے کہ جس وقت تم میں سے کسی کی موت کا وقت آجاوے تو اگر اُس

بقیہ حاشیہ: ایسا نیک عمل کروں جس سے تو راضی ہوجائے اور میرے پر یہ بھی احسان کر کہ میری اولاد نیک بخت ہو اور میرے لئے خوشی کا موجب ہو اور میں اولاد پر بھروسہ نہیں کرتا بلکہ ہر یک حاجت کے وقت تیری طرف رجوع کرتا ہوں اور میں ان میں سے ہوں جو تیرے آگے اپنی گردن رکھ دیتے ہیں نہ کسی اور کے آگے۔ منہ

8. بنی اسرائیل: ۲۴۔۲۵ (مرتب)

9. البقرۃ: ۱۸۱۔۱۸۳ (مرتب)

نے کچھ مال چھوڑا ہے تو چاہیئے کہ ماں باپ کے لئے اس مال میں سے کچھ وصیت کرے۔ ایسا ہی خویشوں کے لئے بھی معروف طور پر جو شرع اور عقل کے رو سے پسندیدہ ہے اور مستحسن سمجھا جاتا ہے وصیت کرنی چاہیئے۔ یہ خدا نے پرہیزگاروں کے ذمہ ایک حق ٹھہرا دیا جس کو بہر حال ادا کرنا چاہیئے یعنی خدا نے سب حقوق پر وصیت کو مقدم رکھا ہے اور سب سے پہلے مرنے والے کے لئے یہی حکم دیا ہے کہ وہ وصیت لکھے۔ اور پھر فرمایا کہ جو شخص سننے کے بعد وصیت کو بدل ڈالے تو یہ گناہ اُن لوگوں پر ہے جو جرم تبدیل وصیت کے عمداً مرتکب ہوں۔ تحقیق اللہ سنتا اور جانتا ہے یعنی ایسے مشورے اُس پر مخفی نہیں رہ سکتے اور یہ نہیں کہ اُس کا علم ان باتوں کے جاننے سے قاصر ہے۔ اور پھر فرمایا کہ جس شخص کو یہ خوف دامن گیر ہوا کہ وصیت کرنے والے نے کچھ کجی اختیار کی ہے یعنی بغیر سوچنے سمجھنے کے کچھ غلطی کر بیٹھا ہے یا کسی گناہ کا مرتکب ہوا ہے یعنی عمداً کوئی ظلم کیا ہے اور اُس نے اس بات پر اطلاع پا کر جنکے لئے وصیت کی گئی ہے اس میں کچھ مناسب اصلاح کر دے تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔ تحقیق اللہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

اور پھر حقوق اولاد کے بارہ میں ایک جگہ فرمایا:

وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ط وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ. (الجزو نمبر ۲ سورۃ البقرہ)[10]

(ترجمہ) یعنی ماؤں کو چاہیئے کہ اپنے بچوں کو دو برس کامل تک دودھ پلاویں اگر وہ مدّت رضاعت کو پورا کرنا چاہتی ہیں۔ اور اُن کی خوراک پوشاک اس مرد کے ذمہ ہے جس کے وہ بچے ہیں۔

اور پھر ایک دوسرے مقام میں فرماتا ہے:

لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ص وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ ط نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا o وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَالْيَتَامٰى

10. البقرہ: ۲۳۴ (مرتب)

وَالْمَسَاكِينُ فَارْزُقُوهُم مِّنْهُ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوفًاo وَلْيَخْشَ الَّذِينَ لَوْ تَرَكُوا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعَافًا خَافُوا عَلَيْهِمْ ص فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ وَلْيَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًاo اِنَّ الَّذِينَ يَاْكُلُونَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا ط وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًاo يُوصِيكُمُ اللّٰهُ فِيٓ اَوْلَادِكُمْ ق لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ج فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ج وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ط وَلِاَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنْ كَانَ لَهُ وَلَدٌ فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُ وَلَدٌ وَّوَرِثَهُ اَبَوَاهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ ج فَاِنْ كَانَ لَهُ اِخْوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ مِنْ م بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوصِي بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ط اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ لَا تَدْرُونَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ط فَرِيضَةً مِّنَ اللّٰهِ ط اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًاo وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ ج فَاِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْ م بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوصِينَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ط وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ ج فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْ م بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ط وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّورَثُ كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ وَّ لَهٗٓ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ج فَاِنْ كَانُوٓا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَآءُ فِي الثُّلُثِ مِنْ م بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوصٰى بِهَآ اَوْ دَيْنٍ لا غَيْرَ مُضَآرٍّ ج وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ ط وَاللّٰهُ عَلِيمٌ حَلِيمٌo

(الجزو نمبر ۴ سورۃالنساء)[11]

ترجمہ: مردوں کے لئے اُس جائیداد میں سے ایک حصہ ہے جو ماں باپ اور قرابتی چھوڑ گئے ہوں۔ ایسا ہی عورتوں کے لیے اس جائیداد میں سے ایک حصہ ہے جو ماں باپ اور قرابتی چھوڑ گئے ہوں۔ اس میں سے کسی کا حصہ تھوڑا ہو یا بہت ہو بہر حال ہرایک کے لئے ایک حصہ مقرر کیا گیا ہے۔ اور جب ترکہ کے تقسیم کے وقت ایسے قرابتی لوگ حاضر آویں جن کو حصہ نہیں پہنچتا، ایسا ہی اگر یتیم اور مسکین بھی تقسیم کے موقع پر آجاویں تو کچھ کچھ اس مال میں سے اُن کو دے دو اور اُن سے معقول طور پر پیش آؤ یعنی نرمی اور خلق کے ساتھ پیش آؤ اور سخت جواب نہ دو۔اور وارثان حقدار کو ڈرنا چاہیئے کہ اگر وہ خود چھوٹے چھوٹے بچے چھوڑ مرتے تو ان کے حال پر اُن کو کیسا کچھ ترس نہ آتا اور کیسی وہ اُن کی کمزوری کی حالت کو دیکھ

11. النساء :۸۔۱۳ (مرتب)

کر خوف سے بھر جاتے۔ پس چاہئے کہ وہ کمزور بچوں کے ساتھ سختی کرنے میں اللہ سے ڈریں اور اُن کے ساتھ سیدھی طرح بات کریں یعنی کسی قسم کے ظلم اور حق تلفی کا ارادہ نہ کریں۔ جو لوگ یتیموں کا مال ناحق خورد بُرد کرتے ہیں وہ مال نہیں کھاتے بلکہ آگ کھاتے ہیں۔ تمہاری اولاد کے حصوں کے بارے میں خدا کی یہ وصیت ہے کہ لڑکے کو دو لڑکیوں کے برابر حصہ دیا کرو۔ [12] پھر اگر لڑکیاں دو یا دو سے بڑھ کر ہوں تو جو کچھ مرنے والے نے چھوڑا ہے اُس مال میں سے اُن کا حصہ تہائی ہے۔ اور اگر لڑکی اکیلی ہو تو وہ مال متروکہ میں سے نصف کی مستحق ہے۔ اور میت کے ماں باپ کو یعنی دونوں میں سے ہر ایک کو اس مال میں سے جو میّت نے چھوڑا ہے چھٹا حصہ ہے اور یہ اس حالت میں کہ مرنے والا کچھ اولاد چھوڑ گیا ہو۔ اور اگر مرنے والا لاولد مرا ہو اور اُس کے وارث صرف ماں باپ ہوں تو ماں کا حصہ صرف ایک تہائی ہے۔ باقی سب باپ کا۔ اگر ماں باپ کے علاوہ میت کے ایک سے زیادہ بھائی یا بہنیں ہوں تو اس صورت میں ماں کا چھٹا حصہ ہوگا۔ لیکن یہ حصہ وصیت یا قرض کے ادا کرنے کے بعد دینا ہوگا۔ تمہارے باپ ہوں یا بیٹے تمہیں معلوم نہیں کہ اُن میں سے باعتبار نفع رسانی کے کونسا تم سے زیادہ قریب ہے۔ پس جو حصے خدا نے قرار دے دیئے ہیں اُن پر کار بند ہو جاؤ۔ کیونکہ یہ وہ صرف خدا ہی ہے جس کا علم غلطی اور خطا سے پاک ہے اور جو حکمت سے کام کرتا اور ہر ایک مصلحت سے واقف ہے۔ اور جو ترکہ تمہاری بیبیاں چھوڑ مریں پس اگر وہ لاولد مر جاویں تو اُن کے ترکے میں سے تمہارا آدھا حصہ ہے۔ اور اگر تمہاری بیبیوں کی اولاد ہے تو اس حالت میں اُن کے ترکہ میں سے تمہارا حصہ چوتھائی ہے مگر وصیت یا قرض کے ادا کرنے کے بعد۔ اور اگر تم مر جاؤ اور تمہاری کچھ اولاد نہ ہو تو تمہاری بیبیوں کا حصہ تمہارے مال میں سے چوتھائی ہے۔ اور اگر تمہاری اولاد ہو تو اُنکا حصہ تمہارے ترکہ میں سے آٹھواں ہے مگر اس امر کے بعد کہ پہلے اُن کی وصیت کی تعمیل کی جائے یا جو کچھ اُن کے

---

12. یہ اِس لئے ہے کہ لڑکی سسرال میں جا کر ایک حصہ لیتی ہے۔ پس اس طرح سے ایک حصہ ماں باپ کے گھر سے پا کر اور ایک حصہ سسرال سے پا کر اس کا حصہ لڑکے کے برابر ہو جاتا ہے۔ منہ

سر پر قرضہ ہے وہ ادا کیا جائے۔اور اگر کسی مرد یا عورت کی میراث ہو اور وہ ایسا ہو کہ اُس کا نہ باپ ہو نہ بیٹا اور اُس کی بھائی یا بہن ہو تو اُن بھائی یا بہنوں میں سے ہر ایک کے لئے چھٹا حصہ ہے۔ اور اگر وہ ایک سے زیادہ ہوں تو اس صورت میں ایک تہائی میں سب شریک ہوں گے مگر ضروری ہوگا کہ پہلے وصیت کی تعمیل کی جائے یا اگر مرنے والے کے ذمہ قرض ہو تو وہ ادا کیا جائے۔لیکن اس وصیت اور اس قرض میں ایک شرط ہے اور وہ یہ ہے کہ اس وصیت یا اس قرضہ کے ذریعہ سے مرنیوالے نے کسی کو نقصان پہنچانا نہ چاہا ہو۔ اس طرح پر کہ ایک ثلث سے زیادہ کی وصیت کر دی ہو یا ایک فرضی قرضہ ظاہر کیا ہو۔ یہ خدا کا حکم ہے وہ خدا جس کے علم سے کوئی چیز باہر نہیں اور وہ علیم ہے اس لئے وہ باوجود علم کے نافرمان کو جلدی سزا نہیں دیتا یعنی وہ سزا دینے میں دھیما ہے.....اب ان تمام آیات سے صاف ظاہر ہے کہ کیسے خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں والدین کے حق کو تاکید کے ساتھ ظاہر فرمایا ہے اور ایسا ہی اولاد کے حقوق بلکہ تمام اقارب کے حقوق ذکر فرمائے ہیں اور مساکین اور یتیموں کو بھی فراموش نہیں کیا بلکہ ان حیوانات کا حق بھی انسانی مال میں ٹھہرایا ہے جو کسی انسان کے قبضہ میں ہوں۔

(چشمہ معرفت۔ روحانی خزائن جلد ۲۳ صفحہ ۲۰۸۔۲۱۴)

ایک شخص نے پوچھا کہ حکام اور برادری سے کیسا سلوک کریں؟ فرمایا ہر ایک سے نیک سلوک کرو۔ حکام کی اطاعت اور وفاداری ہر مسلمان کا فرض ہے۔ وہ ہماری حفاظت کرتے اور ہر قسم کی مذہبی آزادی ہمیں دے رکھی ہے۔ میں اسکو بڑی بے ایمانی سمجھتا ہوں کہ گورنمنٹ کی اطاعت اور وفاداری سچے دل سے نہ کی جاوے۔
برادری کے حقوق ہیں۔ ان سے بھی نیک سلوک کرنا چاہئے۔ البتہ ان باتوں میں جو اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کے خلاف ہیں ان سے الگ رہنا چاہئے۔ ہمارا اصول تو یہ ہے کہ ہر ایک سے نیکی کرو اور خدا تعالیٰ کی کل مخلوق سے احسان کرو۔

(ملفوظات جلد چہارم۔ جدید ایڈیشن صفحہ ۸۰)

حدیث شریف میں ہمسایہ کی خبر گیری اور اس کے ساتھ ہمدردی کا حکم آیا ہے۔ بلکہ یہانتک بھی ہے کہ اگر تم گوشت پکاؤ تو شوربا زیادہ کرلو تا کہ اُسے بھی دے سکو۔ اب کیا ہوتا ہے اپنا ہی پیٹ پالتے ہیں لیکن اس کی کچھ پروانہیں۔ یہ مت سمجھو کہ ہمسایہ سے اتنا ہی مطلب ہے جو گھر کے پاس رہتا ہو بلکہ جو تمہارے بھائی ہیں وہ بھی ہمسایہ ہی ہیں خواہ وہ سو کوس کے فاصلے پر بھی ہوں۔

(ملفوظات جلد چہارم ۔جدید ایڈیشن صفحہ ۲۱۵)

کوئی شخص عیسائی ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا۔حضرت نے اس کی بہت سی تواضع و خاطر داری کی۔ وہ بہت بھوکا تھا۔حضرت نے اس کو خوب کھلایا کہ اس کا پیٹ بہت بھر گیا۔ رات کو اپنی رضائی عنایت فرمائی۔ جب وہ سو گیا تو اس کو بہت زور سے دست آیا کہ وہ روک نہ سکا اور رضائی میں ہی کر دیا۔ جب صبح ہوئی تو اس نے سوچا کہ میری حالت کو دیکھ کر کراہت کرینگے۔شرم کے مارے وہ نکل کر چلا گیا۔ جب لوگوں نے دیکھا تو حضرت سے عرض کی کہ جو نصرانی عیسائی تھا وہ رضائی کو خراب کر گیا ہے۔اس میں دست کیا ہوا ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ وہ مجھے دو تا کہ میں صاف کروں۔لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت آپ کیوں تکلیف اُٹھاتے ہیں ہم جو حاضر ہیں۔ ہم صاف کر دینگے۔حضرت نے فرمایا کہ وہ میرا مہمان تھا اسلئے میرا ہی کام ہے اور اُٹھکر پانی منگوا کر خود ہی صاف کرنے لگے۔ وہ عیسائی جبکہ ایک کوس نکل گیا تو اس کو یاد آیا کہ اس کے پاس جو سونے کی صلیب تھی وہ چارپائی پر بھول آیا ہوں۔ اسلئے وہ واپس آیا تو دیکھا کہ حضرت اس کے پاخانہ کو رضائی پر سے خود صاف کر رہے ہیں۔اس کو ندامت آئی اور کہا کہ اگر میرے پاس یہ ہوتی تو میں کبھی اس کو نہ دھوتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایسا شخص کہ جس میں اتنی بے نفسی ہے وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ پھر وہ مسلمان ہوگیا۔

(ملفوظات جلد سوم۔ جدید ایڈیشن صفحہ ۳۷۰۔۳۷۱)

میرا ہمیشہ خیال رہتا ہے کہ کسی مہمان کو تکلیف نہ ہو بلکہ اسکے لئے ہمیشہ تاکید کرتا رہتا ہوں

کہ جہانتک ہو سکے مہمانوں کو آرام دیا جاوے۔ مہمان کا دل مثل آئینہ کے نازک ہوتا ہے اور ذرا سی ٹھیس لگنے سے ٹوٹ جاتا ہے۔ اس سے پیشتر میں نے یہ انتظام کیا ہوا تھا کہ خود بھی مہمانوں کے ساتھ کھانا کھاتا تھا۔ مگر جب سے بیماری نے ترقی کی اور پرہیزی کھانا کھانا پڑا۔ تو پھر وہ التزام نہ رہا۔ ساتھ ہی مہمانوں کی کثرت اس قدر ہوگئی کہ جگہ کافی نہ ہوتی تھی اس لئے بمجبوری علیحدگی ہوئی۔ ہماری طرف سے ہر ایک کو اجازت ہے کہ اپنی تکلیف کو پیش کر دیا کرے۔ بعض لوگ بیمار ہوتے ہیں۔ ان کے واسطے الگ کھانے کا انتظام ہوسکتا ہے۔

(ملفوظات جلد سوم۔ جدید ایڈیشن صفحہ ۲۹۲)

آپؑ نے منتظمان باورچی خانہ کو تاکید کی کہ:

آج کل موسم بھی خراب ہے اور جس قدر لوگ آئے ہوئے ہیں یہ سب مہمان ہیں اور مہمان کا اکرام کرنا چاہئے۔ اس لئے کھانے وغیرہ کا انتظام عمدہ ہو۔ اگر کوئی دودھ مانگے دودھ دو۔ چائے مانگے چائے دو۔ کوئی بیمار ہو تو اسکے موافق الگ کھانا اسے پکا دو۔

(ملفوظات جلد سوم۔ جدید ایڈیشن صفحہ ۴۱۵۔۴۱۶)

سید حبیب اللہ صاحب کو مخاطب کر کے فرمایا کہ:

آج میری طبیعت علیل تھی اور میں باہر آنے کے قابل نہ تھا مگر آپ کی اطلاع ہونے پر میں نے سوچا کہ مہمان کا حق ہوتا ہے جو تکلیف اُٹھا کر آیا ہے۔ اس واسطے میں اس حق کو ادا کرنے کے لیے باہر آ گیا ہوں۔

(ملفوظات جلد پنجم۔ جدید ایڈیشن صفحہ ۱۶۳)

اگر کوئی مہمان آوے اور سبّ وشتم تک بھی اسکی نوبت پہنچے تو تم کو چاہئے کہ چُپ کر رہو۔ جس حال میں کہ وہ ہمارے حالات سے واقف نہیں ہے نہ ہمارے مریدوں میں وہ داخل ہے تو کیا حق ہے کہ ہم اس سے وہ ادب چاہیں جو ایک مرید کو کرنا چاہئے۔ یہ بھی ان کا احسان ہے کہ نرمی سے بات کرتے ہیں۔ خدا کرے کہ ہماری جماعت پر وہ دن آوے کہ جو لوگ محض ناواقف ہیں اگر وہ آویں تو بھائیوں کی طرح سلوک کریں۔ بھلا ان لوگوں کو کیا

پڑی ہے کہ تکلیف اُٹھا کر کچی سڑک پر دھکے کھاتے آتے ہیں۔ پیغمبر خدا فرماتے ہیں کہ زیارت کرنیوالے کا حق ہے کہ جو چاہے کہے۔ ہمارے لئے تلخی کرنا معصیت ہے۔ ان کو اسی لئے ٹھہراتا ہوں کہ یہ غلطی رفع ہو۔ بھائیوں کی طرح سلوک کیا کرو اور پیش آیا کرو۔

(ملفوظات جلد سوم۔ جدید ایڈیشن صفحہ ۷۹۔۸۰ حاشیہ)

میاں ہدایت اللہ صاحب احمدی شاعر لاہور پنجاب جو کہ حضرت اقدس کے ایک عاشق صادق ہیں اپنی اس پیرانہ سالی میں بھی چند دنوں سے گورداسپور آئے ہوئے تھے۔ آج [13] انہوں نے رخصت چاہی جس پر حضرت اقدس نے فرمایا کہ:

آپ جا کر کیا کرینگے۔ یہاں ہی رہیئے اکٹھے چلیں گے۔ آپ کا یہاں رہنا باعث برکت ہے۔ اگر کوئی تکلیف ہو تو بتلا دو۔ اس کا انتظام کر دیا جاوے گا۔

پھر اس کے بعد آپ نے عام طور پر جماعت کو مخاطب کر کے فرمایا کہ:

چونکہ آدمی بہت ہوتے ہیں اور ممکن ہے کہ کسی کی ضرورت کا علم (اہل عملہ کو) نہ ہو اس لئے ہر ایک شخص کو چاہیئے کہ جس شے کی اسے ضرورت ہو وہ بلا تکلف کہدے۔ اگر کوئی جان بوجھ کر چھپاتا ہے تو وہ گنہگار ہے۔ ہماری جماعت کا اصول ہی بے تکلفی ہے۔

(ملفوظات جلد چہارم۔ جدید ایڈیشن صفحہ ۷۹)

ہماری جماعت کا اعلیٰ فرض ہے کہ وہ اپنے اخلاق کا تزکیہ کریں اور حقوق عباد اور حقوق اللہ کے ادا کرنے کی دقیق سے دقیق رعایت کیا کریں۔ کوئی منصوبہ اور جعل ان کے کسی عضو پر نہ ہو۔ کوئی کتّا اور بلّی بھی ان کے احسان سے محروم نہ رہے چہ جائیکہ بنی آدم۔ میں ان لوگوں کو بہت برا جانتا ہوں جو دین کی آڑ میں کسی غیر قوم کی جانی و مالی ایذاء روا رکھتے ہیں۔

(ملفوظات جلد پنجم۔ جدید ایڈیشن صفحہ ۳۲۶)

اگر انسان خدا تعالیٰ کے لئے کوئی فعل کرے تو خواہ وہ کتنا ہی چھوٹا کیوں نہ ہو اللہ تعالیٰ اسے ضائع نہیں کرتا اور اس کا بدلہ دیتا ہے۔ میں نے تذکرۃ الاولیاء میں پڑھا ہے کہ ایک ولی اللہ

---

13. ۲۶ جولائی ۱۹۰۴ء (مرتب)

فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ بارش ہوئی اور کئی روز تک رہی۔ ان بارش کے دنوں میں میں نے دیکھا کہ ایک اسّی برس کا بوڑھا گبر ہے جو کوٹھے پر چڑیوں کے لئے دانے ڈال رہا ہے۔ میں نے اس خیال سے کہ کافر کے اعمال حبط ہوجاتے ہیں اس سے کہا کہ کیا تیرے اس عمل سے تجھے کچھ ثواب ہوگا۔ اس گبر نے جواب دیا کہ ہاں ضرور ہوگا۔ پھر وہی ولی اللہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ جو میں حج کو گیا تو دیکھا کہ وہی گبر طواف کر رہا ہے۔ اس گبر نے مجھے پہچان لیا اور کہا کہ دیکھو ان دانوں کا مجھے ثواب مل گیا یا نہیں؟ یعنی وہی دانے میرے اسلام تک لانے کا موجب ہوگئے۔

(ملفوظات جلد چہارم۔ جدید ایڈیشن صفحہ ۲۱۶)

ایسا ہی ایک جگہ فرمایا:

وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّ يَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا. اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا.[14]

یعنی مومن وہ ہیں جو خدا کی محبت سے مسکینوں اور یتیموں اور اسیروں کو کھانا کھلاتے ہیں اور انہیں کہتے ہیں کہ ہم محض خدا کی محبت اور اس کے منہ کے لیے تمہیں دیتے ہیں۔ ہم تم سے کوئی بدلہ نہیں چاہتے اور نہ شکر گزاری چاہتے ہیں۔

(سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کا جواب۔ روحانی خزائن جلد ۱۲ صفحہ ۳۶۸)

خدا کی پاک کلام میں بنی نوع کے لئے رحم کا لفظ آیا ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے:

تَوَاصَوْا بِالْحَقِّ [15] وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ [16] یعنی مومن وہ ہیں جو حق اور رحم کی وصیت کرتے ہیں۔

اور پھر دوسری جگہ فرماتا ہے: اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِى الْقُرْبٰى [17] یعنی خدا کا

14. الدھر: ۹۔۱۰ (مرتب)
15. العصر: ۴ (مرتب)
16. البلد: ۱۸ (مرتب)
17. النحل: ۹۱ (مرتب)

حکم یہ ہے کہ تم عام لوگوں کے ساتھ عدل کرو اور اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ تم احسان کرو اور اس سے بڑھکر یہ ہے کہ تم بنی نوع سے ایسی ہمدردی بجا لاؤ جیسا کہ ایک قریبی کو اپنے قریبی کے ساتھ ہوتی ہے۔

اب سوچنا چاہئے کہ اس سے زیادہ دنیا میں اور کونسی اعلیٰ تعلیم ہوگی جس میں تمام بنی نوع کے ساتھ نیکی کرنا صرف احسان کی حد تک محدود نہیں رکھا۔ بلکہ وہ درجہ جوش طبعی بھی بیان کر دیا جس کا نام ایتاء ذی القربیٰ ہے۔ کیونکہ احسان کرنے والا اگرچہ احسان کے وقت ایک نیکی کرتا ہے مگر جزاء اور پاداش کا خواہاں ہوتا ہے۔ اسی لئے وہ کبھی منکر احسان اور کافر نعمت پر ناراض بھی ہوجاتا ہے اور کبھی جوش میں آکر اپنا احسان بھی یاد دلاتا ہے۔ مگر طبعی جوش سے نیکی کرنا جس کو قرآن نے ذوی القربیٰ کی نیکی کے ساتھ مشابہت دی ہے یہ درحقیقت آخری درجہ نیکی کا ہے جس کے بعد اور کوئی مرتبہ نیکی کا نہیں۔ کیونکہ ماں کی نیکی بچہ کے ساتھ اور اس کا رحم ایک طبعی جوش ہے اور ناکارہ شیر خوار سے کوئی شکر گزاری مطلوب نہیں۔ یہ تین درجے بنی نوع کی حق گزاری کے ہیں جو قرآن شریف نے بیان فرمائے ہیں۔

(سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کا جواب۔ روحانی خزائن جلد ۱۲ صفحہ ۳۶۹۔۳۷۰)

جدید فلسفہ اور فلاسفرز

فلسفہ موجودہ ثابت شدہ صداقتوں کے مقابل پر بالکل مردہ اور بے طاقت ہے۔ کوئی علم نیا ہو یا پرانا واقعات صحیحہ پر غالب نہیں آ سکتا۔ اگر میں دو اور دو کو چار کہوں تو مجھے اس سے کیا اندیشہ ہے کہ کوئی بڑا فلاسفر میری مخالفت پر کھڑا ہے۔ یا اگر میں دن کو دن ہی سمجھوں تو مجھے کیوں اس بات سے ڈرنا چاہیئے کہ اگر ایک گروہ فلاسفروں کا میرے سامنے اس وقت دن کو رات کہہ رہا ہے۔ کوئی غذا بدن کو ایسی قوت نہیں پہنچا سکتی کہ جیسے برہان یقینی اور انکشاف تام دل کو۔ اور یہ انکشاف اور یہ برہان جو معرفتِ الٰہی اور معاد میں مطلوب ہے جو درحقیقت سرچشمۂ نجات ہے صرف اس سچے عرفان سے حاصل ہوتا ہے جو صابر انسان کو بعد ایمان کے ملتا ہے۔ پرانے یا نئے فلسفہ کے ذریعہ سے ہرگز حاصل نہیں ہوسکتا۔ لیکن ان لوگوں پر یہ امر مشتبہ رہتا ہے کہ جو نہ ایمان کو مرتبہ کمال تک پہنچاتے ہیں تا اس کے انوار معلوم کریں اور نہ فلسفہ میں پوری ترقی کرتے ہیں تا اس کے زہریلے اثر پورے طور پر ان پر ظاہر ہوں۔ ہر یک چیز کی پوری حقیقت اس کے کمال سے کھلتی ہے۔ مثلاً اگر کسی زہر یا تریاق کی اصل حقیقت معلوم کرنی ہو تو اسکی پوری خوراک کھا کر دیکھیں اور اگر کسی فلاسفر یا نبی کی ہدایات کے نتائج کاملہ دریافت کرنے مقصود ہوں تو پورے طور پر اس کے چیلے یا متبعین بنیں۔ آپ کو معلوم ہو گا کہ فلسفہ کا کمال جس حد تک انسان کو پہنچاتا رہا ہے اور اب بھی پہنچاتا ہے وہ وہی حد ہے جس کو دہریت کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ کیا آپ کا گمان ہے کہ حقیقی خدادانی کے وہ لوگ وارث ہیں جو فلاسفر کہلاتے ہیں۔ کیا حقیقی انکسار اور حقیقی تقویٰ اور حقیقی خدا ترسی اور کامل طور پر خدائے تعالیٰ کی عظمتوں کو دل میں بٹھانا جو حقیقی خدا دانی کے نتائج ہیں کبھی ان فلاسفروں کو میسر ہوئے ہیں یا اب میسر ہیں۔ کیا فلسفہ کی کتابوں کی ورق گردانی

سے اس سچی معرفت کی امید ہے جو نفسانی جذبات سے آزاد کرتی اور محبت الٰہی دل میں بٹھاتی ہے۔ میری دانست میں تو ہرگز نہیں۔ فلسفہ کے علم کا انتہائی معراج تو یہی ہے کہ ایسا انسان جو صرف فلسفہ کا تابع ہے خدا اور رسول اور بہشت اور دوزخ سے بکلّی دستبردار ہو جائے اور تکبر اور رعونت اور نفس پرستی اختیار کر لیوے۔ ان کے نزدیک اقرار وجود ذات مدبّر بالارادہ صرف ایک وہم اور صوم وصلوٰۃ تضیع اوقات اور فکرِ معاد مجنونانہ خیال ہے۔ یہی انکی تو رگ وپے میں وہ باتیں پھیلی ہوئی ہیں جو ایک پرزور انجن کی طرح ہر دم دہریت کی طرف کھینچتی چلی جاتی ہیں۔ اسلامی حکمت اور معرفت کا مرکز دائرہ وجود باری اور اس کا مدبّر بالارادہ ہونا اور اس کا واحد لاشریک ہونا ہے اور اسی کے مناسب حال ہمارے دین کے تمام مسائل ہیں۔ اور فلسفیوں کی حکمت اور معرفت کا اصل مرکز دائرہ دہریت ہے اور اسی کے مناسب حال انکی تمام تحقیقاتیں ہیں۔ ہاں ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو صرف برائے نام خدا تعالیٰ کو علت العلل سمجھتے ہیں۔ لیکن اس کو مدبر بالارادہ اور اپنی مخلوق میں متصرف اور عام جمیع جزئیات کائنات یقین نہیں رکھتے اور کوئی اختیار یا تصرف اس کا عالم پر تسلیم نہیں کرتے۔ سو وہ بھی درحقیقت دہریوں کے چھوٹے بھائی ہیں۔

(آئینہ کمالات اسلام۔ روحانی خزائن جلد ۵ صفحہ ۲۴۲۔ ۲۴۵ حاشیہ)

آجکل کے فلسفی الطبع لوگوں کی یہ بڑی بھاری غلطی ہے کہ اول وہ قانون قدرت کو ایسا سمجھ بیٹھے ہیں جسکی من کل الوجوہ حد بست ہو چکی ہے۔ اور پھر بعد اس کے جو امر نیا پیش آئے اس کو ہرگز نہیں مانتے۔ اور ظاہر ہے کہ اس خیال کی بنا راستی پر نہیں ہے۔ اور اگر یہی سچ ہوتا تو پھر کسی نئی بات کے ماننے کیلئے کوئی سبیل باقی نہ رہتا اور امورِ جدیدہ کا دریافت کرنا غیر ممکن ہو جاتا کیونکہ اس صورت میں ہر یک نیا فعل بصورت نقص قوانین طبعی نظر آئیگا اور اس کے ترک کرنے سے ناحق ایک جدید صداقت کو ترک کرنا پڑیگا۔ یہی وجہ ہے کہ یہ منحوس اصول آجتک دکھانے کے ہی دانت رہے ہیں نہ کھانے کے۔ اور امور جدیدہ کا قوی ظہور اس قاعدہ کی تاروپود کو ہمیشہ توڑتا رہا ہے۔ جب کسی زمانہ میں کوئی جدید خاصہ متعلق علم طبعی یا ہیئت

وغیرہ علوم کے متعلق ظہور پکڑتا رہا ہے تو ایک مرتبہ فلسفہ کے شیش محل پر ایک سخت بھونچال کا موجب ہوا ہے جس سے متکبر فلسفیوں کا شورشرارہ کچھ عرصہ کے واسطے فرو ہوتا رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان لوگوں کے خیالات ہمیشہ پلٹے کھاتے رہے ہیں۔اور کبھی ایک ہی صورت یا ایک ہی نقشہ پر ہرگز قائم نہیں رہے۔ اگر کوئی صفحات تاریخ زمانہ میں واقعات سوانح عمری حکماء پر غور کرے تو اس کو معلوم ہو جائے گا کہ انکے خیالات کی ٹرین کتنی مختلف سڑکوں یا یہ کہ کسقدر متناقض چالوں پر چلی ہے اور کیسے داغ خجالت اور ندامت کے ساتھ ایک رائے کو دوسری رائے سے تبدیل کرتے آئے ہیں اور کیونکر انہوں نے ایک مدت دراز تک کسی بات کا انکار کر کے اور قانون قدرت سے اسکو باہر سمجھ کر آخر نہایت متندّ مانہ حالت میں اسی بات کو قبول کر لیا ہے۔ سو اس تبدیل آراء کا کیا سبب تھا یہی تو تھا کہ جو کچھ انہوں نے سمجھ رکھا تھا وہ ایک ظنّی بات تھی جس کے مشاہدات جدیدہ نے تکذیب کی سوجن شکلوں اور حالتوں میں وہ مشاہدات جدیدہ جلوہ گر ہوئے انہیں کے موافق انکی راؤں کی پٹری بدلتی اور الٹی پلٹتی رہی اور جدھر تجارب جدیدہ کا رخ پلٹتا رہا ادھر ہی انکے خیالات کی ہوائیں پلٹا کھاتی رہیں۔ غرض فلسفیوں کے خیالات کی لگام ہمیشہ امور جدید الظہور کے ہاتھ میں رہی ہے اور اب بھی بہت کچھ ان کی نظروں سے چھپا ہوا ہے جسکی نسبت امید کی جاتی ہے کہ وہ آئندہ ٹھوکریں کھا کھا کر اور طرح طرح کی رسوائیاں اٹھا اٹھا کر کسی نہ کسی وقت قبول کریں گے۔ کیونکہ قوانینِ قدرت انسانی عقل کے دفتر میں ابھی تک ایسے مضبوط نہیں اور نہ ہو سکتے ہیں جن پر نظر کر کے نئی تحقیقاتوں سے نو امیدی ہو۔ کیا کوئی عقلمند خیال کر سکتا ہے کہ انسان دنیا کے مکتب خانہ میں باوجود اپنی اس قدر عمر قلیل کے تحصیل اسرار ازلی ابدی سے بکلّی فراغت پا چکا ہے۔ اور اب اس کا تجربہ عجائبات الٰہیہ پر ایسا محیط ہو گیا ہے کہ جو کچھ اس کے تجربہ سے باہر ہو وہ فی الحقیقت خدائے تعالیٰ کی قدرت سے باہر ہے۔ میں جانتا ہوں کہ ایسا خیال بجز ایک بے شرم اور ابلہ آدمی کے کوئی دانشمند نہیں کر سکتا۔ فلاسفروں میں سے جو واقعی نیک دانا اور سچے روحانی آدمی گزرے ہیں انہوں نے خود تسلیم کر لیا کہ ہمارے خیالات جو محدود اور منقبض

ہیں خدا اور اسکے بے انتہا بھیدوں اور حکمتوں کی شناخت کا ذریعہ نہیں ہو سکتے۔ بارہا فلاسفروں نے اپنی راؤں میں ندامتیں اٹھائیں اور صدہا خواص قاعدہ طبعی کے برخلاف اور قوانین طبعیہ کے نقیض ہوکر پھر مشاہدہ کے رو سے ثابت ہو گئے تو آخر وہ ماننے ہی پڑے اور علوم طبعی یا ہیئت کی وہاں کچھ پیش نہ گئی۔

(سرمہ چشم آریہ۔ روحانی خزائن جلد۲ صفحہ ۹۱۔۹۲)

اگرچہ نادان فلاسفروں نے بہت ہی زور لگایا کہ زمین و آسمان کے اجرام و اجسام کی پیدائش کو اپنے سائنس یعنی طبعی قواعد کے اندر داخل کر لیں اور ہر ایک پیدائش کے اسباب قائم کریں۔ مگر سچ یہی ہے کہ وہ اس میں ناکام اور نامراد رہے ہیں۔ اور جو کچھ ذخیرہ اپنی طبعی تحقیقات کا انہوں نے جمع کیا ہے وہ بالکل ناتمام اور ناممکل ہے اور یہی وجہ ہے کہ وہ کبھی اپنے خیالات پر قائم نہیں رہ سکے اور ہمیشہ ان کے خود تراشیدہ خیالات میں تغیر تبدّل ہوتا رہتا ہے اور معلوم نہیں کہ آگے کس قدر ہوگا۔ اور چونکہ انکی تحقیقاتوں کی یہ حالت ہے کہ تمام مدار ان کا صرف اپنی عقل اور قیاس پر ہے اور خدا سے کوئی مدد ان کو نہیں ملتی اسلئے وہ تاریکی سے باہر نہیں آ سکتے۔

(چشمہ معرفت۔ روحانی خزائن جلد۲۳ صفحہ ۲۸۱)

جاننا چاہیے کہ خدائے تعالیٰ اور عالم مجازات اور دیگر امور مبدء اور معاد کے ماننے میں فلسفیوں کا طریقہ انبیاء علیہم السّلام کے طریقہ سے بہت مختلف ہے۔ نبیوں کے طریق کا اصل اعظم یہ ہے کہ ایمان کا ثواب تب مترتب اور بارور ہوگا کہ جب غیب کی باتوں کو غیب ہی کی صورت میں قبول کیا جائے اور ظاہری حواس کی کھلی کھلی شہادتیں یا دلائل ہندسیہ کے یقینی اور قطعی ثبوت طلب نہ کئے جائیں کیونکہ تمام و کمال مدار ثواب اور استحقاق قرب و توصّلِ الٰہی کا تقویٰ پر ہے۔ اور تقویٰ کی حقیقت وہی شخص اپنے اندر رکھتا ہے جو افراط آمیز تفتیشوں اور لمبے چوڑے انکاروں اور ہر ہر جزئی کی موشگافی سے اپنے تئیں بچاتا ہے اور صرف دور اندیشی کے طور سے ایک راہ کی سچائی کا دوسری راہوں پر غلبہ اور رجحان دیکھ کر

بحسن ظن قبول کر لیتا ہے۔ اسی بات کا نام ایمان ہے اور اسی ایمان پر فیوض الٰہی کا دروازہ کھلتا ہے اور دنیا وآخرت میں سعادتیں حاصل ہوتی ہیں۔ جب کوئی نیک بندہ ایمان پر محکم قدم مارتا ہے اور پھر دعا اور نماز اور فکر اور نظر سے اپنی حالتِ علمی میں ترقی چاہتا ہے تو خدائے تعالیٰ خود اس کا متولی ہو کر اور آپ اس کا ہاتھ پکڑ کر درجۂ ایمان سے درجہ عین الیقین تک اس کو پہنچا دیتا ہے۔ مگر یہ سب کچھ بعد استقامت و مجاہدات و ریاضات و تزکیہ و تصفیہ نفس ملتا ہے پہلے نہیں۔ اور جو شخص پہلے ہی تمام جزئیات کی بکلّی صفائی کرنا چاہتا ہے اور قبل از صفائی اپنے بد عقائد اور بد اعمال کو کسی حالت میں چھوڑنا نہیں چاہتا وہ اس ثواب اور اس راہ کے پانے سے محروم ہے۔ کیونکہ ایمان اسی حد تک ایمان ہے جب تک وہ امور جن کو مانا گیا ہے کسی قدر پردۂ غیب میں ہیں یعنی ایسی حالت پر واقعہ ہیں جو ابھی تک عقلی ثبوت نے ان پر احاطہ تام نہیں کیا اور نہ کسی کشفی طور پر وہ نظر آئی بلکہ ان کا ثبوت صرف غلبہ ظن تک پہنچا ہے وبس۔

یہ تو انبیا کا سچا فلسفہ ہے جس پر قدم مارنے سے کروڑہا بندگان خدا آسمانی برکتیں پا چکے ہیں اور جس پر ٹھیک ٹھیک چلنے سے بے شمار خلق اللہ معرفت تامہ کے درجہ تک پہنچ چکی ہیں اور ہمیشہ پہنچتی ہیں اور جن اعلیٰ درجہ کے تعینوں کو شوخی اور جلدی سے فلسفی لوگوں نے ڈھونڈا اور نہ پایا وہ سب مراتب ان ایماندار بندوں کو بڑی آسانی سے مل گئے اور اس سے بھی بڑھ کر اس میں معرفت تامہ کے درجہ تک پہنچ گئے کہ جو کسی فلسفی کے کانوں نے اس کو نہیں سنا اور نہ اس کی آنکھ نے دیکھا اور نہ کبھی اسکے دل میں گزرا۔ لیکن اسکے مقابلہ پر خشک فلاسفروں کا جھوٹا اور مغشوش فلسفہ جس پر آجکل کے نو تعلیم یافتہ لوگ فریفتہ ہو رہے ہیں اور جس کے بد نتائج کی بے خبری نے بہت سے سادہ لوحوں کو برباد کر دیا ہے یہ ہے کہ جب تک کسی اصل یا فرع کا قطعی طور پر فیصلہ نہ ہو جائے اور بکلی اسکا انکشاف نہ ہو جائے تب تک اسکو ہرگز ماننا نہیں چاہیئے گو خدا ہو یا کوئی اور چیز ہو۔ ان میں سے اعلیٰ درجہ کے اور کامل فلاسفر جنہوں نے ان اصولوں کی سخت پابندی اختیار کی تھی انہوں نے اپنا نام محققین رکھا جن کا دوسرا نام دہریہ بھی

ہے۔ ان کامل فلاسفروں کا بہ پابندی اپنے اصول قدیمہ کے یہ مذہب رہا ہے کہ چونکہ خدائے تعالیٰ کا وجود قطعی طور پر بذریعہ عقل ثابت نہیں ہوسکتا اور نہ ہم نے اس کو بچشم خود دیکھا اس لئے ایسے خدا کا ماننا ایک امر مظنون اور مشتبہ کا مان لینا ہے جو اصول متقررہ فلسفہ سے بکلی بعید ہے۔ سو انہوں نے پہلے ہی خدائے تعالیٰ کو درمیان سے اڑایا۔ پھر فرشتوں کا یوں فیصلہ کیا کہ یہ بھی خدائے تعالیٰ کی طرح نظر نہیں آتے چلو یہ بھی درمیان سے اٹھاؤ۔ پھر روحوں کی طرف متوجہ ہوئے اور یہ رائے ظاہر کی کہ ہم کوئی ثبوت قابل اطمینان اس بات پر نہیں دیکھتے کہ بعد مرنے کے روح باقی رہ جاتی ہے، نہ کوئی روح نظر آتی ہے اور نہ واپس آ کر کچھ اپنا قصہ سناتی ہے بلکہ سب روحیں مفارقت بدن کے بعد خدا اور فرشتوں کی طرح بے اثر و بے نشان ہیں۔ سو ان کا بھی وجود ماننا خلاف دلیل و برہان ہے۔ ان سب فیصلوں کے بعد انکی نظر عمیق نے تکالیف شرعیہ کی مشقت اور حلال حرام کا فرق اصول فلسفہ کا سخت مخالف سمجھا۔ اس لئے انہوں نے صاف صاف اپنی رائے ظاہر کر دی کہ ماں اور بہن اور جورو میں فرق کرنا یا اور چیزوں میں سے بلا ثبوت ضرر طبی بعض چیزوں کو حرام سمجھ لینا، یہ سب بناوٹی باتیں ہیں جن پر کوئی فلسفی دلیل قائم نہیں ہوسکتی۔ اسی طرح انہوں نے یہ بھی بیان کیا کہ ننگا رہنے میں کوئی شناعت عقلی ثابت نہیں ہوتی بلکہ اس میں طبی قواعد کے رو سے فوائد ہیں۔ اسی طرح ان فلاسفروں کے اور بھی مسائل ہیں۔ اور خلاصہ انکے مذہب کا یہی ہے کہ وہ بجز دلائل قطعیہ عقلیہ کے کسی چیز کو نہیں مانتے اور انکی فلسفیانہ نگاہ میں گو کیسی کوئی بدعملی ہو جب تک براہین قطعیہ فلسفیہ سے اسکا بد ہونا ثابت نہ ہولے یعنی جب تک اس میں کوئی طبی ضرر یا دنیوی بدانتظامی متصور نہ ہو تب تک اس کا ترک کرنا بیجا ہے۔ مگر جو دوسرے درجہ کے فلاسفر ہیں انہوں نے لوگوں کے لعن طعن سے اندیشہ کر کے اپنے فلاسفری اصولوں کو کچھ نرم کر دیا ہے اور قوم کے خوف اور ہم جنسوں کی شرم سے خدا اور عالم جزا اور دوسری کئی باتوں کو ظنی طور پر تسلیم کر بیٹھے ہیں لیکن یہ اعلیٰ درجہ کے فلاسفر ان کو سخت نالائق اور بدفہم اور غبی الطبع اور بزدل اور اپنی سوسائٹی کے بدنام کنندہ خیال کرتے ہیں کیونکہ انہوں نے فلاسفر ہونے کا دعویٰ تو کیا لیکن اصول فلسفہ پر

جیسا کہ حق چلنے کا تھا نہیں چلے۔ اس لئے اول درجہ کے فلاسفر اس بات سے عار رکھتے ہیں کہ ان ناقصوں کو فلاسفر کے باعزت لفظ سے مخاطب یا موسوم کیا جائے۔ کیونکہ انہوں نے کچھ کچھ تو فلسفہ کے طریقہ پر قدم مارا اور کچھ عام لوگوں کی ملامت لعنت سے ڈر کر نبیوں کے عقائد میں بھی (جو فلسفیوں کے منشاء کے موافق قطعی اور یقینی دلائل سے ثابت نہیں ہو سکتے) ٹانگ اڑا دی اسلئے یہ لوگ ان کی نظر میں نیم حکیم ہیں، حقیقی فلاسفر نہیں۔ ہاں ممکن بلکہ قرین قیاس ہے اور امید کی جاتی ہے کہ جیسے جیسے ایک سخت جوش قطعی اور یقینی اور نہایت واشگاف ثبوت عقلی طلب کرنے کا انکے مستعد اور ہونہار لوگوں کے دلوں میں آتا جائے گا ویسی ویسی وہ کسریں جو باقی رہ گئے ہیں ان کے خیالات سے وہ سب نکل جائیں گے اور عقائد اور اعمال میں پوری پوری مطابقت اپنے بڑے بھائیوں سے کر لینگے۔ تب وہ شیطانی اور ظلمانی دو کالے پانی دنیا کے برباد کرنے کے لئے ایک ہی ہو کر بہیں گے۔ اور اگر آئندہ ذریت میں فلسفہ نے ترقی کی تو وہ بجائے اسکے کہ حال کے فلسفیوں کی طرح یہ سوال کریں کہ اگر ملائک یا شیاطین کچھ چیز ہیں تو ہمیں دکھلاؤ یہ اعلیٰ درجہ کے سوالات کریں گے کہ اگر خدا اور اسکی قدرتیں کچھ چیز ہیں تو ہمیں ظاہر ظاہر بلاواسطہ اسباب دکھاؤ اور اگر روحیں بعد مفارقت بدن باقی رہ جاتی ہیں اور ان کا وجود بھی کچھ چیز ہے تو وہ بھی ہمیں دکھلاؤ۔ غرض جیسے جیسے ان نوآموزوں کے فلسفہ میں صیقل ہوتا جائے گا اعلیٰ سے اعلیٰ سوال ان کے دلوں میں پیدا ہوتے جائیں گے یہاں تک کہ اول درجہ کے فلاسفروں سے ہاتھ جا ملائیں گے۔ ابھی تو حال کچا اور خیال بھی کچا ہے۔

(سرمہ چشم آریہ۔ روحانی خزائن جلد۲ صفحہ ۸۳۔۸۹ حاشیہ)

حضورؑ نے پوچھا کہ:

’’یہ موجودہ فلسفہ اکثر طبیعتوں میں بے دینی کیوں پیدا کر دیتا ہے۔‘‘

ماسٹر غلام محمد صاحب سیالکوٹی نے کہا کہ دراصل جو طبیعتیں پہلے ہی سے بے دینی کی طرف مائل ہوتی ہیں وہی اس سے اثر پذیر ہوتی ہیں ورنہ اکثر بڑے بڑے فلاسفر مزاج پادری اپنے مذہب میں پکے ہوتے ہیں۔

حضرت اقدسؑ نے فرمایا کہ:

ان باتوں پرغور کرنے کے بعد افسوس کے ساتھ ذہن دوسری طرف منتقل ہو جاتا ہے کہ ایک طرف تو یہ پادری لوگ کالجوں اور سکولوں میں فلسفہ اور منطق پڑھاتے ہیں اور دوسری طرف مسیح کو ابن اللہ اور اللہ مانتے ہیں اور تثلیث وغیرہ عقائد کے قائل ہیں جو سمجھ ہی میں نہیں آتا کہ کیونکر اس کو فلاسفہ سے مطابق کرتے ہیں۔ انگریزی منطق کی بنا تو منطقِ استقرائی ہی پر ہے۔ پھر یہ کونسا استقراء ہے کہ یسوع ابن اللہ ہے۔ کونسی شکل پیدا کرتے ہوں گے۔ یہی ہو گا کہ مثلاً اس قسم کے خواص جن لوگوں کے اندر ہوں وہ خدا یا خدا کے بیٹے ہوتے ہیں اور مسیح میں یہ خواص تھے۔ پس وہ بھی خدا یا خدا کا بیٹا تھا۔ اس سے تو کثرت لازم آتی ہے جو محال مطلق ہے۔ میں تو جب اس پر غور کرتا ہوں حیرت بڑھتی ہی جاتی ہے۔ نہیں معلوم یہ لوگ کیوں نہیں سوچتے؟

اسلام کے پاک اصول ایسے نہیں ہیں کہ فلسفہ یا استقراء کی محک پر بھی کامل المعیار ثابت نہ ہوں۔ بلکہ میں نے بارہا غور کی ہے کہ قرآن کریم کی نسبت جو آیا ہے فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ (الواقعہ: ۷۹) یہ کتاب مکنون زمین اور آسمان کی چھپی ہوئی کتاب ہے جس کے پڑھنے پر ہر شخص قادر نہیں ہوسکتا اور قرآن کریم اسی کتاب کا آئینہ ہے۔ اور قرآن کریم نے وہی خدا دکھایا ہے جس پر آسمان و زمین شہادت دیتے ہیں۔ مگر یہ انیس سو برس کا تراشا ہوا جعلی مردہ خدا کس سند اور شہادت پر خدا بنایا گیا ہے۔ پس یہ اسلام ہی کی خوبی اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی فخر ہے کہ وہ ایسا دین لیکر آئے کہ جو ہمیشہ سے ہے اور جس کی تعلیم زمین اور آسمان کے اوراق میں بھی واضح طور پر موجود ہے۔

(ملفوظات جلد اول۔ جدید ایڈیشن صفحہ ۱۷۷۔۱۷۸)

اما صناعة المنطق فمتاع سقط وليست بعاصمة قط من هذه الهوجاء و قد ضلت الحكماء الفلاسفة مع اتخاذهم هذه الصناعة اماما و كثرت فى اٰراء هم الاختلاف والتناقضات والشبهات فما استطاعوا ان يقطعوا بها خصاما فلِذالک تجد الفلاسفة يخالف بعضهم بعضا

فی الآراء و کل احد منھم یدّعی کمال الدھاء .[1]

مگر صناعت منطق پس ایں متاع ہیچ و ردّی است و ہرگز ازیں بادتند محفوظ نتواند داشت۔ وحکماء باوجودیکہ صناعت منطق را امام خود گرفتند باز گمراہ شدند و در رائے ہائے ایشاں بکثرت اختلافات و تناقضات پدید آمد پس نتوانستند کہ بمنطق قطع آں پیکار کنند واز ہمیں سبب فلاسفہ را می بینی کہ در رائے ہائے خود بیکدگر اختلاف می دارند و ہر یک از ایشاں دعویٰ کمال فرزانگی میکند۔

(لجۃ النور۔ روحانی خزائن جلد ۱۶ صفحہ ۳۸۹۔۳۹۰)

افلاطون کی طرح اسلام کے کسی فلاسفر نے کسی بت پر مرغ کی قربانی نہ چڑھائی۔ چونکہ افلاطون الہام کی روشنی سے بےنصیب تھا اس لئے دھوکا کھا گیا اور ایسا فلاسفر کہلا کر یہ مکروہ اور احمقانہ حرکت اس سے صادر ہوئی۔ مگر اسلام کے حکماء کو ایسے ایسے ناپاک اور احمقانہ حرکتوں سے ہمارے سیدو مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پیروی نے بچا لیا۔

(اسلامی اصول کی فلاسفی۔ روحانی خزائن جلد ۱۰ صفحہ ۴۲۷۔۴۲۸)

فلسفہ جدیدہ نے اگرچہ نقصانات بھی پہنچائے ہیں۔ مگر ایک صورت میں یہ مفید بھی ہوا ہے کہ بہت سی غیر معقول باتوں سے دلوں میں نفرت دلا دی ہے۔

(ملفوظات جلد سوم۔ جدید ایڈیشن صفحہ ۲۶۸)

ایسا شخص سچا فلسفی ہرگز نہیں ہوسکتا کہ جو کشف اور الہام پانے کی قوت کو معطل اور بیکار چھوڑتا ہے بلکہ اس سے انکار کرتا ہے۔ حالانکہ ہزاروں مقدسوں کی شہادت سے کشف اور الہام کا پایا جانا بپایۂ ثبوت پہنچ چکا ہے اور تمام سچے عارف اسی طریق سے معرفت کاملہ تک پہنچے ہیں۔

(سرمہ چشمِ آریہ۔ روحانی خزائن جلد ۲ صفحہ ۸۹۔۹۰)

---

1. ترجمہ: لیکن منطق (فلسفہ) کی صنعت تو فضول اور ردی چیز ہے اور وہ ہرگز اس تندوتیز طوفان سے بچ نہیں سکتی۔ اور حکماء اسے اپنا امام بنانے کے باوجود گمراہ ہو گئے اور ان کی آراء میں بکثرت اختلافات اور شبہات ظاہر ہو گئے اور اپنی منطق کے ذریعے وہ اس جھگڑے کا فیصلہ نہ کر سکے۔ یہی وجہ ہے کہ فلسفیوں کی آرا ایک دوسرے سے مخالف ہیں اور ان میں سے ہر ایک کمال دانائی کا دعویٰ کرتا ہے۔ (مرتب)

فلسفی اور نبی میں یہ فرق ہے کہ فلسفی کہتا ہے کہ خدا ہونا چاہیے۔ نبی کہتا ہے خدا ہے۔ فلسفی کہتا ہے کہ دلائل ایسے موجود ہیں کہ خدا کا وجود ضرور ہونا چاہیے۔ نبی کہتا ہے کہ میں نے خدا سے کلام کیا ہے اور مجھے اس نے بھیجا ہے اور میں اس کی طرف سے اس کو دیکھ کر آیا ہوں۔

(ملفوظات جلد اول۔ جدید ایڈیشن صفحہ ۵۳۹)

تمہیں چاہئے کہ اس دنیا کے فلسفیوں کی پیروی مت کرو اور انکو عزت کی نگہ سے مت دیکھو کہ یہ سب نادانیاں ہیں۔ سچا فلسفہ وہ ہے جو خدا نے تمہیں اپنے کلام میں سکھلایا ہے۔ ہلاک ہو گئے وہ لوگ جو اس دنیوی فلسفہ کے عاشق ہیں اور کامیاب ہیں وہ لوگ جنہوں نے سچے علم اور فلسفہ کو خدا کی کتاب میں ڈھونڈا۔

(کشتی نوح۔ روحانی خزائن جلد ۱۹ صفحہ ۲۴)

کائنات

[پروفیسر ریگ جو 18 مئی 1908 کو حضرت اقدس علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے، نے سوال کیا کہ]

سپرچولزم[1] والوں کی رائے ہے کہ زندگی چاند سے اتری اور عقل مشتری سے اور چاند زمین سے بنا۔ ابتدا میں زمین بہت نرم تھی۔ زمین کا ایک ٹکڑا اڑ کر آسمان پر چلا گیا اور وہ چاند بن گیا۔ اصل میں زندگی زمین ہی سے نکلی۔ زمین سے چاند میں گئی اور چاند سے پھر انسان میں اترتی ہے۔ اس میں آپ کا اعتقاد کیا ہے؟

فرمایا: چاند، سورج اور سیاروں کی تاثیرات کے ہم قائل ہیں۔ ان سے انسان فائدہ اٹھاتا ہے اور بچہ جب ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے اس وقت بھی ان کی تاثیرات کا اثر بچے پر ہوتا ہے۔ یہ امر شریعت کے خلاف نہیں۔ اسی واسطے ہمیں ان کے ماننے میں انکار نہیں۔ نباتات میں چاند کی روشنی کا اثر بین طور سے ظاہر ہے۔ چاند کی روشنی سے پھل موٹے ہوتے ہیں۔ ان میں شیرینی پیدا ہوتی ہے اور بعض اوقات لوگوں نے اناروں سے چٹخنے کی آواز تک بھی سنی ہے جو چاند کی روشنی کے اثر سے پھوٹتے ہیں۔ اس سے زیادہ جو حصہ پیچیدہ اور ثابت شدہ نہیں اسکے ماننے کے واسطے ہم تیار نہیں ہیں۔ قرآن شریف میں صاف بیان کیا گیا ہے کہ چاند، سورج اور تمام سیارے انسان کے خادم اور مفید مطلب ہیں اور ان میں انسانی فوائد مرکوز ہیں۔ پس ہم اس بات کے ماننے میں کوئی حرج نہیں پاتے کہ جس طرح نباتات سے ہمیں فائدہ پہنچتا ہے اسی طرح ان تمام سیاروں سے بھی ہم فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اب اگر یہ ثابت ہو جاوے کہ عقل کو مشتری سے تعلق ہے تو اسکے ماننے کے واسطے بھی ہم تیار ہیں۔

---

1. Spiritualism (مرتب)

اتنا سنکر پروفیسر موصوف نے عرض کیا کہ میں تو خیال کرتا تھا کہ سائنس اور مذہب میں بڑا تضاد ہے جیسا کہ عام طور سے علماء میں مانا گیا ہے مگر آپ نے تو اس تضاد کو بالکل اٹھا دیا ہے۔

فرمایا: یہی تو ہمارا کام ہے اور یہی تو ہم ثابت کر رہے ہیں کہ سائنس اور مذہب میں بالکل اختلاف نہیں بلکہ مذہب بالکل سائنس کے مطابق ہے اور سائنس خواہ کتنی ہی عروج پکڑ جاوے مگر قرآن کی تعلیم اور اصول اسلام کو ہرگز ہرگز نہیں جھٹلا سکے گی۔

(ملفوظات جلد پنجم۔ جدید ایڈیشن صفحہ ۶۷۷)

لَا الشَّمۡسُ یَنۡۢبَغِیۡ لَهَاۤ اَنۡ تُدۡرِکَ الۡقَمَرَ وَلَا الَّیۡلُ سَابِقُ النَّهَارِ وَ کُلٌّ فِیۡ فَلَکٍ یَّسۡبَحُوۡنَ۔[2]

یعنی آفتاب چاند کو پکڑ نہیں سکتا اور نہ رات جو مظہر ماہتاب ہے دن پر جو مظہر آفتاب ہے کچھ تسلط کر سکتی ہے۔ یعنی کوئی ان میں سے اپنی حدود مقررہ سے باہر نہیں جاتا۔ اگر ان پر درپردہ کوئی مدبّر نہ ہو تو یہ تمام سلسلہ درہم برہم ہو جائے۔ یہ دلیل ہیئت پر غور کرنے والوں کے لئے نہایت فائدہ بخش ہے۔ کیونکہ اجرام فلکی کے اتنے بڑے عظیم الشان اور بے شمار گولے ہیں جن کے تھوڑے سے بگاڑ سے تمام دنیا تباہ ہو سکتی ہے۔ یہ کیسی قدرتِ حق ہے کہ وہ آپس میں نہ ٹکراتے ہیں نہ بال بھر رفتار بدلتے اور نہ اتنی مدت تک کام دینے سے کچھ گھسے اور نہ ان کی کلوں پُرزوں میں کچھ فرق آیا۔

(اسلامی اصول کی فلاسفی۔ روحانی خزائن جلد ۱۰ صفحہ ۳۷۰)

یُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَهُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ۔[3]

یعنی آسمان کے لوگ بھی اس کے نام کو پاکی سے یاد کرتے ہیں اور زمین کے لوگ بھی۔ اس آیت میں اشارہ فرمایا کہ آسمانی اجرام میں آبادی ہے اور وہ لوگ بھی پابند خدا کی ہدایتوں کے ہیں۔

(اسلامی اصول کی فلاسفی۔ روحانی خزائن جلد ۱۰ صفحہ ۳۷۵)

---

2. یٰسٓ: ۴۱ (مرتب)

3. الحشر: ۲۵ (مرتب)

آج تک کسی نے اس امر میں اختلاف نہیں کیا کہ جس قدر آسمانوں میں سیارات اور کواکب پائے جاتے ہیں وہ کائنات الارض کی تکمیل و تربیت کے لئے ہمیشہ کام میں مشغول ہیں۔ غرض یہ نہایت بچی ہوئی اور ثبوت کے چرخ پر چڑھی ہوئی صداقت ہے کہ تمام نباتات اور جمادات اور حیوانات پر آسمانی کواکب کا دن رات اثر پڑ رہا ہے اور جاہل سے جاہل ایک دہقان بھی اس قدر تو ضرور یقین رکھتا ہوگا کہ چاند کی روشنی پھلوں کے موٹا کرنے کیلئے اور سورج کی دھوپ انکو پکانے اور شیریں کرنے کے لئے اور بعض ہوائیں بکثرت پھل آنے کے لئے بلا شبہ مؤثر ہیں۔ اب جبکہ ظاہری سلسلہ کائنات کا ان چیزوں کی تاثیراتِ مختلفہ سے تربیت پا رہا ہے تو اس میں کیا شک ہوسکتا ہے کہ باطنی سلسلہ پر بھی باذنہٖ تعالیٰ وہ نفوسِ نورانیہ اثر کر رہی ہیں جن کا اجرام نورانیہ سے ایسا شدید تعلق ہے کہ جیسے جان کو جسم سے ہوتا ہے۔

(توضیح مرام۔ روحانی خزائن جلد ۳ صفحہ ۷۰۔۷۱)

وَ سَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآئِبَيْنِ وَ سَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ o وَ اٰتٰكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ وَ اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا[4] هُوَالَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا[5]

اور مسخر کیا تمہارے لئے سورج اور چاند کو جو ہمیشہ پھرنے والے ہیں۔ یعنی جو باعتبار اپنی کیفیات اور خاصیات کے ایک حالت پر نہیں رہتے۔ مثلاً جو ربیع کے مہینوں میں آفتاب کی خاصیت ہوتی ہے وہ خزاں کے مہینوں میں ہرگز نہیں ہوتی۔ پس اس طور سے سورج اور چاند ہمیشہ پھرتے رہتے ہیں۔ کبھی اُن کی گردش سے بہار کا موسم آجاتا ہے اور کبھی خزاں کا۔ اور کبھی ایک خاص قسم کی خاصیتیں ان سے ظہور پذیر ہوتی ہیں اور کبھی اس کے مخالف خواص ظاہر ہوتے ہیں۔ پھر آگے فرمایا کہ مسخر کیا تمہارے لئے رات اور دن کو اور دیا تم کو ہر ایک چیز میں سے وہ تمام سامان جس کو تمہاری فطرتوں نے مانگا یعنی ان سب چیزوں کو دیا جن

4. ابراھیم: ۳۴۔۳۵ (مرتب)

5. البقرہ: ۳۰ (مرتب)

کے تم محتاج تھے اور اگر تم خدائے تعالیٰ کی نعمتوں کو گننا چاہو تو ہر گز گن نہیں سکو گے۔ وہ وہی خدا ہے جس نے جو کچھ زمین پر ہے تمہارے فائدہ کے لئے پیدا کیا ہے۔

(توضیح مرام۔ روحانی خزائن جلد۳ صفحہ ۷۵)

سورج بہ حکمت کاملہ الٰہی سات سوتیس تعینات میں اپنے تئیں متشکل کر کے دنیا پر مختلف قسموں کی تاثیرات ڈالتا ہے اور ہر یک متشکل کی وجہ سے ایک خاص نام اسکو حاصل ہے اور یکشنبہ دوشنبہ سہ شنبہ وغیرہ درحقیقت باعتبار خاص خاص تعینات ولوازم و تاثیرات کے سورج کے ہی نام ہیں۔ جب یہ لوازم خاصہ بولنے کے وقت ذہن میں ملحوظ نہ رکھے جائیں اور صرف مجرّد اور اطلاقی حالت میں نام لیا جائے تو اس وقت سورج کہیں گے لیکن جب اسی سورج کے خاص خاص لوازم اور تاثیرات اور مقامات ذہن میں ملحوظ رکھ کر بولیں گے تو اسکو کبھی دن کہیں گے اور کبھی رات۔ کبھی اسکا نام اتوار رکھیں گے اور کبھی پیر اور کبھی سانون اور کبھی بھادوں کبھی اسوج کبھی کاتک۔ غرض یہ سب سورج کے ہی نام ہیں۔ اور نفس انسان بھی باعتبار مختلف تعینات اور مختلف اوقات و مقامات و حالات مختلف ناموں سے موسوم ہو جاتا ہے۔ کبھی نفس زکیہ کہلاتا ہے اور کبھی امارہ کبھی لوّامہ اور کبھی مطمئنہ۔ غرض اس کے بھی اتنے ہی نام ہیں جس قدر سورج کے مگر بخوف طول اسی قدر بیان کرنا کافی سمجھا گیا۔

(توضیح مرام۔ روحانی خزائن جلد۳ صفحہ ۷۷۔۷۸ حاشیہ)

سچ تو یہ ہے کہ اگر آسمان کا ایک بھی ستارہ زمین پر گرے تو تمام دنیا کے ہلاک کرنے کے لئے کافی ہے کیونکہ کوئی ستارہ عرض وطول میں زمین کے معمورہ سے کم نہیں ہے۔ ایک ستارہ گر کر زمین کی تمام آبادی کو دبا سکتا ہے۔

(ازالہ اوہام۔ روحانی خزائن جلد۳ صفحہ ۱۲۹)

یہ ستارے فقط زینت کے لئے نہیں ہیں جیسا کہ عوام خیال کرتے ہیں بلکہ ان میں تاثیرات ہیں۔ جیسا کہ آیت وَ زَیَّـنَّـا السَّـمَاءَ الدُّنیَا بِمَصَابِیحَ وَ حِفظًا [6] سے یعنی حفظًا کے لفظ سے معلوم

---

6. حٰمٓ السجدة: ۱۳ (مرتب)

ہوتا ہے۔ یعنی نظام دنیا کی محافظت میں ان ستاروں کو دخل ہے اسی قسم کا دخل جیسا کہ انسانی صحت میں دوا اور غذا کو ہوتا ہے جس کو الوہیت کے اقتدار میں کچھ دخل نہیں بلکہ جبروت ایزدی کے آگے یہ تمام چیزیں بطور مردہ ہیں۔ یہ چیزیں بجز اذن الٰہی کچھ نہیں کرسکتیں۔ ان کی تاثیرات خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں۔ پس واقعی اور صحیح امر یہی ہے کہ ستاروں میں تاثیرات ہیں جن کا زمین پر اثر ہوتا ہے۔

(تحفہ گولڑویہ۔ روحانی خزائن جلد ۱۷ صفحہ ۲۸۲ حاشیہ)

خدا تعالیٰ نے تاثیر کواکب کا نظام ایسا رکھا ہے کہ ایک ستارہ اپنے عمل کے آخری حصہ میں دوسرے ستارے کا کچھ اثر لے لیتا ہے جو اس حصے سے ملحق ہو اور اس کے بعد میں آنے والا ہو۔

(تحفہ گولڑویہ۔ روحانی خزائن جلد ۱۷ صفحہ ۲۸۱ حاشیہ)

ہر ایک بسیط میں جو مرکبات کا اصل ہے کرویت یعنی گول ہونا مشاہدہ کروگے۔ پانی کا قطرہ بھی گول شکل پر ظاہر ہوتا ہے اور تمام ستارے جو نظر آتے ہیں ان کی شکل گول ہے۔ اور ہوا کی شکل بھی گول ہے۔ جیسا کہ ہوائی گولے جن کو عربی میں اعصار کہتے ہیں یعنی بگولے جو کسی تند ہوا کے وقت مدوّر شکل میں زمین پر چکر کھاتے پھرتے ہیں ہواؤں کی کرویّت ثابت کرتے ہیں۔ پس جیسا کہ تمام بسائط جن کو خدا تعالیٰ نے پیدا کیا کروی شکل ہیں ایسا ہی دائرہ خلقت عالم کا بھی کروی شکل ہے۔

(تحفہ گولڑویہ۔ روحانی خزائن جلد ۱۷ صفحہ ۳۱۹ حاشیہ)

جیسے ایک بچہ انسان یا حیوان کا غذا کو حاصل کرنا چاہتا ہے ایسا ہی درختوں اور بوٹیوں کی جڑھیں بھی تخمی حالت سے آگے قدم رکھتی ہیں اور قوتِ نامیہ کا پردہ تو وہ پاتی ہیں اپنی غذا کو جو پانی ہے اپنی طرف کھینچنا شروع کر دیتی ہیں اور وہ جڑھیں اپنی قوتِ جاذبہ سے دور دور سے پانی کھینچ لاتی ہیں۔ غرض حکمت کاملہ الٰہیہ سے ہر یک چیز میں تحصیل غذا کے لئے پہلے ہی سے ایک قوت رکھی جاتی ہے خواہ وہ چیز پتھر ہو یا درخت یا انسان یا حیوان درحقیقت یہ

سب ایک ہی قوت کی تحریکوں سے حصول غذا کے لئے متوجہ کی جاتی ہیں۔

(شحنۂ حق۔ روحانی خزائن جلد۲صفحہ۳۵۶۔۳۵۷)

الحمد لله رب العالمین[7] یعنی خدا ہی کو سب تعریف اور حمد اور مدح ہے۔ وہ کیسا ہے! تمام عالموں کا رب ہے جس کی ربوبیت ہر یک عالم کے شامل حال ہے۔ اب ظاہر ہے کہ عالم ان چیزوں کا نام ہے جو معلوم الحدود ہونے کی وجہ سے ایک صانع محدّد پر دلالت کریں اور لفظ عالم کا اسی معلوم الحدود ہونے سے مشتق کیا گیا ہے اور جو چیز معلوم الحدود ہے وہ یا تو جسم اور جسمانی ہوگی اور یا روحانی طور پر کسی حد تک اپنی طاقت رکھتی ہوگی۔ جیسی انسان کی روح۔ گھوڑے کی روح۔ گدھے کی روح وغیرہ وغیرہ حدود مقررہ تک طاقتیں رکھتی ہیں۔ پس یہ سب عالم میں داخل ہیں اور وہ جو ان سب کا پیدا کنندہ اور ان سے برتر ہے وہ خدا ہے۔

(شحنۂ حق۔ روحانی خزائن جلد۲صفحہ۳۹۶)

جن چیزوں میں انتظام اور کاریگری اور تعلقاتِ ضروریہ پائے جاتے ہیں وہ خود بخود نہیں ہو سکتیں۔ پس دیکھو اجزاء لایتجزیٰ میں جن کو ہندی میں پرکرتی کہتے ہیں خاصیت کشش اتصال پائی جاتی ہے۔ تب ہی تو بجز قسر قاسر کسی جسم کے اجزائے متفرق نہیں ہو سکتے اور کشش اتصال تعلقاتِ ضروریہ کی جڑ ہے۔ کیونکہ اگر جز لایتجزیٰ یعنی پرکرتی میں قوت کشش اتصال نہ پائی جاتی تو جسم کے اجزاء میں باہمی تعلقات پیدا ہونا اور بعض جزوں کا بعض سے مل جانا اور ملے رہنا ممتنع اور محال ہوتا .... اور جیسے خدائے تعالیٰ نے اجزاء لایتجزیٰ میں کشش اتصال رکھی ہے ایسا ہی روحوں میں قبولیت تعلق جسم کے لئے ایک قوت اور استعداد رکھی ہے یعنی روحوں میں بھی اجسام کی کشش اتصال کی طرح قبولیت تعلق جسم کی ایک قوت پائی جاتی ہے جس سے وہ بلا نفرت و کراہت جسم سے ایسے طبعی طور پر تعلق پکڑ لیتے ہیں جیسے ایک محبّ اپنے محبوب سے یا ایک عاشق اپنے معشوق سے تعلق پکڑ لیتا ہے۔

(سرمہ چشم آریہ۔ روحانی خزائن جلد۲صفحہ۲۰۷)

---

7. الفاتحہ : ۲ (مرتب)

اگر کسی کی خود اپنی ہی عقل میں فتور نہ ہو تو سمجھ سکتا ہے کہ کسی چیز کے ایک نئے خاصہ کا ظہور میں آنا اس کے پہلے خاصہ کے ابطال کے لئے ایک لازمی امر نہیں ہے۔ سو اسی قاعدہ کے رو سے دانشمند لوگ جو خدائے تعالیٰ کی عظیم الشان قدرتوں سے ہمیشہ ہیبت زدہ رہتے ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ حکیم مطلق جسکی حکمتوں کا انتہا نہیں اسکی طرف سے قمر و شمس میں ایسی خاصیت مخفی ہونا ممکن ہے کہ باوجود انشقاق کے انکے فعل میں فرق نہ آوے۔

(سرمہ چشم آریہ۔ روحانی خزائن جلد۲ صفحہ ۱۱۸۔۱۱۹)

کوئی ستارہ دوسرے سے روشنی حاصل کرتا ہے اور کوئی دوسرے کے گرد گھومتا ہے اور باوجود بے شمار مدتوں کے ان میں کوئی خلل اور بگاڑ واقع نہیں ہوتا۔

(چشمہ معرفت۔ روحانی خزائن جلد۲۳ صفحہ ۴۰۰)

نیچر کے ماننے والے یعنی قانون قدرت کے پیرو کہلانے والے اس خیال پر زور دیتے ہیں کہ یہ بات بدیہی ہے کہ جہانتک انسان اپنی عقلی قوتوں سے جان سکتا ہے وہ بجز قدرت اور قانون قدرت کے کچھ نہیں یعنی مصنوعات و موجودات مشہودہ موجودہ پر نظر کرنے سے چاروں طرف یہی نظر آتا ہے کہ ہر یک چیز مادی یا غیر مادی جو ہم میں اور ہمارے اردگرد یا فوق وتحت میں موجود ہے وہ اپنے وجود اور قیام اور ترتّب آثار میں ایک عجیب سلسلہ انتظام سے وابستہ ہے جو ہمیشہ اسکی ذات میں پایا جاتا ہے اور کبھی اس سے جدا نہیں ہوتا۔ قدرت نے جس طرح پر جس کا ہونا بنا دیا بغیر خطا کے اسی طرح ہوتا ہے اور اسی طرح پر ہوگا۔ پس وہی سچ ہے اور اصول بھی وہی سچے ہیں جو اس کے مطابق ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ بلا شبہ یہ سب سچ مگر کیا اس سے یہ ثابت ہو گیا کہ قدرتِ الٰہی کے طریقے اور اسکے قانون اسی حد تک ہیں جو ہمارے تجربہ اور مشاہدہ میں آچکے ہیں اس سے زیادہ نہیں۔

(سرمہ چشم آریہ۔ روحانی خزائن جلد۲ صفحہ ۶۲)

جس حالت میں معجزہ شق القمر میں یہ بات ماخوذ ہے کہ ایک ٹکڑا اپنی حالت معہودہ پر رہا اور ایک اس سے الگ ہو گیا وہ بھی ایک یا آدھ منٹ تک یا اس سے بھی کم تو اس میں کونسا

استبعاد عقلی ہے اور بفرض محال اگر استبعاد عقلی بھی ہو تو ہم کہتے ہیں کہ عقل ناقص انسان کی ہر یک کام ربّانی تک کب پہنچ سکتی ہے۔

(سرمہ چشم آریہ۔ روحانی خزائن جلد۲ صفحہ ۱۱۲)

اگرچہ نادان فلاسفروں نے بہت ہی زور لگایا کہ زمین و آسمان کے اجرام و اجسام کی پیدائش کو اپنے سائنس یعنی طبعی قواعد کے اندر داخل کر لیں اور ہر ایک پیدائش کے اسباب قائم کریں مگر سچ یہی ہے کہ وہ اس میں ناکام اور نامراد رہے ہیں اور جو کچھ ذخیرہ اپنی طبعی تحقیقات کا انہوں نے جمع کیا ہے وہ بالکل ناتمام اور نامکمل ہے اور یہی وجہ ہے کہ وہ کبھی اپنے خیالات پر قائم نہیں رہ سکے اور ہمیشہ ان کے خود تراشیدہ خیالات میں تغیر تبدّل ہوتا رہتا ہے اور معلوم نہیں کہ آگے کس قدر ہوگا۔

(چشمہ معرفت۔ روحانی خزائن جلد۲۳ صفحہ ۲۸۱)

اگر یہ اعتراض پیش کیا جاوے کہ علم حکمت کے محقّقوں کی تحقیقات قدیمہ و جدیدہ کی رو سے شہب وغیرہ کا پیدا ہونا اور اسباب سے بیان کیا گیا ہے جو ان امور سے بیان کئے گئے ہیں کچھ بھی تعلق نہیں رکھتے۔ چنانچہ شرح اشارات میں جہاں کائنات الجوّ کے اسباب اور علل لکھے ہیں صرف اسی قدر حدوث شہب کا سبب لکھا ہے کہ جب دخان حیّز نار میں پہنچتا ہے اور اس میں کچھ دہنیت اور لطافت ہوتی ہے تو بباعث آگ کی تاثیر کے یکدفعہ بھڑک اٹھتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بھڑکنے کے ساتھ ہی بجھ گیا مگر اصل میں وہ بجھتا نہیں۔ بات یہ ہے کہ دخان کی دونوں طرفوں میں سے پہلے ایک طرف بھڑک اٹھتی ہے جو اوپر کی طرف ہے پھر وہ اشتعال دوسری طرف میں جاتا ہے اور اس حرکت کے وقت ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا اس اشتعال کا ایک خط ممتد ہے اور اسی کا نام شہاب ہے جو دخان کے خط ممتد میں طرف اسفل کے قریب پیدا ہوتا ہے اور پھر جب اجزاء ارضیہ اس دخان کی آتش خالص کی طرف مستحیل ہو جاتی ہیں تو بوجہ پیدا ہو جانے بساطت کے وہ عنصر نار نظر نہیں آتا اور دیکھنے والے کو یہ گمان گزرتا ہے کہ گویا وہ بجھ گیا ہے حالانکہ دراصل وہ بجھا نہیں ہے۔ اور یہ صورت

اس وقت پیدا ہوتی ہے کہ جب دخان لطیف ہو۔ لیکن اگر غلیظ ہو تو اشتعال اس آگ کا کئی دنوں اور برسوں تک رہتا ہے۔ اور طرح طرح کی شکلوں میں وہ روشنی جو ستارہ کے رنگ پر ہے آسمان کے جوّ میں نظر آتی ہے۔ کبھی ایسا دکھائی دیتا ہے کہ گویا دمدار ستارہ ہے اور کبھی وہ دم زلف کی شکل پر نظر آتی ہے۔ کبھی وہ ناری ہیکل نیزہ کی صورت میں نمودار ہوتی ہے اور کبھی ایک حیوان کی طرح جو کئی سینگ رکھتا ہے اور کبھی یہ ناری ہیکل بصور مختلفہ ایک برس تک یا کئی برسوں تک دکھائی دیتی ہے اور کبھی یہ ناری ہیکل ٹکڑے ٹکڑے ہو کر شہب ثاقبہ کی صورت میں آ جاتی ہے اور کبھی شہب ثاقبہ اس ناری ہیکل کی شکل قبول کر لیتے ہیں۔ جب یہ ناری ہیکل قطب شمالی کے عین کنارہ پر نظر آتی ہے تو بسا اوقات بہ نسبت اور اطراف کے بہت دیر تک رہتی ہے اور اگر مدت دراز تک موجود رہے تو اس کی حرارت سے کئی ہولناک نتائج پیدا ہو جاتے ہیں۔ تاریخ کی رو سے یہ بھی منقول ہے کہ حضرت مسیح کی گرفتاری کے بعد اوّل شہب ثاقبہ اور پھر ایک زمانہ آتش پورے ایک برس تک جوّ آسمانی میں دکھائی دیا اور آسمان پر سے ایک چیز خاکستر کی طرح برستی تھی اور دن کے نو بجے سے رات تک ایک سخت اندھیرا ہو جاتا تھا۔

غرض شہب اور دمدار ستاروں کی اصلیت میں یہ یونانیوں کے خیالات ہیں جو اسلام کے حکماء نے لے لئے اور اپنے تجارب کو بھی ان میں ملایا لیکن حال کی نئی روشنی کی تحقیقاتوں کا ان سے بہت کچھ اختلاف ثابت ہوتا ہے۔ ان ظنّی علوم میں یہ بات نہایت درجہ دل توڑنے والی ہے کہ آئے دن نئے نئے خیالات پیدا ہوتے ہیں۔ ایک زمانہ وہ تھا کہ یونان کی طبعی اور ہیئت حکمت کے کمال تک پہنچنے کے لئے ایک صراط مستقیم سمجھی جاتی تھی اور اب یہ زمانہ ہے کہ ان کی اکثر تحقیقاتوں پر ہنسا جاتا ہے اور نہایت تحقیر کی نظر سے دیکھا جاتا ہے اور کوئی وجہ نہیں کہ ہم یہ خیال نہ کریں کہ کچھ عرصہ کے بعد اس طبیعی اور ہیئت پر بھی ہنسی کرنے والے پیدا ہو جائیں گے کیونکہ گو دعویٰ کیا جاتا ہے کہ اس زمانہ کے طبیعی اور ہیئت تجارب حسیہ مشہودہ مرئیہ کے ذریعہ سے ثابت کی گئی ہے مگر درحقیقت یہ دعویٰ نہایت درجہ کا مبالغہ ہے جس سے بعض

خاص صورتوں کے مسائل یقینیہ میں ان ہزارہا مشتبہ اور ظنّی اور غیر محقق خیالات کو خواہ نخواہ گھسیٹر دیا گیا ہے جن کا ابھی تک ہرگز ہرگز پورا پورا اور کامل طور پر کسی حکیم نے تصفیہ نہیں کیا۔ نئی روشنی کے محقق شہب ثاقبہ کی نسبت یہ رائے دیتے ہیں کہ وہ درحقیقت لوہے اور کوئلہ سے بنے ہوئے ہوتے ہیں جن کا وزن زیادہ سے زیادہ چند پونڈ ہوتا ہے اور دمدار ستاروں کی مانند غول کے غول لمبے بیضوی دائرے بناتے ہوئے سورج کے ارد گرد جوّ میں پھرتے ہیں۔ انکی روشنی کی وجہ درحقیقت وہ حرارت ہے جو انکی تیزی رفتار سے پیدا ہوتی ہے۔ اور دمدار ستاروں کی نسبت انکا بیان ہے کہ بعض ان میں سے کئی ہزار سال رہتے ہیں اور آخر ٹوٹ کر شہاب بن جاتے ہیں۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ جب آفتاب برج اسد میں یا میزان میں ہوتو ان دونوں وقتوں میں کثرت شہب ثاقبہ کی توقع کی جاتی ہے اور اکثر ۳۳ سال کے بعد یہ دورہ ہوتا ہے۔ لیکن یہ قاعدہ کلی نہیں۔ بسا اوقات ان وقتوں سے پس و پیش بھی یہ حوادثات ظہور میں آ جاتے ہیں۔ چنانچہ ۱۸۷۲ء میں ستاروں کا گرنا باقرار ان ہیئت دانوں کے بالکل غیر مترقب امر تھا۔ اگرچہ ۱۴ نومبر ۱۸۳۳ء اور ۲۷ نومبر ۱۸۸۵ء کو کثرت سے یہ واقعہ ظہور میں آنا ان کے قواعد مقررہ سے ملتا ہے لیکن تاریخ کے ٹٹولنے سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ نہایت فرق کے ساتھ ان تاریخوں سے بہت دور بھی وقوع میں آیا ہے۔ چنانچہ دہم مارچ ۱۵۲۱ء اور ۱۹ جنوری ۱۱۳۵ء اور ماہ مئی ۶۱۰ء میں جو کثرت شہب ثاقبہ وقوع میں آئے اس میں ان تمام ہیئت دانوں کو بجز سکتہ حیرت اور کوئی دم مارنے کی جگہ نہیں۔ اور وہ شہب ثاقبہ جو حضرت مسیح کی گرفتاری کے بعد ظہور میں آئے اور پھر ایک دمدار ستارہ کی صورت میں ہو گئے اگرچہ اب ہم پوری صحت کے ساتھ اس کی کوئی تاریخ مقرر نہیں کر سکتے مگر قیاسًا معلوم ہوتا ہے کہ اس حادثہ کی ابتدا جون کے مہینہ سے ہو گی کیونکہ گو ہم اس پرانے واقعہ کی تشخیص میں عیسائیوں کے مختلف فیہ بیانات سے کوئی عمدہ فائدہ نہیں اٹھا سکتے مگر استنباط کے طور پر یہ پتہ ملتا ہے کہ حضرت مسیحؑ جب یہودیوں کے ہاتھ میں گرفتار ہوئے تب شدت گرمی کا مہینہ تھا۔ کیونکہ گرفتاری کی حالت میں ان کا سخت پیاسا ہونا صاف ظاہر کر رہا ہے کہ موسم کا یہی تقاضا تھا کہ

گرمی اور پیاس محسوس ہو۔ سو وہ مہینہ جون ہے کیونکہ اس وقت ایک سخت آندھی بھی آئی تھی جس کے ساتھ اندھیرا ہو گیا تھا اور جون کے مہینہ میں اکثر آندھیاں بھی آتی ہیں۔

اب اس تمام تحقیقات سے معلوم ہوا کہ درحقیقت کائنات الجوّ بالخصوص شہب ثاقبہ اور دمدار ستاروں کے بارے میں کوئی قطعی اور یقینی طریقِ بصیرت ہیئت دانوں اور طبعی والوں کو ابتک ہاتھ میں نہیں آیا۔ جب کبھی ان کے قواعد تراشیدہ کے برخلاف کوئی امر ظہور میں آتا ہے تو ایک سخت پریشانی اور حیرت ان کو لاحق ہو جاتی ہے اور گھبراہٹ کا ایک غل غپاڑہ ان میں اٹھتا ہے۔ یورپ کے ہیئت دان اور سائنس اور نجوم میں بڑی بڑی لافیں مارنے والے ہمیشہ کائنات الجوّ اور انکے نتائج کے بارہ میں پیشگوئیاں ایک بڑے دعوے کے ساتھ شائع کیا کرتے ہیں اور کبھی لوگوں کو قحط سالیوں سے ڈراتے اور طوفانوں اور آندھیوں کی پیش خبری سے دھڑکے میں ڈالتے ہیں اور کبھی بروقت کی بارشوں اور ارزانی کی امیدیں دیتے ہیں۔ مگر قدرت حق ہے کہ اکثر وہ ان خبروں میں جھوٹے نکلتے ہیں مگر بایں ہمہ پھر بھی لوگوں کے دماغوں کو ناحق پریشان کرتے رہتے ہیں۔ یوں تو وہ اپنے فکروں کو دور تک پہنچا کر خدائے عزّ وجلّ کی خدائی میں ہاتھ ڈالنا چاہتے ہیں مگر حکمت ازلی ہمیشہ ان کو شرمندہ کرتی ہے۔ اب ظاہر ہے کہ جن لوگوں کی فاش خطا ہمیشہ ثابت ہوتی رہتی ہے ان کی نسبت کیونکر گمان کر سکتے ہیں کہ جو کچھ انہوں نے نظام اور سائنس کے بارے میں اب تک دریافت کیا ہے وہ سب یقینی ہے۔ ہمیں تو انکے اکثر معلومات کا ظنّی مرتبہ ماننے میں بھی شرم آتی ہے کیونکہ اب تک ان کے خیالات میں بے اصل اور بے ثبوت باتوں کا ذخیرہ بڑھا ہوا ہے۔ اس وقت امام رازی رحمۃ اللہ کا یہ قول نہایت پیارا معلوم ہوتا ہے کہ من اراد ان یکتال مملکۃ الباری بمکیال العقل فقد ضل ضلالاً بعیدا. یعنی جو شخص خدا تعالیٰ کے ملک کو اپنی عقل کے پیمانہ سے ناپنا چاہے تو وہ راستی اور صداقت اور سلامت روی سے دور جا پڑا۔

اب اس عاجز پر خداوند کریم نے جو کچھ کھولا اور ظاہر کیا وہ یہ ہے کہ اگر ہیئت دانوں اور طبعی والوں کے قواعد کسی قدر شہب ثاقبہ اور دمدار ستاروں کی نسبت قبول بھی کئے جائیں تب بھی

جو کچھ قرآن کریم میں اللہ جلّشانہ وعزّ اسمہٗ نے ان کائنات الجوّ کی روحانی اغراض کی نسبت بیان فرمایا ہے اس میں اور ان ناقص العقل حکماء کے بیان میں کوئی مزاحمت اور جھگڑا نہیں کیونکہ ان لوگوں نے تو اپنا منصب صرف اس قدر قرار دیا ہے کہ علل مادیہ اور اسباب عادیہ ان چیزوں کے دریافت کر کے نظام ظاہری کا ایک باقاعدہ سلسلہ مقرر کر دیا جائے لیکن قرآن کریم میں روحانی نظام کا ذکر ہے اور ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ کا ایک فعل اسکے دوسرے فعل کا مزاحم نہیں ہوسکتا۔ پس کیا یہ تعجب کی جگہ ہوسکتی ہے کہ جسمانی اور روحانی نظام خداتعالیٰ کی قدرت سے ہمیشہ ساتھ ساتھ رہیں۔ بالخصوص جس حالت میں ہمیشہ ربّانی مصلح دنیا میں آتے رہتے ہیں اور خدا تعالیٰ کے بڑے بڑے ارادوں کی حرکت شروع رہتی ہے اور کوئی صدی ایسی نہیں آتی کہ جو دنیا کے کسی نہ کسی حصہ میں ان امور میں سے کسی امر کا ظہور نہ ہوتو اس بات کے ماننے کیلئے ذرہ بھی استبعاد باقی نہیں رہتا کہ کثرت شہب وغیرہ روحانی طور پرضرور خدا تعالیٰ کے اس روحانی انتظام کے تجدد اور حدوث پر دلالت کرتے ہیں جو الٰہی دین کی تقویت کے لئے ابتدا سے چلا آتا ہے۔ خاصکر جب اس بات کو ذہن میں خوب یاد رکھا جائے کہ کثرت سقوط شہب وغیرہ صرف اسی امر سے براہ راست مخصوص نہیں کہ کوئی نبی یا وارث نبی اصلاح دین کے لئے پیدا ہو۔ بلکہ اس کے ضمن میں یہ بات بھی داخل ہے کہ اس نبی یا وارث اور قائم مقام نبی کے ارہاصات پر بھی کثرت شہب ہوتی ہے۔ بلکہ اسکی نمایاں فتوحات پر بھی کثرت سقوط شہب ہوتی ہے کیونکہ اس وقت رحمان کا لشکر شیطان کے لشکر پر کامل فتح پا لیتا ہے۔ پس جب ایسے بڑے بڑے امور پیدا ہونے لگتے ہیں کہ اس نبی یا وارث نبی کے لئے بطور ارہاص ہیں یاسکی کارروائیوں کے اوّل درجہ پر ممد اور معاون ہیں یا اس کی فتحیابی کے آثار ہیں تو ان کے قرب زمانہ میں بھی کثرت سقوط شہب وغیرہ حوادث وقوع میں آجاتے ہیں تو اس صورت میں ہر ایک غبی کو بھی یہ بات صفائی سے سمجھ میں آسکتی ہے کہ درحقیقت یہ کثرت سقوط شہب روحانی سلسلہ کی متفرق خدمات کے لئے اور انکے اوّل یا آخر یا درمیان میں آتی ہے اور وہ سلسلہ ہمیشہ جاری ہے اور جاری رہیگا۔ مثلاً حال کے

یورپ کے ہیئت دان جو ۲۷ نومبر ۱۸۸۵ء کے شہب یا انیسویں صدی کے دوسرے واقعات شہب کا ذکر کرتے ہیں اور ان پر ایسا زور دیتے ہیں کہ گویا ان کے پاس سب سے بڑھ کر یہی نظیریں ہیں وہ ذرہ غور سے سمجھ سکتے ہیں کہ اس صدی کے اواخر میں جو روحانی سلسلہ کے بڑے بڑے کام ظہور میں آنے والے تھے اور خدا تعالیٰ اپنے ایک بندہ کے توسط سے دینِ توحید کے تازہ کرنے کے لئے ارادہ فرما رہا تھا اسلئے اس نے اس انیسویں صدی عیسوی میں کئی دفعہ کثرتِ سقوط شہب کا تماشا دکھلایا تا وہ امر موکد ہو جاوے جس کا قطعی طور پر اس نے ارادہ فرما دیا ہے۔

(آئینہ کمالات اسلام۔ روحانی خزائن جلد۵ صفحہ ۱۱۱۔۱۲۲ حاشیہ)

آج کل کے علم ہیئت کے محققین جو یورپ کے فلاسفر ہیں جس طرز سے آسمانوں کے وجود کی نسبت خیال رکھتے ہیں درحقیقت وہ خیال قرآن کریم کے مخالف نہیں کیونکہ قرآن کریم نے آسمانوں کو نرا پول تو نہیں ٹھہرایا لیکن اس سماوی مادہ کو جو پول کے اندر بھرا ہوا ہے صلب اور کثیف اور متعسر الخرق مادہ بھی قرار نہیں دیا بلکہ ہوا یا پانی کی طرح نرم اور کثیف مادہ قرار دیا جس میں ستارے تیرتے ہیں۔ اسی کی طرف اشارہ ہے جو اللہ جلّشانہ فرماتا ہے کُلٌّ فِیْ فَلَکٍ یَسْبَحُوْنَ[8] ان یونانیوں نے آسمانوں کو اجسام کثیفہ تسلیم کیا ہوا ہے اور پیاز کے چھلکوں کی طرح تہ بتہ انکو مانا ہے اور آخری تہ کا آسمان جو تمام تہوں پر محیط ہو رہا ہے جمیع مخلوقات کا انتہا قرار دیا ہے جس کو وہ فلک الافلاک اور محدّد بھی کہتے ہیں جو ان کے زعم میں مع تین اور آسمانوں کے جن کا نام مدیر اور جوزہر اور مائل ہے مشرق سے مغرب کی طرف گردش کرتا ہے اور باقی آسمان مغرب سے مشرق کی طرف گھومتے ہیں اور انکے گمان میں فلک محدّد معمورہ عالم کا منتہا ہے جس کے پیچھے خلا ملا نہیں۔ گویا خدا تعالیٰ نے اپنے ممالک مقبوضہ کی ایک دیوار کھینچی ہوئی ہے جس کا ماورا کچھ بھی نہیں۔ نہ خلا نہ ملا۔

یونانیوں کی اس رائے پر جس قدر اعتراض وارد ہوتے ہیں وہ پوشیدہ نہیں۔ نہ صرف قیاسی

8. یٰسٓ : ۴۱ (مرتب)

طور پر بلکہ تجربہ بھی ان کا مکذّب ہے۔ جس حالت میں آجکل کے آلات دوربین نہایت دور کے ستاروں کا بھی پتہ لگاتے جاتے ہیں اور چاند اور سورج کو ایسا دکھا دیتے ہیں کہ گویا وہ پانچ چار کوس پر ہیں تو پھر تعجب کا مقام ہے کہ باوجودیکہ آسمان یونانیوں کے زعم میں ایک کثیف جوہر ہے اور ایسا کثیف جو قابل خرق و التیام نہیں اور اس قدر بڑا کہ گویا چاند اور سورج کو اس کی ضخامت کے ساتھ کچھ بھی نسبت نہیں پھر بھی وہ ان دوربین آلات سے نظر نہیں آ سکا۔ اگر دور کے آسمان نظر نہیں آتے تھے تو سماء الدنیا جو سب سے قریب ہے ضرور نظر آ جانا چاہیئے تھا۔ پس کچھ شک نہیں کہ جو یونانیوں نے عالمِ بالا کی تصویر دکھائی ہے وہ صحیح نہیں اور اس قدر اس پر اعتراض پیدا ہوتے ہیں کہ جن سے مخلصی حاصل کرنا ممکن ہی نہیں۔ لیکن قرآن کریم نے جو سمٰوٰت کی حقیقت بیان کی ہے وہ نہایت صحیح اور درست ہے جس کے ماننے کے بغیر انسان کو کچھ بن نہیں پڑتا اور اسکی مخالفت میں جو کچھ بیان کیا جائے وہ سراسر ناواقفی یا تعصّب پر مبنی ہوگا۔ قرآن کریم نہ آسمانوں کو یونانی حکماء کی طرح طبقات کثیفہ ٹھہراتا ہے اور نہ بعض نادانوں کے خیال کے موافق نرا پول جس میں کچھ بھی نہیں۔ چنانچہ شق اوّل کی معقولی طور پر غلطی ظاہر ہے۔ جس کی نسبت ہم ابھی بیان کر چکے ہیں۔ اور شقّ دوم یعنی یہ کہ آسمان کچھ بھی وجود مادی نہیں رکھتا نرا پول ہے استقرا کی رو سے سراسر غلط ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ اگر ہم اس فضا کی نسبت جو چمکتے ہوئے ستاروں تک ہمیں نظر آتا ہے بذریعہ اپنے تجارب استقرائیہ کے تحقیقات کرنا چاہیں تو صاف ثابت ہوتا ہے کہ سنت اللہ یا قانون قدرت یہی ہے کہ خدا تعالیٰ نے کسی فضا کو محض خالی نہیں رکھا۔ چنانچہ جو شخص غبارہ میں بیٹھ کر ہوا کے طبقات کو چیرتا چلا جاتا ہے وہ شہادت دے سکتا ہے کہ جس قدر وہ اوپر کو چڑھا اس نے کسی حصہ فضا کو خالی نہیں پایا۔ پس یہ استقرا ہمیں اس بات کے سمجھنے کیلئے بہت مدد دے سکتا ہے کہ اگرچہ یونانیوں کی طرح آسمان کی حد بست ناجائز ہے مگر یہ بھی تو درست نہیں ہے کہ آسمانوں سے مراد صرف ایک خالی فضا اور پول ہے جس میں کوئی مخلوق مادہ نہیں۔ ہم جہاں تک ہمارے تجاربِ رویت رسائی رکھتے ہیں کوئی مجرد پول مشاہدہ نہیں

کرتے پھر کیونکر خلاف اپنی مستمر استقراء کے حکم کر سکتے ہیں کہ ان مملو فضاؤں سے آگے چل کر ایسے فضاء بھی ہیں جو بالکل خالی ہیں۔ کیا بر خلاف ثابت شدہ استقراء کے اس وہم کا کچھ بھی ثبوت ہے ایک ذرا بھی نہیں۔ پھر کیونکر ایک بے بنیاد وہم کو قبول کیا جائے اور مان لیا جائے۔ ہم کیونکر ایک قطعی ثبوت کو بغیر کسی مخالفانہ اور غالب ثبوت کے چھوڑ سکتے ہیں اور علاوہ اس کے اللہ جلّشانہ کی اس میں کسرِ شان بھی ہے گویا وہ عام اور کامل خالقیت سے عاجز تھا۔ تبھی تو تھوڑا سا بنا کر باقی بے انتہا فضا چھوڑ دی اور میں نہیں سمجھ سکتا کہ اس استقرائی ثبوت کے انکار میں کہ کوئی فضا کسی جوہر لطیف سے خالی نہیں کونسی یقینی اور قطعی دلیل ایسے شخصوں کے ہاتھ میں ہے جو مجرد پول کے قائل ہیں یا قائل ہوں۔ اگر کوئی شخص ایسا ہی اعتقاد اور رائے رکھتا ہے کہ چند مادی کُروں کے بعد تمام پول ہی پڑا ہے جو بے انتہا ہے تو وہ ہماری اس حجت استقرائی سے صاف اور صریح طور پر ملزم ٹھہر جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ استقراء وہ استدلال اور حجت کی قسم ہے جو اکثر دنیا کے ثبوتوں کو اسی سے مدد ملی ہے۔ مثلاً ہمارا یہ قول کہ انسان کی دو آنکھیں ہوتی ہیں اور ایک زبان اور دو کان اور وہ عورتوں کی پیشاب گاہ کی راہ سے پیدا ہوتا ہے اور پہلے بچہ پھر جوان اور پھر بڈھا ہوتا ہے اور آخر کسی قدر عمر پا کر مر جاتا ہے اور ایسا ہی ہمارا یہ قول کہ انسان سوتا بھی ہے اور کھاتا بھی اور آنکھوں سے دیکھتا اور ناک سے سونگھتا اور کانوں کے ذریعہ سے سنتا اور پیروں سے چلتا اور ہاتھوں سے کام کرتا اور دو کانوں میں اسکا سر ہے اور ایسا ہی اور صدہا باتیں اور ہر یک نوع نباتات اور جمادات اور حیوانات کی نسبت جو ہم نے طرح طرح کے خواص دریافت کئے ہیں ان سب کا ذریعہ بجز استقراء کے اور کیا ہے۔ پھر اگر استقراء میں کسی کو کلام ہو تو یہ تمام علوم درہم برہم ہو جائیں گے۔ اور اگر یہ خلجان ان کے دلوں میں پیدا ہو کہ آسمانوں کا اگر کچھ وجود ہے تو کیوں نظر نہیں آتا۔ تو اسکا یہ جواب ہے کہ ہر ایک وجود کا مرئی ہونا شرط نہیں۔ جو وجود نہایت لطافت اور بساطت میں پڑا ہے وہ کیونکر نظر آجائے اور کیونکر کوئی دوربین اس کو دریافت کر سکے۔ غرض سماوی وجود کو خدا تعالیٰ نے نہایت لطیف قرار دیا ہے۔ چنانچہ اسی کی

تصریح میں یہ آیت اشارہ کر رہی ہے کہ کُلٌّ فِیۡ فَلَکٍ یَّسۡبَحُوۡنَ[9] یعنی ہر یک ستارہ اپنے اپنے آسمان میں جو اس کا مبلغِ دور ہے تیر رہا ہے۔ اور درحقیقت خدا تعالیٰ نے یونانیوں کی محدّد کی طرح اپنے عرش کو قرار نہیں دیا اور نہ اسکو محدود قرار دیا۔ ہاں اسکو اعلیٰ سے اعلیٰ ایک طبقہ قرار دیا ہے جس سے باعتبار اسکی کیفیت اور کمیّت کے اور کوئی اعلیٰ طبقہ نہیں ہے۔ اور یہ امر ایک مخلوق اور موجود کے لئے ممتنع اور محال نہیں ہو سکتا بلکہ نہایت قرینِ قیاس ہے کہ جو طبقہ عرش اللہ کہلاتا ہے وہ اپنی وسعتوں میں خدائے غیر محدود کے مناسب حال اور غیر محدود ہو۔

اور اگر یہ اعتراض پیش ہو کہ قرآن کریم میں یہ بھی لکھا ہے کہ کسی وقت آسمان پھٹ جائیں گے اور ان میں شگاف ہو جائیں گے۔ اگر وہ لطیف مادہ ہے تو اس کے پھٹنے کے کیا معنے ہیں تو اس کا یہ جواب ہے کہ اکثر قرآن کریم میں سماء سے مراد کلّ ما فی السماء کو لیا ہے جس میں آفتاب اور ماہتاب اور تمام ستارے داخل ہیں۔ ماسوا اسکے ہر یک جرم لطیف ہو یا کثیف، قابل خرق ہے بلکہ لطیف تو بہت زیادہ خرق کو قبول کرتا ہے۔ پھر کیا تعجب ہے کہ آسمانوں کے مادہ میں بحکم رب قدیر و حکیم ایک قسم کا خرق پیدا ہو جائے۔ و ذٰلک علی اللہ یسیر.[10]

بالآخر یہ بات بھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ قرآن کریم کے ہر یک لفظ کو حقیقت پر حمل کرنا بھی بڑی غلطی ہے اور اللہ جلّشانہ کا یہ پاک کلام بوجہ اعلیٰ درجہ کی بلاغت کے استعارات لطیفہ سے بھرا ہوا ہے۔ سو ہمیں اس فکر میں پڑنا کہ انشقاق اور انفجار آسمانوں کا کیونکر ہو گا درحقیقت ان الفاظ کے وسیع مفہوم میں ایک دخل بیجا ہے۔ صرف یہ کہہ سکتے ہیں کہ تمام الفاظ اور اس قسم کے اور بھی عالم مادی کے فنا کی طرف اشارہ ہے۔ الٰہی کلام کا مدعا یہ ہے کہ اس عالمِ کون کے بعد فساد بھی لازم پڑا ہوا ہے۔ ہر یک جو بنایا گیا توڑا جائے گا۔ اور ہر یک ترکیب پاش پاش ہو جائے گی اور ہر یک جسم متفرق اور ذرّہ ذرّہ ہو جائے گا اور ہر یک جسم اور جسمانی پر عام فنا طاری ہو گی۔ اور قرآن کریم کے بہت سے مقامات سے ثابت ہوتا ہے

9. یٰسٓ :۴۱ (مرتب)

10. اور یہ بات اللہ تعالیٰ پر آسان ہے۔ (مرتب)

کہ انشقاق اورانفجار کے الفاظ جو آسمانوں کی نسبت وارد ہیں ان سے ایسے معنے مرادنہیں ہیں جوکسی جسم صلب اور کثیف کے حق میں مراد لئے جاتے ہیں جیسا کہ ایک دوسرے مقام میں اللہ جلّشانہ فرماتا ہے وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِیّٰتٌ بِیَمِیْنِہٖ[11] یعنی دنیا کے فنا کرنے کے وقت خدا تعالیٰ آسمانوں کو اپنے داہنے ہاتھ سے لپیٹ لیگا۔ اب دیکھو کہ اگرشق السمٰوٰت سے درحقیقت پھاڑنا مراد لیا جائے تو مطویات کا لفظ اس سے مغائر اور منافی پڑے گا کیونکہ اس میں پھاڑنے کا کہیں ذکرنہیں، صرف لپیٹنے کا ذکر ہے۔ پھر ایک دوسری آیت ہے جو سورۃ الانبیاء جزو ۱۷ میں ہے اور وہ یہ ہے۔ یَوْمَ نَطْوِی السَّمَآءَ کَطَیِّ السِّجِلِّ لِلْکُتُبِ کَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِیْدُہٗ وَعْدًا عَلَیْنَا اِنَّا کُنَّا فٰعِلِیْنَ[12] یعنی ہم اس دن آسمانوں کو ایسا لپیٹ لیں گے جیسے ایک خط متفرق مضامین کو اپنے اندر لپیٹ لیتا ہے اور جس طرز سے ہم نے اس عالم کو وجود کی طرف حرکت دی تھی انہیں قدموں پر پھر یہ عالم عدم کی طرف لوٹایا جائیگا۔ یہ وعدہ ہمارے ذمہ ہے جسکو ہم کرنے والے ہیں۔ بخاری نے بھی اس جگہ ایک حدیث لکھی ہے جس میں جائے غور یہ لفظ ہیں۔ وتکون السمٰوٰت بیمینه یعنی لپیٹنے کے یہ معنی ہیں کہ خدا تعالیٰ آسمانوں کو اپنے داہنے ہاتھ میں چھپا لیگا۔ اور جیسا کہ اب اسباب ظاہر اور مسبب پوشیدہ ہے اس وقت مسبب ظاہر اور اسباب زاویۂ عدم میں چھپ جائیں گے اور ہریک چیز اس کی طرف رجوع کر کے تجلیاتِ قہریہ میں مخفی ہو جائے گی اور ہر یک چیز اپنے مکان اور مرکز کو چھوڑ دے گی اور تجلیات الٰہیہ اس کی جگہ لیں گی اور علل ناقصہ کے فنا اور انعدام کے بعد علّت تامہ کاملہ کا چہرہ نمودار ہو جائیگا۔ اسی کی طرف اشارہ ہے۔ کُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ وَّ یَبْقٰی وَجْهُ رَبِّکَ ذُو الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ[13] لِمَنِ الْمُلْکُ الْیَوْمَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ[14] یعنے خدا تعالیٰ اپنی قہری تجلّی

11. الزمر: ٦٨ (مرتب)
12. الانبیآء: ١٠٥ (مرتب)
13. الرحمٰن: ٢٧-٢٨ (مرتب)
14. المومن: ١٧ (مرتب)

سے ہر یک چیز کو معدوم کر کے اپنی وحدانیت اور یگانگت دکھلائے گا۔ اور خدا تعالیٰ کے وعدوں سے مراد یہ بات نہیں کہ اتفاقاً کوئی بات منہ سے نکل گئی اور پھر ہر حال گلے پڑا ڈھول بجانا پڑا کیونکہ اس قسم کے وعدے خدائے حکیم وعلیم کی شان کے لائق نہیں۔ یہ صرف انسان ضعیف البنیان کا خاصہ ہے جس کا کوئی وعدہ تکلّف اور ضعف یا مجبوری اور لاچاری کے موانع سے ہمیشہ محفوظ نہیں رہ سکتا۔ اور بااین ہمہ تقریبات اتفاقیہ پر مبنی ہوتا ہے نہ علم اور یقین اور حکمت قدیمہ پر۔ مگر خدا تعالیٰ کے وعدے اسکی صفاتِ قدیمہ کے تقاضا کے موافق صادر ہوتے ہیں اور اسکے مواعید اسکی غیر متناہی حکمت کی شاخوں میں سے ایک شاخ ہے۔

اور اگر اس جگہ کوئی یہ اعتراض پیش کرے کہ خدا تعالیٰ نے آسمانوں کو سات میں کیوں محدود کیا اس کی کیا وجہ ہے۔ تو اس کا یہ جواب ہے کہ درحقیقت یہ تاثیرات مختلفہ کی طرف اشارہ ہے جو مختلف طبقاتِ سماوی سے مختلف ستارے اپنے اندر جذب کرتے ہیں اور پھر زمین پر ان تاثیرات کو ڈالتے ہیں۔ چنانچہ اسی کی تصریح اس آیت میں موجود ہے۔ اَللّٰہُ الَّذِیۡ خَلَقَ سَبۡعَ سَمٰوٰتٍ وَّ مِنَ الۡاَرۡضِ مِثۡلَهُنَّ ؕ یَتَنَزَّلُ الۡاَمۡرُ بَیۡنَهُنَّ لِتَعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ۙ وَّ اَنَّ اللّٰہَ قَدۡ اَحَاطَ بِکُلِّ شَیۡءٍ عِلۡمًا (الجزو: ۲۸)[15] یعنی خدا تعالیٰ نے آسمانوں کو سات پیدا کیا اور ایسا ہی زمینیں بھی سات ہی پیدا کیں اور ان سات آسمانوں کا اثر جو بامر الٰہی ان میں پیدا ہے سات زمینوں میں ڈالا تا کہ تم لوگ معلوم کر لو کہ خدا تعالیٰ ہر ایک چیز کے بنانے پر اور ہر ایک انتظام کے کرنے پر اور رنگا رنگ کے پیرائیوں میں اپنے کام دکھلانے پر قدرت تامہ رکھتا ہے اور تا تمہارے علوم وسیع ہو جائیں اور علوم وفنون میں تم ترقی کرو اور ہیئت اور طبعی اور طبابت اور جغرافیہ وغیرہ علوم تم میں پیدا ہو کر خدا تعالیٰ کی عظمتوں کی طرف تم کو متوجہ کریں اور تم سمجھ لو کہ کیسے خدا تعالیٰ کا علم اور اسکی حکمت کاملہ ہر یک شے پر محیط ہو رہی ہے اور کیسی ترکیب ابلغ اور ترتیب محکم کے ساتھ آسمان اور جو کچھ اسمیں ہے اپنا رشتہ زمین سے رکھتا ہے اور کیسے خدا تعالیٰ نے زمین کو قوت قابلہ عطا کر رکھی ہے اور آسمانوں اور ان

15. الطلاق: ۱۳ (مرتب)

کے اجرام کو قوتِ مؤثرہ مرحمت فرمائی ہے۔ اور یاد رہے کہ جس طرح تنزل امر جسمانی اور روحانی دونوں طور پر آسمانوں سے ہوتا ہے اور ملایک کی توجہات اجرام سماوی کی تاثیرات کے ساتھ مخلوط ہو کر زمین پر گرتی ہیں ایسا ہی زمین اور زمین والوں میں بھی جسمانی اور روحانی دونوں قوتیں قابلیت کی عطا کی گئی ہیں تا قوابل اور مؤثرات میں بکلی مساوات ہو۔

اور سات زمینوں سے مراد زمین کی آبادی کے سات طبقے ہیں جو نسبتی طور پر بعض بعض کے تحت واقع ہیں اور کچھ بے جا نہ ہو گا کہ اگر ہم دوسرے لفظوں میں ان طبقاتِ سبعہ کو ہفت اقلیم کے نام سے موسوم کر دیں۔ لیکن ناظرین اس دھوکہ میں نہ پڑیں کہ جو کچھ ہفت اقلیم کی تقسیم ان یونانی علوم کی رو سے ہو چکی ہے جس کو اسلام کے ابتدائی زمانہ میں حکماء اسلام نے یونانی کتب سے لیا تھا وہ بکلی صحیح اور کامل ہے کیونکہ اس جگہ تقسیم سے مراد ہماری ایک صحیح تقسیم مراد ہے جس سے کوئی معمورہ باہر نہ رہے اور زمین کی ہر ایک جزو کسی حصہ میں داخل ہو جائے۔ ہمیں اس سے کچھ غرض نہیں کہ اب تک یہ صحیح اور کامل تقسیم معرض ظہور میں بھی آئی یا نہیں بلکہ صرف یہ غرض ہے کہ جو خیال اکثر انسانوں کا اس طرف رجوع کر گیا ہے کہ زمین کو سات حصّہ پر تقسیم کیا جائے یہ خیال بھی گویا ایک الہامی تحریک تھی جو الٰہی تقسیم کے لئے بطور شاہد ہے۔

اگر یہ اعتراض پیش ہو کہ قرآن کریم میں خدا تعالیٰ نے کئی بار فرمایا ہے کہ ہم نے چھ دن میں زمین و آسمان کو پیدا کیا تو یہ امر ضعف پر دلالت کرتا ہے کیونکہ معاً اس کے ارادہ کے ساتھ ہی سب کچھ ہو جانا لازم ہے جیسا کہ وہ آپ ہی فرماتا ہے اِنَّمَآ اَمۡرُہٗۤ اِذَاۤ اَرَادَ شَیۡئًا اَنۡ یَّقُوۡلَ لَہٗ کُنۡ فَیَکُوۡنُ۔[16] یعنے جب خدا تعالیٰ ایک چیز کے ہونے کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کا امر ایسی قوّت اور طاقت اور قدرت اپنے اندر رکھتا ہے کہ وہ اس چیز کو جو اس کے علم میں ایک علمی وجود رکھتا ہے فقط یہ کہتا ہے کہ ہو تو وہ ہو جاتی ہے۔

اس وہم کا جواب یہ ہے کہ قدرت اور طاقت کا مفہوم اس بات کو مستلزم نہیں کہ وہ چیز خواہ نخواہ

16. یٰسٓ: ۸۳ (مرتب)

بلا توقف ہو جائے اور نہ ارادہ کے مفہوم میں ضروری طور پر یہ بات داخل ہے کہ جس چیز کا ارادہ کیا گیا ہے وہ اسی وقت ہو جائے بلکہ اسی حالت میں ایک قدرت اور ایک ارادہ کو کامل قدرت اور کامل ارادہ کہا جائے گا جبکہ وہ ایک فاعل کے اصل منشاء کے موافق جلد یا دیر کے ساتھ جیسا کہ منشاء ہو ظہور میں آوے۔ مثلاً چلنے میں کامل قدرت اس شخص کی نہیں کہہ سکتے کہ جلد جلد وہ چل سکتا ہے اور آہستہ آہستہ چلنے سے وہ عاجز ہے بلکہ اس شخص کو کامل القدرت کہیں گے کہ جو دونوں طور جلد اور دیر میں قدرت رکھتا ہو۔ یا مثلاً ایک شخص ہمیشہ اپنے ہاتھ کو لمبا رکھتا ہے اور اکٹھا کرنے کی طاقت نہیں یا کھڑا رہتا ہے اور بیٹھنے کی طاقت نہیں تو ان سب صورتوں میں ہم اس کو قوی قرار نہیں دینگے بلکہ بیمار اور معلول کہیں گے۔ غرض قدرت اسی وقت کامل طور پر متحقق ہو سکتی ہے کہ جبکہ دونوں شق سرعت اور بطو پر قدرت ہو۔ اگر ایک شق پر قدرت ہو تو وہ قدرت نہیں بلکہ عجز اور ناتوانی ہے۔ تعجب کہ ہمارے مخالف خدا تعالیٰ کے قانون قدرت کو بھی نہیں دیکھتے کہ دنیا میں اپنے قضاوقدر کو جلد بھی نازل کرتا ہے اور دیر سے بھی۔ ہاں یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ صفات قہریّہ اکثر جلدی کے رنگ میں ظہور پذیر ہوتے ہیں اور صفاتِ لطیفہ دیر اور توقف کے پیرایہ میں۔ مثلاً انسان نو مہینے پیٹ میں رہ کر اپنے کمال وجود کو پہنچتا ہے اور مرنے کیلئے کچھ بھی دیر کی ضرورت نہیں۔ مثلاً انسان اپنے مرنے کے وقت صرف ایک ہی ہیضہ کا دست یا تھوڑا سا پانی قے کے طور پر نکالکر راہیٔ ملک بقا ہو جاتا ہے اور وہ بدن جس کی سالہائے دراز میں ظاہری اور باطنی تکمیل ہوئی تھی ایک ہی دم میں اس کو چھوڑ کر رخصت ہو جاتا ہے۔ اب جس قدر میں نے اس اعتراض کے جواب میں لکھا ہے میری دانست میں کافی ہے اس لئے میں اسی پر بس کرتا ہوں۔ لیکن یہ بات کھول کر یاد دلانا ضروری ہے کہ ارادہ کاملہ بھی قدرت کاملہ کی طرح دونوں شقّوں سرعت اور بطو کو چاہتا ہے۔ مثلاً ہم جیسا یہ ارادہ کر سکتے ہیں کہ ابھی یہ بات ہو جائے ایسا ہی یہ بھی ارادہ کر سکتے ہیں کہ دس برس کے بعد ہو۔ مثلاً ریل اور تار اور صدہا کلیں جو اب نکل رہی ہیں بیشک ابتدا سے خدا تعالیٰ کے ارادہ اور علم میں تھیں لیکن ہزارہا برس تک

انکا ظہور نہ ہوا اور وہ ارادہ تو ابتداہی سے تھا مگر مخفی چلا آیا اور اپنے وقت پر ظاہر ہوا اور جب وقت آیا تو خداتعالیٰ نے ایک قوم کو ان فکروں اور سوچوں میں لگا دیا اور ان کی مدد کی یہاں تک کہ وہ اپنی تدبیروں میں کامیاب ہو گئے۔

اور اس جگہ کے متعلق ایک اور اعتراض ہے جو بعض ناواقف آریہ پیش کیا کرتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ رَبَّکُمُ اللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّۃِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ.[17] یعنی خدا نے جو تمہارا رب ہے زمین اور آسمانوں کو چھ ۶ دن میں بنایا اور پھر عرش پر ٹھہرا۔ یہ چھ دن کی کیوں تخصیص ہے؟ یہ تو تسلیم کیا کہ خدا تعالیٰ کے کام اکثر تدریجی ہیں جیسا کہ اب بھی اس کی خالقیت جو جمادات اور نباتات اور حیوانات میں اپنا کام کر رہی ہے تدریجی طور پر ہی ہر ایک چیز کو اسکی خلقت کاملہ تک پہنچاتی ہے لیکن چھہ دن کی تخصیص کچھ سمجھ میں نہیں آتی۔

اماالجواب پس واضح ہو کہ یہ چھ دن کا ذکر درحقیقت مراتب تکوینی کی طرف اشارہ ہے یعنی ہر یک چیز جو بطور خلق صادر ہوئی ہے اور جسم اور جسمانی ہے خواہ وہ مجموعہ عالم ہے اور خواہ ایک فرد از افراد عالم اور خواہ وہ عالم کبیر ہے جو زمین و آسمان و مافیہا سے مراد ہے اور خواہ وہ عالم صغیر جو انسان سے مراد ہے وہ بحکمت وقدرت باری تعالیٰ پیدائش کے چھ مرتبے طے کر کے اپنے کمال خلقت کو پہنچتی ہے۔ اور یہ عام قانون قدرت ہے کچھ ابتدائی زمانہ سے خاص نہیں۔ چنانچہ اللہ جلشانہ ہر ایک انسان کی پیدائش کی نسبت بھی انہیں مراتب ستہ کا ذکر فرماتا ہے جیسا کہ قرآن کریم کے اٹھارویں سیپارے سورۃ المومنون میں یہ آیت ہے۔ وَ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلَالَۃٍ مِّنْ طِیْنٍ ۝ ثُمَّ جَعَلْنَاہُ نُطْفَۃً فِیْ قَرَارٍ مَّکِیْنٍ ۝ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَۃَ عَلَقَۃً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَۃَ مُضْغَۃً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَۃَ عِظَامًا فَکَسَوْنَا الْعِظَامَ لَحْمًا ۝ ثُمَّ اَنْشَاْنَاہُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبَارَکَ اللّٰہُ اَحْسَنُ الْخَالِقِیْنَ.[18] یعنی پہلے تو ہم نے انسان کو اس مٹی سے پیدا کیا جو زمین کے تمام انواع

---

17. یونس :۴ (مرتب)

18. المومنون :۱۳۔۱۵ (مرتب)

اور اقسام کا لب لباب تھا اور اس کی تمام قوتیں اپنے اندر رکھتا تھا تا وہ باعتبار جسم بھی عالم صغیر ٹھہرے اور زمین کی تمام چیزوں کی اس میں قوّت اور خاصیت ہو جیسا کہ وہ برطبق آیت فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَ نَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِیْ[19] باعتبار روح عالم صغیر ہے اور بلحاظ شیون و صفات کاملہ و ظلّیّت تام روح الٰہی کا مظہر تام ہے۔ پھر بعد اس کے انسان کو ہم نے دوسرے طور پر پیدا کرنے کے لئے یہ طریق جاری کیا جو انسان کے اندر نطفہ پیدا کیا اور اس نطفہ کو ہم نے ایک مضبوط تھیلی میں جو ساتھ ہی رحم میں بنتے جاتے ہیں جگہ دی۔ (قرار مکین کا لفظ اس لئے اختیار کیا گیا کہ تا رحم اور تھیلی دونوں پر اطلاق پا سکے)۔ اور پھر ہم نے نطفہ سے علقہ بنایا اور علقہ سے مضغہ اور مضغہ کے بعض حصوں میں سے ہڈیاں اور ہڈیوں پر پوست پیدا کیا۔ پھر اسکو ایک اور پیدائش دی یعنے روح اس میں ڈال دی۔ پس کیا ہی مبارک ہے وہ خدا جو اپنی صنعت کاری میں تمام صناعوں سے بلحاظ حسنِ صنعت و کمال عجائبات خلقت بڑھا ہوا ہے۔

اب دیکھو کہ خداتعالیٰ نے اس جگہ بھی اپنا قانون قدرت یہی بیان فرمایا کہ انسان چھ طور کے خلقت کے مدارج طے کر کے اپنے کمال انسانیت کو پہنچتا ہے۔ اور یہ تو ظاہر ہے کہ عالم صغیر اور عالم کبیر میں نہایت شدید تشابہ ہے اور قرآن سے انسان کا عالم صغیر ہونا ثابت ہے۔ اور آیت لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْۤ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ[20] اسی کی طرف اشارہ کر رہی ہے کہ تقویم عالم کی متفرق خوبیوں اور حسنوں کا ایک ایک حصہ انسان کو دے کر بوجہ جامعیّت جمیع شمائل و شیون عالم اس کو احسن ٹھہرایا گیا ہے۔ پس اب بوجہ تشابہ عالمین اور نیز بوجہ ضرورت تناسب افعال صانع واحد ماننا پڑتا ہے کہ جو عالم صغیر میں مراتب تکوین موجود ہیں وہی مراتب تکوین عالم کبیر میں بھی ملحوظ ہوں۔ اور ہم صریح اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ یہ عالم صغیر جو انسان کے اسم سے موسوم ہے اپنی پیدائش میں چھ۶ طریق رکھتا ہے اور کچھ شک نہیں کہ یہ عالم عالم کبیر کے کوائف مخفیہ کی شناخت کیلئے ایک آئینہ کا حکم رکھتا ہے۔ پس جبکہ اس کی پیدائش کے

19. الحجر: ۳۰ (مرتب)

20. التین: ۵ (مرتب)

چھ۶ مرتبے ثابت ہوئے تو قطعی طور پر یہ حکم دے سکتے ہیں کہ عالم کبیر کے بھی مراتب تکوین چھ ہی ہیں جو بلحاظ مؤثرات ستہ یعنی تجلیات ستہ جن کے آثار باقیہ نجوم ستہ میں محفوظ رہ گئے ہیں معقولی طور پر متحقق ہوتے ہیں اور نجوم ستہ کا اب بھی علوم حکمیہ میں جنین کی تکمیل کیلئے تعلق مانا جاتا ہے۔ چنانچہ سدیدی میں اس کے متعلق ایک مبسوط بحث لکھی ہے۔ بعض نادان اس جگہ اس آیت کی نسبت یہ اعتراض پیش کرتے ہیں کہ حال کی طبی تحقیقاتوں کی رو سے یہ طرز بچہ کے بننے کی جو رحم عورت میں بنتا ہے ثابت نہیں ہوتی بلکہ بر خلاف اس کے ثابت ہوتا ہے۔ لیکن یہ اعتراض سخت درجہ کی کم فہمی یا صریح تعصب پر مبنی ہے۔ اس بات کے تجربہ کے لئے کسی ڈاکٹر یا طبیب کی حاجت نہیں۔ خود ہر یک انسان اس آزمائش کے لئے وقت خرچ کر کے اور ان بچوں کو دیکھ کر جو تام خلقت یا ناتمام خلقت کی حالت میں پیدا ہوتے ہیں یا سقوط حمل کے طور پر گرتے ہیں حقیقت واقعیہ تک پہنچ سکتا ہے۔ اور جیسا کہ ہم اپنے ذاتی مشاہدہ سے جانتے ہیں بلا شبہ یہ بات صحیح ہے کہ جب خدا تعالیٰ انسانی نطفہ سے کسی بچہ کو رحم میں بنانے کے لئے ارادہ فرماتا ہے تو پہلے مرد اور عورت کا نطفہ رحم میں ٹھہرتا ہے اور صرف چند روز تک ان دونوں منیوں کے امتزاج سے کچھ تغیر طاری ہو کر جمے ہوئے خون کی طرح ایک چیز ہو جاتی ہے جس پر ایک نرم سی جھلّی ہوتی ہے۔ یہ جھلّی جیسے جیسے بچہ بڑھتا ہے بڑھتی جاتی ہے یہاں تک کہ خاکی رنگ کی ایک تھیلی سی ہو جاتی ہے جو گٹھڑی کی طرح نظر آتی ہے اور اپنی تکمیل خلقت کے دنوں تک بچہ اسی میں ہوتا ہے۔ قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے اور حال کی تحقیقاتیں بھی اس کی مصدق ہیں کہ عالم کبیر بھی اپنے کمال خلقت کے وقت تک ایک گٹھڑی کی طرح تھا۔ جیسا کہ اللہ جلشانہ فرماتا ہے اَوَ لَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا وَ جَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ.[21] (الجزو نمبر: ۱۷) یعنے فرماتا ہے کہ کیا کافروں نے آسمان اور زمین کو نہیں دیکھا کہ گٹھڑی کی طرح آپس میں بندھے ہوئے تھے اور ہم نے ان کو کھول دیا۔ سو کافروں نے تو آسمان اور زمین بنتا نہیں

21. الانبیآء: ۳۱ (مرتب)

دیکھا اور نہ ان کی گٹھڑی دیکھی۔ لیکن اس جگہ روحانی آسمان اور روحانی زمین کی طرف اشارہ ہے جس کی گٹھڑی کفار عرب کے روبرو کھل گئی اور فیضانِ سماوی زمین پر جاری ہو گئے۔ اب پھر ہم اپنے پہلے کلام کی طرف عود کر کے کہتے ہیں کہ نطفتین مرد اور عورت کے جو آپس میں مل جاتے ہیں وہ اول مرتبہ تکوین کا ہے اور پھر ان میں ایک جوش آکر وہ مجموعہ نطفتین جو قوت عاقدہ اور منعقدہ اپنے اندر رکھتا ہے سرخی کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔ گویا وہ منی جو پہلے خون سے بنی تھی پھر اپنے اصلی رنگ کی طرف جو خونی ہے عود کر آتی ہے۔ یہ دوسرا درجہ ہے۔ پھر وہ خون جما ہوا جس کا نام علقہ ہے ایک گوشت کا مضغہ ہو جاتا ہے جو انسانی شکل کا کچھ خاکہ نہایت دقیق طور پر اپنے اندر رکھتا ہے۔ یہ تیسرا درجہ ہے اور اس درجہ پر اگر بچہ ساقط ہو جائے تو اس کے دیکھنے سے غور کی نظر سے کچھ خطوط انسان بننے کے اس میں دکھائی دیتے ہیں۔ چنانچہ اکثر بچے اس حالت میں بھی ساقط ہو جاتے ہیں۔ جن عورتوں کو کبھی یہ اتفاق پیش آیا ہے یا وہ دایہ کا کام کرتی ہیں وہ اس حال سے خوب واقف ہیں۔ پھر چوتھا درجہ وہ ہے جب مضغہ سے ہڈیاں بنائی جاتی ہیں۔ جیسا کہ آیت **فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظَامًا**[22] بیان فرما رہی ہے۔ مگر المضغہ پر جو الف لام ہے وہ تخصیص کے لئے ہے جس سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ تمام مضغہ ہڈی نہیں بن جاتا۔ بلکہ جہاں جہاں ہڈیاں درکار ہیں باذنہٖ تعالیٰ وہی نرم گوشت کسی قدر صلب ہو کر ہڈی کی صورت بن جاتا ہے اور کسی قدر بدستور نرم گوشت رہتا ہے اور اس درجہ پر انسانی شکل کا کھلا کھلا خاکہ تیار ہو جاتا ہے جس کے دیکھنے کے لیے کسی خوردبین کی ضرورت نہیں۔ اس خاکہ میں انسان کا اصل وجود جو کچھ بننا چاہیے تھا بن چکتا ہے لیکن وہ ابھی اس لحم سے خالی ہوتا ہے جو انسان کیلئے بطور ایک موٹے اور شاندار اور چمکیلے لباس کے لئے[23] ہے جس سے انسان کے تمام خط و خال ظاہر ہوتے ہیں اور بدن پر تازگی آتی ہے اور خوبصورتی نمایاں ہو جاتی ہے اور تناسب اعضا پیدا ہوتا ہے۔ پھر

---

22. المومنون: ۱۵ (مرتب)

23. ''لئے'' سہو کاتب ہے (مرتب)

بعد اس کے پانچواں درجہ وہ ہے کہ جب اس خاکہ پر لحم یعنی موٹا گوشت برعایت مواضع مناسبہ چڑھایا جاتا ہے۔ یہ وہی گوشت ہے کہ جب انسان تپ وغیرہ سے بیمار رہتا ہے تو فاقہ اور بیماری کی تکالیف شاقہ سے وہ گوشت تحلیل ہو جاتا ہے اور بسا اوقات انسان ایسی لاغری کی حالت پر پہنچ جاتا ہے جو وہی پانچویں درجہ کا خاکہ یعنی مشت استخوان رہ جاتا ہے جیسے مدقوقوں اور مسلولوں اور اصحاب ذیابیطس میں مرض کے انتہائی درجہ میں یہ صورت ظاہر ہو جاتی ہے اور اگر کسی کی حیات مقدر ہوتی ہے تو پھر خدا تعالیٰ اس کے بدن پر گوشت چڑھاتا ہے۔ غرض یہ وہی گوشت ہے جس سے خوبصورتی اور تناسب اعضا اور رونق بدن پیدا ہوتی ہے اور کچھ شک نہیں کہ یہ گوشت خاکہ کے تیار ہونے کے بعد آہستہ آہستہ جنین پر چڑھتا رہتا ہے اور جب جنین ایک کافی حصہ اس کا لے لیتا ہے تب باذنہٖ تعالیٰ اس میں جان پڑ جاتی ہے۔ تب وہ نباتی حالت سے جو صرف نشوونما ہے منتقل ہو کر حیوانی حالت کی خاصیت پیدا کر لیتا ہے اور پیٹ میں حرکت کرنے لگتا ہے۔ غرض یہ ثابت شدہ بات ہے کہ بچہ اپنی نباتی صورت سے حیوانی صورت کو کامل طور پر اس وقت قبول کرتا ہے کہ جبکہ عام طور پر موٹا گوشت اس کے بدن پر مناسب کمی بیشی کے ساتھ چڑھ جاتا ہے۔ یہی بات ہے جس کو آج تک انسان کے مسلسل تجارب اور مشاہدات نے ثابت کیا ہے۔ یہ وہی تمام صورت ہے جو قرآن کریم نے بیان فرمائی ہے اور مشاہدات کے ذریعہ سے بتواتر ثابت ہے۔ پھر اس پر اعتراض کرنا اگر نادانوں کا کام نہیں تو اور کس کا ہے؟

اب پھر ہم اپنے پہلے کلام کی طرف رجوع کر کے لکھتے ہیں کہ چونکہ عالمِ صغیر میں جو انسان ہے سنت اللہ یہی ثابت ہوئی ہے کہ اسکے وجود کی تکمیل چھ۶ مرتبوں کے طے کرنے کے بعد ہوتی ہے تو اسی قانون قدرت کی رہبری سے ہمیں معقولی طور پر یہ راہ ملتی ہے کہ دنیا کی ابتدا میں جو اللہ جلشانہ نے عالم کبیر کو پیدا کیا تو اس کی طرز پیدایش میں بھی یہی مراتب ستہ ملحوظ رکھے ہوں گے اور ہر یک مرتبہ کو تفریق اور تقسیم کی غرض سے ایک دن یا ایک وقت سے مخصوص کیا ہو گا جیسا کہ انسان کی پیدائش کے مراتب ستہ چھ وقتوں سے خاص ہیں۔ اور دنیا

کی تمام قوموں کا سات دنوں پر اتفاق ہونا اور ایک دن تعطیل کا نکال کر چھ۶ دنوں کو کاموں کیلئے خاص کرنا اسی بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ چھ۶ دن ان چھ دنوں کی یادگار چلے آتے ہیں کہ جن میں زمین وآسمان اور جو کچھ ان میں ہے بنایا گیا تھا۔

اور اگر کوئی اب بھی تسلیم نہ کرے اور انکار سے باز نہ آوے تو ہم کہتے ہیں کہ ہم نے تو عالم کبیر کے لئے عالم صغیر کی پیدائش کے مراتب ستہ کا ثبوت دے دیا اور جو کام کرنے کے دن بالاتفاق ہر یک قوم میں مسلم ہیں ان کا چھ ہونا بھی ظاہر کر دیا اور یہ بھی ثابت کر دیا کہ خداتعالیٰ کے تمام پیدائشی کام اس دنیا میں تدریجی ہیں تو پھر اگر منکر کی نظر میں یہ دلیل کافی نہیں تو اس پر واجب ہو گا کہ وہ بھی تو اپنے اس دعوے پر کوئی دلیل پیش کرے کہ خدا تعالیٰ نے یہ عالم جسمانی صرف ایک دم میں پیدا کر دیا تھا تدریجی طور پر پیدا نہیں کیا تھا۔ ہر یک شخص جانتا ہے کہ وہی خدا اب بھی ہے جو پہلے تھا۔ اور وہی خالقیّت کا سلسلہ اب بھی جاری ہے جو پہلے جاری تھا۔ اور صاف بدیہی طور پر نظر آ رہا ہے کہ خدا تعالیٰ ہر یک مخلوق کو تدریجی طور پر اپنے کمال وجود تک پہنچاتا ہے۔ یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ پہلے وہ قوی تھا اور جلد کام کر لیتا تھا اور اب ضعیف ہے اور دیر سے کرتا ہے بلکہ یہی کہیں گے کہ اس کا قانون قدرت ہی ابتدا سے یہی ہے کہ وہ ہر یک مخلوق کو بتدریج پیدا کرتا ہے۔ سو حال کے افعال الٰہی ہمیں بتلا رہے ہیں کہ گذشتہ اور ابتدائی زمانہ میں بھی یہی تدریج ملحوظ تھی جو اب ہے۔ ہم سخت نادان ہونگے اگر ہم حال کے آئینہ میں گذشتہ کی صورت نہ دیکھ لیں۔ اور حال کی طرز خالقیّت پر نظر ڈال کر صرف اتنا ہی ثابت نہیں ہوتا کہ خدا تعالیٰ اپنی پیدائش کے سلسلہ کو تدریج سے کمال وجود تک پہنچاتا ہے۔ بلکہ یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ہر یک مخلوق کی پیدائش میں چھ۶ ہی مرتبے رکھے ہیں اور حکمت الٰہی نے ہر یک مخلوق کی پیدائش میں یہی تقاضا کیا کہ اس کے پیدا ہونے کے چھ۶ مرتبے ہوں جو چھ۶ وقتوں میں انجام پذیر ہوں۔ کسی مخلوق پر نظر ڈال کر دیکھ لو۔ یہی چھ۶ مراتب اس میں متحقق ہوں گے۔ یعنی بنظرِ تحقیق یہ ثابت ہو گا کہ ہر یک جسمانی مخلوق کے وجود کی تکمیل چھ مرتبوں کے طے کرنے کے بعد ہوتی ہے۔ اور انسان پر

کچھ موقوف نہیں۔ زمین پر جو ہزارہا حیوانات ہیں انکے وجود کی تکمیل بھی انہیں مراتب ستّہ پر موقوف پاؤ گے۔

(آئینہ کمالات اسلام۔ روحانی خزائن جلد۵صفحہ ۱۳۸۔۲۰۲حاشیہ در حاشیہ)

شہد کی مکھیاں بھی ہر ایک پھول کا عطر نکال کر ایسا شہد نفیس پیدا کرتی ہیں کہ اب تک اس صنعت میں انسان کو کامیابی نہیں ہوئی۔

(اسلامی اصول کی فلاسفی۔ روحانی خزائن جلد۱۰صفحہ ۴۱۶)

رَبُّنَا الَّذِیۡۤ اَعۡطٰی کُلَّ شَیۡءٍ خَلۡقَہٗ ثُمَّ ہَدٰی[24] یعنی خدا وہ خدا ہے کہ جس نے ہر ایک شے کے مناسب حال اس کو پیدائش بخشی پھر اس شے کو اپنے کمالات مطلوبہ حاصل کرنے کے لئے راہ دکھلادی۔ اب اگر اس آیت کے مفہوم پر نظر رکھ کر انسان سے لیکر تمام بحری اور بری جانوروں اور پرندوں کی بناوٹ تک دیکھا جائے تو خدا کی قدرت یاد آتی ہے کہ ہر ایک چیز کی بناوٹ اس کے مناسب حال معلوم ہوتی ہے۔

(اسلامی اصول کی فلاسفی۔ روحانی خزائن جلد۱۰صفحہ ۳۶۹)

حکیم بقراط نے اپنی ایک طبی کتاب میں چند چشم دید بیماروں کا بھی حال لکھا ہے جو قواعد طبی اور تجربۂ اطبّا کے رو سے وہ ہرگز قابل علاج نہیں تھے مگر ان بیماروں نے عجیب طور پر شفا پائی جس کی نسبت ان کا خیال ہے کہ یہ شفا بعض نادر تاثیرات ارضی یا سماوی سے ہے۔ اس جگہ ہم اس قدر اور لکھنا چاہتے ہیں کہ یہ بات صرف نوع انسان میں محدود نہیں کہ کثیرالوقوع اور نادر الوقوع خواص کا اس میں سلسلہ چلا آتا ہے بلکہ اگر غور کر کے دیکھیں تو یہ دوہرا سلسلہ ہر یک نوع میں پایا جاتا ہے۔ مثلاً نباتات میں سے آک کے درخت کو دیکھو کہ کیسا تلخ اور زہرناک ہوتا ہے مگر کبھی مدتوں اور برسوں کے بعد ایک قسم کی نباتات اس میں پیدا ہو جاتی ہے جو نہایت شیریں اور لذیذ ہوتی ہے۔ اب جس شخص نے اس نبات کو کبھی نہ دیکھا ہو اور معمولی قدیمی تلخی کو دیکھتا آیا ہو بے شک وہ اس نبات کو ایک امر طبعی کی

---

24. طٰهٰ : ۵۱ (مرتب)

نقیض سمجھے گا۔ ایسا ہی بعض دوسری نوع کی چیزوں میں بھی دور دراز عرصہ کے بعد کوئی نہ کوئی خاصہ نادر ظہور میں آجاتا ہے۔ کچھ تھوڑا عرصہ گذرا ہے کہ مظفر گڈھ میں ایک ایسا بکرا پیدا ہوا کہ جو بکریوں کی طرح دودھ دیتا تھا۔ جب اس کا شہر میں بہت چرچا پھیلا تو میکالف صاحب ڈپٹی کمشنر مظفر گڈھ کو بھی اطلاع ہوئی تو انہوں نے یہ ایک عجیب امر قانون قدرت کے برخلاف سمجھ کر وہ بکرا اپنے روبرو منگوایا۔ چنانچہ وہ بکرا جب ان کے روبرو دوہا گیا تو شائد قریب ڈیڑھ سیر دودھ کے اس نے دیا اور پھر وہ بکرا بحکم صاحب ڈپٹی کمشنر عجائب خانہ لاہور میں بھیجا گیا۔

(سرمہ چشم آریہ۔ روحانی خزائن جلد۲ صفحہ ۹۸۔۹۹)

شہد کی مکھی میں بھی یہ ہنر پایا جاتا ہے کہ وہ ایسی عقلمندی سے شہد بناتی ہے کہ کوئی انسان اس کی نظیر بنانے پر قادر نہیں۔

(سرمہ چشم آریہ۔ روحانی خزائن جلد۲ صفحہ ۲۰۱)

خدا تعالیٰ نے جو آنکھوں کو نہایت عجیب طور سے بنایا ہے سو اس میں یہ خیال نہیں ہوسکتا کہ آنکھوں کی صرف مجموعی ترکیب کے پیدا ہونے کے بعد خاصہ رویٔت اس میں پیدا ہو گیا ہے۔ بلکہ صحیح فلاسفی اس میں یہ ہے کہ جو کچھ مجموعی ترکیب میں رویٔت پیدا ہونے کا نتیجہ نکلا ہے وہ نتیجہ مخفی طور پر ان تمام اجزا میں پایا جاتا تھا جو پیچھے سے رطوبات و طبقات اور عصبہ مجوفہ وغیرہ کی شکل پر متشکل ہو گئے۔

(سرمہ چشم آریہ۔ روحانی خزائن جلد۲ صفحہ ۲۰۲۔۲۰۳)

بعض ایسے پتھر اب تک پائے جاتے ہیں جن میں یہ خاصیت ہے کہ اگر ان پر کوئی شربت ڈال دیا جائے تو پانی پتھر کے اندر سے نیچے آجاتا ہے اور شیرینی کا حصہ اوپر رہ جاتا ہے۔ بعض پتھر ایسے ہیں کہ ان میں پرندوں کی تصویر جم جاتی ہے اور بعض پتھر لوہے کو اپنی طرف کھینچتے ہیں اور بعض پتھروں میں یہ خاصیت دیکھی گئی ہے کہ سرکہ میں ڈالنے سے ایک زندہ چیز کی طرح جست کر کے باہر آجاتے ہیں اور بعض پتھر تریاق اور بعض زہر ہوتے ہیں اور وہ

بھی پتھر ہی ہوتے ہیں جو اعلیٰ درجہ کا ہیرا بن کر ان میں سے روشنی کی شعاع نکلتی ہے اور یاقوت نیلم وغیرہ سب پتھر ہی ہیں جو بقدرت قادر مطلق عجیب وغریب خواص اپنے اندر رکھتے ہیں۔حکیموں کا پرانا مقولہ مشہور ہے کہ خَوَاصُ الاشیاءِ حقٌ یعنی یہ حق بات ہے کہ ہر ایک چیز میں ایک خاصیت ہوتی ہے اور انہیں خواص پر اطلاع پا کر انسانوں نے ایجادیں کی ہیں اور کر رہے ہیں اور خدا کی مخلوق میں اس قدر خواص پائے جاتے ہیں کہ جو کچھ اب تک دریافت ہوا ہے گویا وہ ایک دریا میں سے ایک قطرہ ہے۔

(چشمہ معرفت۔ روحانی خزائن جلد۲۳ صفحہ۲۳۰)

دماغ کے ایک خاص حصہ پر چوٹ لگنے سے حافظہ جاتا رہتا ہے اور دوسرے حصہ پر آفت پہنچنے سے قوت متفکرہ رخصت ہوتی ہے اور تمام ہوش وحواس رخصت ہو جاتے ہیں اور دماغ میں جب کسی قسم کا تشنج ہو جائے یا ورم پیدا ہو یا خون یا کوئی اور مادہ ٹھہر جائے اور کسی سدّہ تام یا غیر تام کو پیدا کرے تو غشی یا مرگی یا سکتہ معاً لاحق ہو جاتا ہے۔

(اسلامی اصول کی فلاسفی۔ روحانی خزائن جلد۱۰ صفحہ۴۰۳۔۴۰۴)

بعض عورتیں جو بہت ہی نادرالوجود ہیں بباعث غلبہٗ رجولیّت اس لائق ہوتی ہیں کہ انکی منی دونوں طور قوت فاعلی و انفعالی رکھتی ہو اور کسی سخت تحریک خیال شہوت سے جنبش میں آ کر خود بخود حمل ٹھہرنے کا موجب ہو جائے۔ میں کہتا ہوں کہ ایسے قصے ہندوؤں میں بھی مشہور ہیں۔سورج بنسی اور چندر بنسی خاندان کی انہیں قصّوں پر بنیاد پائی جاتی ہے۔

(سرمہ چشم آریہ۔ روحانی خزائن جلد۲ صفحہ۹۶)

اگر کارخانہ قدرت پر نظر ڈالی جائے تو جانداروں کی پیدائش کے بارے میں انسانی عقل ہر ایک قدم میں اپنے عجز کا اقرار کرتی ہے۔ ایک قسم کے وہ جاندار ہیں جو دریاؤں اور سمندروں میں سے عجیب طور پر پیدا ہوتے اور پرورش پاتے ہیں۔ اور ایک قسم کے وہ جاندار ہیں جو زمین کے نیچے پیدا ہوتے ہیں اور بعض جاندار یعنی کیڑے پھلوں میں پیدا ہو جاتے ہیں۔

(چشمہ معرفت۔ روحانی خزائن جلد۲۳ صفحہ۳۴۲)

تجارب صحیحہ روحانیہ سے ثابت ہے کہ دماغ کو علوم اور معارف سے کچھ تعلق نہیں۔ ہاں اگر دماغ صحیح واقع[25] ہو اور اس میں کوئی آفت نہ ہو تو وہ دل کے علوم مخفیہ سے مستفیض ہوتا ہے اور دماغ چونکہ منبت اعصاب ہے اس لئے وہ ایسی کل کی طرح ہے جو پانی کو کنوئیں سے کھینچ سکتی ہے۔ اور دل وہ کنواں ہے جو علوم مخفیہ کا سرچشمہ ہے۔ یہ وہ راز ہے جو اہل حق نے مکاشفات صحیحہ کے ذریعہ سے معلوم کیا ہے جس میں میں خود صاحب تجربہ ہوں۔

ایسا ہی جدید سائنس یعنی طبعی کی تحقیقات میں یہ ایک غلطی ہے کہ قطعی طور پر یہ خیال کیا گیا ہے جو ہر ایک مادی چیزوں میں جو کیڑے پڑ جاتے ہیں وہ ہوا سے آتے ہیں یعنی ہوا کے کیڑے اس چیز میں داخل ہو جاتے ہیں حالانکہ یہ قاعدہ کئی جگہ ٹوٹ جاتا ہے۔ مثلاً جو نطفہ سے مثانہ کے اندر کیڑا بنتا ہے وہ سائنس والوں کے اقرار کی رو سے ہوا سے نہیں بنتا اور ہوا کو اس میں کوئی دخل نہیں۔ ایسا ہی جو گولر کے پھل میں چھوٹے چھوٹے کیڑے پردار بن جاتے ہیں جن سے گولر کا پھل بگڑتا نہیں بلکہ شیریں اور کھانے کے لائق ہو جاتا ہے ان کو بھی ہوا سے کچھ تعلق نہیں کیونکہ خدا تعالیٰ کی قدرت سے گولر کا کچا پھل ان کیلئے بطور نطفہ کے ہوتا ہے۔ اور جب تک وہ کچا ہوتا ہے اس میں کوئی کیڑا دکھائی نہیں دیتا اور لوگ پکا پکا کر اس کو کھاتے ہیں اور پھر جیسے جیسے آہستہ آہستہ وہ پکتا جاتا ہے تو اسی کے مغز میں سے چھوٹے چھوٹے جانور پردار کسی قدر سبز چمکدار بنتے جاتے ہیں اور لوگ مع کیڑوں کے اس پھل کو کھا جاتے ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ ان جانداروں کا محض ایک پھل میں سے بن جانا ایک نرالا قانون قدرت ہے جس کو نیستی سے ہستی کہنا چاہیے۔ کیونکہ یہ ان کیڑوں کی طرح نہیں ہوتے جو ایک متعفن چیز میں پائے جاتے ہیں جو ایک قسم کے زہریلے کیڑے ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب دال یا دودھ یا گوشت وغیرہ میں اس قسم کے کیڑے پڑتے ہیں تو وہ چیز سخت متعفن ہو

---

25. چونکہ دماغ منبتِ اعصاب ہے اس لئے علوم قلبیہ کا محسوس کرنا اُس کا کام ہے اور اگر دماغ میں کوئی آفت پیدا ہو تو وہ علوم پردہ میں آجاتے ہیں جیسا کہ اگر ڈول یا اُس کی رسی ناتمام ہو تو پانی کنوئیں میں سے نہیں آسکتا۔ منہ

جاتی ہے اور اس میں سے نہایت گندی بدبو آتی ہے اور اس میں ایک قسم کی زہر پڑ جاتی ہے اسی وجہ سے اس کا کھانا مضر صحت ہوتا ہے۔ لیکن یہ کیڑے گولر کے پھل کو مضر صحت نہیں کرتے بلکہ وہ پھل تبھی کھانے کے لائق ہوتا ہے جب وہ کیڑے اس میں پیدا ہو جاتے ہیں۔ ایسا ہی ہم اس جگہ بہت سی ایسی مثالیں پیش کر سکتے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ بہت سے کیڑے ایسے پیدا ہوتے ہیں کہ ہوا کا ان میں کچھ بھی تعلق نہیں۔ یہ بات تو ہر ایک عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ گندی ہوا سے گندی چیزیں ہی پیدا ہوتی ہیں، نہ ایسی پاک اور مفید صحت چیزیں جو کھانے کے لائق ہوں۔ پس یہ عقیدہ کہ تمام کیڑے جو پیدا ہوتے ہیں وہ دراصل ہوا کے کیڑے ہیں یہ صحیح نہیں ہے۔ بلکہ اس جگہ یہ سوال بھی پیش ہو سکتا ہے کہ دراصل ہوا کیڑوں سے پاک ہے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ جیسے کسی اونچے پہاڑ کی بلندی پر چڑھیں جس کی سطح کھلی اور ہر ایک روک سے محفوظ ہو وہ ہوا کیڑوں سے خالی ہوتی ہے یا یوں کہو کہ بہت ہی کم اس میں کیڑے ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے ایسے پہاڑوں پر سل کی بیماری والوں کو فائدہ ہوتا ہے۔ اور اس سے اوپر کے طبقہ کی ہوا ایسی ہوتی ہے جو بالکل کیڑوں سے خالی ہوتی ہے۔ اور اس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ جو ہوا سطح زمین کے نزدیک ہے خاص کر جب وہ آفتاب کی حرارت سے پورا حصہ نہیں لیتی یا برف کی شدید سردی سے متاثر نہیں ہوتی وہی ہوا کیڑوں سے پر ہوتی ہے کیونکہ وہ اپنی بساطت پر باقی نہیں رہتی۔ پس اس سے ثابت ہے کہ دراصل ہوا میں کوئی کیڑا نہیں ہے بلکہ جب ایک عارضی غلاظت اور رطوبت اس سے مل جاتی ہے تو اس سے وہ کیڑے پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور چونکہ یہ ہوا تمام چیزوں پر محیط ہے اس لئے یہ گندی ہوا جب دوسری چیزوں پر اثر کرے گی تو ان میں بھی کیڑے پیدا ہو جائیں گے۔ اور عجیب تر یہ ہے کہ اگر مثلاً ایک جگہ پچاس سنگترہ یا اور قسم کے میوے دیر تک رکھے رہیں تو بعض پھل تو بگڑ جاتے ہیں اور بعض مدت تک نہیں بگڑتے حالانکہ وہ ایک ہی ہوا کے اثر کے ماتحت ہوتے ہیں۔ اور پھر یہ بھی ہے کہ جس قدر ہوا لطیف ہو گی اسی قدر کیڑے کم پیدا ہوں گے۔ اس سے ثابت ہے کہ کیڑے دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ جو گندی ہوا کی تاثیر سے پیدا نہیں ہوتے

بلکہ خدا تعالیٰ کی قدرت اور حکمت سے محض کسی سرسبز پتے یا سرسبز پھل سے پیدا ہوتے ہیں جیسے گولر کا پردار کیڑا یا آک کا جانور جو ملخ کے برابر ہوتا ہے اور جیسے نطفہ کا کیڑا اور جیسے وہ کیڑے جو زمین کے نہایت ہی عمیق طبقوں میں پائے جاتے ہیں۔ اور دوسرے وہ کیڑے ہیں جو گندی ہوا سے پیدا ہوتے ہیں۔ اور ایسی ہوا جب کسی ایسی غذا پر اپنا اثر کرتی ہے جس میں کیڑے پیدا ہو سکتے ہیں تو اس ہوا کے اثر سے ہزارہا کیڑے اس غذا میں پیدا ہو جاتے ہیں۔ پس یہ سائنس والوں کی غلطی ہے کہ وہ ہر ایک پیدا ہونے والے کیڑے کو گندی ہوا کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اب یہ بات بھی بحث طلب ہے کہ وہ کیڑے جو دال وغیرہ چیزوں میں پیدا ہوتے ہیں وہ کہاں سے پیدا ہوتے ہیں؟ پس اصل بات تو یہ ہے کہ جب وہ گندی ہوا جس میں کیڑے پیدا ہو چکے ہیں کسی کھانے والی یا کسی دوسری چیز پر اثر کرتی ہے تو اس کے اثر سے اس چیز میں کیڑے پیدا ہو جاتے ہیں۔ اگر محض یہی بات ہوتی کہ اس ہوا کے کیڑے اس کھانے کے اندر داخل ہو جاتے ہیں تو کوئی کھانا کیڑوں سے بچ نہ سکتا ایک طرف ہم ایک کھانا تیار کر کے اپنے سامنے رکھتے ...... اور ایک طرف فی الفور ہزارہا کیڑے بلا توقف اس میں پڑ جاتے کیونکہ جب کیڑے پہلے سے ہوا میں موجود ہیں اور کھانا بھی کھلا پڑا ہے تو پھر توقف کی کوئی وجہ نہیں۔ اور اگر کہو کہ اول حالت میں باریک ہوتے ہیں تو پھر تم خوردبین کے ذریعہ سے ہمیں دکھلاؤ کہ اس تازہ کھانے میں کہاں کیڑے ہیں۔ غرض یہ بھی سائنس والوں کی ایک موٹی غلطی ہے۔ وہ لوگ خدا کے اسرار کا معما کھولنا چاہتے ہیں آخر منہ کے بل گرتے ہیں۔[26]

(چشمۂ معرفت۔ روحانی خزائن جلد ۲۳ صفحہ ۲۸۳۔ ۲۸۶)

---

26. یاد رہے کہ بموجب اصول آریہ سماج کے وید نے ہر ایک جانور کو خواہ وہ کیڑا ہے یا اور جاندار انسان قرار دیا ہے یعنی یہ تعلیم دی ہے کہ وہ دراصل انسانی رُوح ہے جو کسی اور جُون میں واپس آئی ہے مگر وید نے جو واپس آنے کا طریق بیان کیا ہے وہ ایسا بیہودہ اور خلاف عقل ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وید کے بنانے والے علم اور عقل سے محض بے نصیب تھے اس بات کا بارِ ثبوت وید کے ذمہ تھا کہ وہ رُوح جو بدن سے نکل گئی تھی وہ کیونکر اور کس طریق سے واپس آتی ہے اور کیونکر انسانی نطفہ

یہ بات محققین اور مجربین کے مشاہدات کثیرہ متواترہ سے ثابت ہو چکی ہے جس سے فلسفیوں نے بھی اتفاق کر لیا ہے کہ عالم رویا اور عالم آخرت مرایا متقابلہ کی طرح واقعہ ہیں۔ جو کچھ فطرت اور قدرت الٰہی نے عالم خواب میں خواص عجیبہ رکھے ہیں اور جس عجیب طور سے روحانی امور محسوس و مشہود طور پر اس عالم میں دکھائی دیتے ہیں بعینہٖ یہی حال عالم آخرت کا ہے یا یوں کہو کہ عالم خواب عالم آخرت کے لئے اس عکسی آئینہ کی طرح ہے جو ہو بہو فوٹو گراف اتار دکھائے۔ اور اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ موت اور خواب دو حقیقی بہنیں ہیں جن کا حلیہ اور شکل اور لوازم اور خواص قریب قریب ہیں۔ اور اگر ہم اسی زندگی دنیا میں عالم آخرت کے کچھ اسرار بغیر ذریعہ الہام اور وحی کے دریافت کر سکتے ہیں تو بس یہی ایک ذریعہ عالم رویا کا ہے۔ سو دانشمندوں کو چاہئے کہ اگر اس عالم کی کیفیت کچھ دریافت کرنا چاہیں تو عالم رویا پر بہت غور اور توجہ کریں کیونکہ جن عجائبات سے یہ عالم رویا بھرا ہوا ہے اسی قسم کے عجائبات عالم آخرت میں بھی ہیں اور جس طور کی ایک خاص تبدیلی وقوع میں آ کر عالم رویا پیدا ہو جاتا ہے اور پھر اس میں یہ عجائبات کھلتے ہیں عالم آخرت میں بھی اسی کے مشابہ تبدیل ہے۔ سو جبکہ خدائے تعالیٰ کا قانونِ قدرت عالم رویا میں یہی ہے کہ وہ روحانیات کو جسمانیات سے متمثل کرتا ہے اور معقولات کو محسوسات کا لباس پہناتا ہے سو وہی قانون قدرت دوسرے عالم میں بھی سمجھنا چاہئے۔ اور یہ خیال آریوں کا کہ عالم آخرت میں صرف روح اکیلی رہ جائے گی اور اس کے ساتھ جسم نہیں ہو گا اور لذتیں بھی صرف روحانی اور معقولی طور پر ہوں گی یہ سراسر تحکم ہے جس پر کوئی دلیل نہیں۔ یہ بات نہایت صاف اور بدیہی الثبوت ہے کہ

بقیہ حاشیہ: سے اُس کا پیوند ہو جاتا ہے اور یہ خیال کہ وہ رُوح شبنم کی طرح گھاس پات پر گرتی ہے اس سے زیادہ اور کوئی خیال بیوقوفی کا نہیں ہوگا کیونکہ نطفہ صرف گھاس پات سے نہیں بلکہ صدہا مختلف طریقوں سے تیار ہوتا ہے جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔ ایک دال کی طرف دیکھو جو اکثر آریوں کی غذا ہے اوّل وہ آگ پر گداز کی جاتی ہے اور کیڑے مر جاتے ہیں اور اگر باسی ہو جائے تو ہزارہا کیڑے اس میں پڑ جاتے ہیں۔ تو کیا یہ خیال ہوسکتا ہے کہ وہ کیڑے بھی شبنم سے ہی غذا میں داخل ہوتے ہیں اور وہ سب انسان ہیں۔ منہ

انسان ترقیات غیر متناہیہ کے لئے پیدا کیا گیا ہے اور ذریعہ ان ترقیات کا اسکی وہ جسمی ترکیب ہے جس کو قادر مطلق نے ایسی حکمت کاملہ سے صورت پذیر کیا کہ تکمیل نفس ناطقہ انسان کیلئے عجیب آثار اس سے مترتب ہوئے۔ گویا حکیم مطلق نے روح انسان کو اپنے مراتب عالیہ تک پہنچنے کیلئے ایک ضروری سیڑھی عطا کر دی۔ سو جیسا کہ یہ ظاہر ہے کہ ان مراتب عالیہ کے کوئی انتہا نہیں ایسا ہی یہ بھی ظاہر ہے کہ اس سیڑھی کی بھی ہمیشہ کے لئے ضرورت ہے۔ اور یہ کیونکر ہو سکے کہ وہ ذریعہ ترقیات جس کی ہمیشہ کے لئے روح کو ضرورت ہو اس سے الگ کیا جائے۔ ما سوا اسکے ترقیات تو ایک طرف رہیں علوم حاصل کردہ بھی بغیر شمول جسم کے محفوظ نہیں رہ سکتے۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ جسم کے ماؤف ہونے کے ساتھ ہی انسانیت کے افعال میں فتور پڑ جاتا ہے۔ مثلاً اگر سر پر کوئی چوٹ لگ جائے تو جس مقام پر اس چوٹ کا صدمہ پہنچے اس مقام کی دماغی قوت ساتھ ہی خلل پذیر یا معطل ہو جاتی ہے۔ اگر کسی کو شک ہو تو تجربہ کر کے دیکھ لے۔ پس جبکہ صدور افعال انسانیت کے لئے جسم کی صحت و درستی نہایت ضروری ہے اور جسمانی اختلال کو روحانی اختلال لازم پڑا ہوا ہے تو اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ ہماری روح بغیر شمول جسم کے انسانی لوازم اور کمالات اور حفظ کمالات کا مظہر و مصدر نہیں ہو سکتی۔ ہم دنیا میں صریح دیکھتے ہیں کہ جسم کے آفت زدہ ہونے سے روحانی کاروبار میں ابتری واقع ہو جاتی ہے۔ مجانین یعنے سودائیوں اور پاگلوں کی جب جسمی حالت درست نہیں رہتی اور دماغی اعتدال میں کچھ فرق واقع ہو جاتا ہے تو مجرد روح کے ہونے سے افعال انسانیت ہرگز ان سے صادر نہیں ہو سکتے۔ بعض آدمیوں کو دماغی فتوروں سے اس قدر متأثر دیکھا گیا ہے کہ تمام علوم یک دفعہ انکو بھول گئے ہیں۔ یاں تک کہ اپنا نام بھی یاد نہیں رہا اور بار بار دوسروں سے پوچھتے ہیں کہ میرا نام کیا ہے۔ اب جبکہ ایک تھوڑے سے جسمی خلل سے انسانی افعال میں اس قدر آفتیں پیدا ہو جاتی ہیں تو ہم کس طور سے یقین کر لیں اور کونسی دلیل ہمارے ہاتھ میں ہے جس سے ہم اس بات کے باور کرنے کے لئے بکلّی تیار ہو جائیں کہ جب روح جسم سے قطعی طور پر الگ ہو جائیگی تب اس مفارقت تامہ

سے کوئی ضرر انسانی کمالات کے عائد حال نہیں ہوگا۔ ہم جانتے ہیں کہ ضرور ہوگا۔ تجارب طبّی ہمارے لئے دلیل کافی ہے یعنی ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ اختلالِ جسمانی اختلالِ روحانی کا موجب ہے اور جسمانی صحت یا مرض کو روحانی صلاح یا فساد پر ایک قوی اثر ہے۔

(سرمہ چشم آریہ۔ روحانی خزائن جلد۲ صفحہ ۱۵۹۔۱۶۱)

یورپ کے اکثر کاریگر دانتوں کی جگہ دانت اور آنکھ کی پتلی کی جگہ آنکھ کی پتلی اور ٹانگوں کی جگہ ٹانگ اور بالوں کی جگہ مصنوعی بال لگا کر گزارہ چلا دیتے ہیں۔ بعض حکیموں نے چاند بنا کر اور چڑھا کر محدود حد تک اس کی روشنی سے کام لیا ہے۔ بعض نے پرند بنا کر کنجی دینے سے ایک حد تک انہیں اڑا کر دکھلا دیا ہے اور بعض نے مینہ برسنے کی ترکیب نکالی اور کسی حد کے اندر اندر مینہ برسا دیا۔ ایسا ہی قسم قسم کے پھول اور پھل اور موتی اور دیگر جواہرات ایسے بنائے گئے ہیں جو دیکھنے والوں کو حیران کر دیا ہے اور ابھی انسان کی صانعیت کی کچھ انتہا نہیں کیونکہ وہ ترقیات غیر محدود کے لئے پیدا گیا گیا ہے جن کی تحصیل کے لئے وہ فطرتاً مشغول ہے۔

(سرمہ چشم آریہ۔ روحانی خزائن جلد۲ صفحہ ۲۰۱ حاشیہ)

خنزیر جو حرام کیا گیا ہے خدا نے ابتدا سے اس کے نام میں ہی حرمت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ کیونکہ خنزیر کا لفظ خـنـز اور اڑ سے مرکب ہے جس کے یہ معنے ہیں کہ میں اس کو بہت فاسد اور خراب دیکھتا ہوں۔ خنز کے معنے بہت فاسد اور اَر کے معنے دیکھتا ہوں۔ پس اس جانور کا نام جو ابتدا سے خدا تعالیٰ کی طرف سے اسکو ملا ہے وہی اسکی پلیدی پر دلالت کرتا ہے اور عجیب اتفاق یہ ہے کہ ہندی میں اس جانور کو سُؤر کہتے ہیں۔ یہ لفظ بھی سُـــوء اور اَرُ سے مرکب ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ میں اسکو بہت برا دیکھتا ہوں ...... اس بات کا کس کو علم نہیں کہ یہ جانور اول درجہ کا نجاست خور اور نیز بے غیرت اور دیوّث ہے۔ اب اس کے حرام ہونے کی وجہ ظاہر ہے کہ قانون قدرت یہی چاہتا ہے کہ ایسے پلید اور بد جانور کے گوشت کا اثر بھی بدن اور روح پر بھی پلید ہی ہو۔ کیونکہ ہم ثابت کر چکے ہیں کہ غذاؤں کا بھی انسان کی روح پر ضرور اثر ہوتا ہے۔ پس اس میں کیا شک ہے کہ ایسے بد کا اثر بھی بد ہی

پڑے گا۔ جیسا کہ یونانی طبیبوں نے اسلام سے پہلے ہی یہ رائے ظاہر کی ہے کہ اس جانور کا گوشت بالخاصیّت حیا کی قوّت کو کم کرتا ہے اور دیّوثی کو بڑھاتا ہے اور مردار کا کھانا بھی اسی لئے اس شریعت میں منع ہے کہ مردار بھی کھانے والے کو اپنے رنگ میں لاتا ہے اور نیز ظاہری صحت کے لئے بھی مضر ہے۔ اور جن جانوروں کا خون اندر ہی رہتا ہے جیسے گلا گھونٹا ہوا یا لاٹھی سے مارا ہوا، یہ تمام جانور درحقیقت مردار کے حکم میں ہی ہیں۔

(اسلامی اصول کی فلاسفی۔ روحانی خزائن جلد ۱۰ صفحہ ۳۳۸۔۳۳۹)

خالق حقیقی رحم کے اندر تمام اعضاء اندرونی و بیرونی کو ایک ہی زمانہ میں بناتا ہے یعنی ایک ہی وقت میں سب بنتے ہیں، تاخیر تقدیم نہیں۔ البتہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ پہلے تمام وجود انسان کا ایک جما ہوا خون ہوتا ہے اور پھر سارے کا سارا ایک ہی وقت میں مضغہ بن جاتا ہے اور پھر ایک وقت میں کچھ حصہ اس کا اپنے اپنے موقعہ پر ہڈیاں بن جاتا ہے اور پھر ایک ہی وقت میں اس تمام مجموعہ پر ایک زائد گوشت چڑھ جاتا ہے جو تمام بدن کی کھال کہلاتی ہے جس سے خوبصورتی پیدا ہوتی ہے۔ اور اس مرتبہ پر جسمانی بناوٹ تمام ہو جاتی ہے اور پھر جان پڑ جاتی ہے۔

(براہین احمدیہ حصہ پنجم۔ روحانی خزائن جلد ۲۱ صفحہ ۱۸۶)

جو لوگ کبھی گوشت نہیں کھاتے رفتہ رفتہ انکی شجاعت کی قوت کم ہوجاتی ہے یہاں تک کہ نہایت دل کے کمزور ہو جاتے ہیں اور ایک خدا داد اور قابل تعریف قوت کو کھو بیٹھتے ہیں۔ اسکی شہادت خدا کے قانون قدرت سے اس طرح پر بھی ملتی ہے کہ چار پایوں میں سے جس قدر گھاس خور جانور ہیں کوئی بھی ان میں سے وہ شجاعت نہیں رکھتا جو ایک گوشت خور جانور رکھتا ہے۔ پرندوں میں بھی یہی بات مشاہدہ ہوتی ہے۔ پس اس میں کیا شک ہے کہ اخلاق پر غذاؤں کا اثر ہے۔ ہاں جو لوگ دن رات گوشت خوری پر زور دیتے ہیں اور نباتاتی غذاؤں سے بہت ہی کم حصہ رکھتے ہیں وہ بھی حلم اور انکسار کے خلق میں کم ہو جاتے ہیں اور میانہ روش کو اختیار کرنے والے دونوں خُلق کے وارث ہوتے ہیں۔ اسی حکمت کے لحاظ سے

خدائے تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے کُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا[27] یعنی گوشت بھی کھاؤ اور دوسری چیزیں بھی کھاؤ مگر کسی چیز کی حد سے زیادہ کثرت نہ کروتا اس کا اخلاقی حالت پر بد اثر نہ پڑے اور تا یہ کثرت مضر صحت بھی نہ ہو۔ اور جیسا کہ جسمانی افعال اور اعمال کا روح پر اثر پڑتا ہے ایسا ہی کبھی روح کا اثر بھی جسم پر جا پڑتا ہے. جس شخص کو کوئی غم پہنچے آخر وہ چشم پُر آب ہو جاتا ہے اور جس کو خوشی ہو آخر وہ تبسم کرتا ہے۔ جس قدر ہمارا کھانا پینا، سونا، جاگنا، حرکت کرنا ، آرام کرنا ، غسل کرنا وغیرہ افعال طبعیہ ہیں یہ تمام افعالِ ضروری ہماری روحانی حالت پر اثر کرتے ہیں۔ ہماری جسمانی بناوٹ کا ہماری انسانیت سے بڑا تعلق ہے۔ دماغ کے ایک مقام پر چوٹ لگنے سے یکلخت حافظہ جاتا رہتا ہے اور دوسرے مقام پر چوٹ لگنے سے ہوش وحواس رخصت ہوتے ہیں۔ وباء کی ایک زہریلی ہوا کس قدر جلدی سے جسم میں اثر کر کے پھر دل میں اثر کرتی ہے اور دیکھتے دیکھتے وہ اندرونی سلسلہ جس کے ساتھ تمام نظام اخلاق کا ہے درہم برہم ہونے لگتا ہے یہاں تک کہ انسان دیوانہ سا ہو کر چند منٹ میں گزر جاتا ہے۔

(اسلامی اصول کی فلاسفی۔ روحانی خزائن جلد ۱۰ صفحہ ۳۲۰۔۳۲۱)

خدا تعالیٰ کا ان پر اور تمام دنیا پر احسان تھا کہ حفظان صحت کے قواعد مقرر فرمائے۔ یہاں تک کہ یہ بھی فرما دیا کہ کُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا[27] یعنی بے شک کھاؤ پیو مگر کھانے پینے میں بے جا طور پر کوئی زیادت کیفیت یا کمیت کی مت کرو ...... جو شخص جسمانی پاکیزگی کی رعایت کو بالکل چھوڑ دیتا ہے وہ رفتہ رفتہ وحشیانہ حالت میں گر کر روحانی پاکیزگی سے بھی بے نصیب رہ جاتا ہے۔ مثلاً چند روز دانتوں کا خلال کرنا چھوڑ دو جو ایک ادنیٰ صفائی کے درجہ پر ہے تو وہ فضلات جو دانتوں میں پھنسے رہیں گے ان میں سے مردار کی بو آئیگی۔ آخر دانت خراب ہو جائیں گے اور ان کا زہریلا اثر معدہ پر گر کر معدہ بھی فاسد ہو جائیگا۔ خود غور کر کے دیکھو کہ جب دانتوں کے اندر کسی بوٹی کا رگ و ریشہ یا کوئی جز پھنسا رہ جاتا ہے اور

27. الاعراف: ۳۲ (مرتب)

اسی وقت خلال کے ساتھ نکالا نہیں جاتا تو ایک رات بھی اگر رہ جائے تو سخت بدبو اس میں پیدا ہو جاتی ہے اور ایسی بدبو آتی ہے جیسا کہ چوہا مرا ہوا ہوتا ہے۔

(ایام الصلح۔ روحانی خزائن جلد۱۴صفحہ۳۳۲)

یہ بات بھی ایک ادنیٰ غور کرنے سے ظاہر ہوتی ہے کہ ہماری روحیں اجمالی طور پر ان سب متفرق الٰہی حکمتوں اور صنعتوں پر مشتمل ہیں جو اجرام علوی و سفلی میں پائے جاتے ہیں۔ اسی وجہ سے دنیا باعتبار اپنے جزئیات مختلفہ کے عالم تفصیلی ہے اور انسان عالم اجمالی کہلاتا ہے یا یوں کہو کہ یہ عالم صغیر اور وہ عالم کبیر ہے۔ پس جبکہ ایک جزئی عالم کے بوجہ پائے جانے پُر حکمت کاموں کے ایک صانع حکیم کی صنعت کہلاتی ہے تو خیال کرنا چاہئے کہ وہ چیز کیونکر صنعت الٰہی نہ ہوگی جسکا وجود اپنے عجائبات ذاتی کے رو سے گویا تمام جزئیات عالم کی عکسی تصویر ہے اور ہر یک جزئ کے خواص عجیبہ اپنے اندر رکھتی ہے اور حکمت بالغہ ایزدی پر بوجہٗ اتم مشتمل ہے۔

(سرمہ چشم آریہ۔ روحانی خزائن جلد۲صفحہ۱۶۸)

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ روح کیا چیز ہے تو خدا نے فرمایا کہ تو ان کو جواب دے کہ روح میرے رب کے امر میں سے ہے۔ اس بارے میں آیۃ قرآنی یہ ہے کہ یَسْـئَلُوْنَکَ عَنِ الرُّوْحِ ط قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ وَ مَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا [28] یعنی یہ لوگ پوچھتے ہیں کہ روح کیا چیز ہے اور کیونکر پیدا ہوتی ہے۔ ان کو جواب دے کہ روح میرے رب کے امر سے پیدا ہوتی ہے یعنی وہ ایک راز قدرت ہے اور تم لوگ روح کے بارے میں کچھ علم نہیں رکھتے مگر تھوڑا سا یعنی صرف اس قدر کہ تم روح کو پیدا ہوتے دیکھ سکتے ہو اس سے زیادہ نہیں۔ جیسا کہ ہم بچشم خود دیکھ سکتے ہیں کہ ہماری آنکھ کے سامنے کسی مادہ میں سے کیڑے مکوڑے پیدا ہو جاتے ہیں۔

اور انسانی روح کے پیدا ہونے کے لئے خدا تعالیٰ کا قانون قدرت یہ ہے کہ دو نطفوں کے

---

28. بنی اسرائیل: ۸۶ (مرتب)

ملنے کے بعد جب آہستہ آہستہ قالب تیار ہو جاتا ہے تو جیسے چند ادویہ کے ملنے سے اس مجموعہ میں ایک خاص مزاج پیدا ہو جاتی ہے کہ جو ان دواؤں میں فرد فرد کے طور پر پیدا نہیں ہوتی اسی طرح اس قالب میں جو خون اور دو نطفوں کا مجموعہ ہے ایک خاص جوہر پیدا ہو جاتا ہے اور وہ ایک فاسفرس کے رنگ میں ہوتا ہے۔ اور جب تجلی الٰہی کی ہوا کُـــن کے امر کے ساتھ اس پر چلتی ہے تو یکدفعہ وہ افروختہ ہو کر اپنی تاثیر اس قالب کے تمام حصوں میں پھیلا دیتا ہے۔ تب وہ جنین زندہ ہو جاتا ہے۔ پس یہی افروختہ چیز جو جنین کے اندر تجلی ربی سے پیدا ہو جاتی ہے اسی کا نام روح ہے اور وہی کلمۃ اللہ ہے اور اس کو امر ربّی سے اس لئے کہا جاتا ہے کہ جیسے ایک حاملہ عورت کی طبیعت مدبّرہ بحکم قادر مطلق تمام اعضاء کو پیدا کرتی ہے اور عنکبوت کے جالے کی طرح قالب کو بناتی ہے اس روح میں اس طبیعت مدبّرہ کو کچھ دخل نہیں بلکہ روح محض خاص تجلی الٰہی سے پیدا ہوتی ہے۔

(چشمۂ معرفت۔ روحانی خزائن جلد ۲۳ صفحہ ۱۵۹۔۱۶۰)

روح ایک لطیف نور ہے جو اس جسم کے اندر ہی سے پیدا ہو جاتا ہے جو رحم میں پرورش پاتا ہے۔ پیدا ہونے سے مراد یہ ہے کہ اول مخفی اور غیر محسوس ہوتا ہے پھر نمایاں ہو جاتا ہے اور ابتداً اس کا خمیر نطفہ میں موجود ہوتا ہے۔ بیشک وہ آسمانی خدا کے ارادہ سے اور اس کے اذن اور اس کی مشیّت سے ایک مجہول الکنہ علاقہ کے ساتھ نطفہ سے تعلق رکھتا ہے اور نطفہ کا وہ ایک روشن اور نورانی جوہر ہے۔ نہیں کہہ سکتے کہ وہ نطفہ کی ایسی جزو ہے جیسا کہ جسم جسم کی جزو ہوتا ہے۔ مگر یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ وہ باہر سے آتا ہے یا زمین پر گر کر نطفہ کے مادہ سے آمیزش پاتا ہے۔ بلکہ وہ ایسا نطفہ میں مخفی ہوتا ہے جیسا کہ آگ پتھر کے اندر ہوتی ہے۔ خدا کی کتاب کا یہ منشأ نہیں ہے کہ روح الگ طور پر آسمان سے نازل ہوتی ہے یا فضا سے زمین پر گرتی ہے اور پھر کسی اتفاق سے نطفہ کے ساتھ مل کر رحم کے اندر چلی جاتی ہے۔ بلکہ یہ خیال کسی طرح صحیح نہیں ٹھہر سکتا۔ اگر ہم ایسا خیال کریں تو قانون قدرت ہمیں باطل پر ٹھہراتا ہے۔ ہم روز مشاہدہ کرتے ہیں کہ گندے اور باسی کھانوں میں اور گندے زخموں میں ہزارہا

کیڑے پڑ جاتے ہیں۔ میلے کپڑوں میں صدہا جوئیں پڑ جاتی ہیں۔ انسان کے پیٹ کے اندر بھی کدو دانے وغیرہ پیدا ہو جاتے ہیں۔ اب کیا ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ باہر سے آتے ہیں یا آسمان سے اترتے کسی کو دکھائی دیتے ہیں۔ سو صحیح بات یہ ہے کہ روح جسم میں سے ہی نکلتی ہے اور اسی دلیل سے اس کا مخلوق ہونا بھی ثابت ہوتا ہے۔

(اسلامی اصول کی فلاسفی۔ روحانی خزائن جلد۱۰ صفحہ۳۲۲۔۳۲۳)

عالم کشف کے عجائبات تو ایک طرف رہے جو عالم عقل ہے یعنے جس عالم تک عقل کی رسائی ہونا ممکن ہے اس عالم کا بھی ابھی تک عقل نے تصفیہ نہیں کیا اور لاکھوں اسرار الٰہی پردۂ غیب میں دبے پڑے ہیں جن کی عقلمندوں کو ہوا تک نہیں پہنچی۔ ایک فصلی مکھی جو پلید اور ناپاک زخموں پر بیٹھتی ہے اور اکثر گدھے یا بیل وغیرہ جو زخمی اور مجروح ہوں ان کو ستاتی ہے اسکے اس عجیب خاصہ پر کوئی فلسفی دلیل عقلی نہیں بتلا سکتا کہ وہ اکثر برسات میں تکون کے طور پر پیدا ہو جاتی ہے اور اس کی اولاد صرف کیڑے ہوتے ہیں کہ جو ایک ایک سیکنڈ میں دس دس بیس بیس تیس تیس اسکے اندر سے نکلتے جاتے ہیں۔ کیا یہ عقل کے برخلاف ہے یا نہیں کہ مادہ اور نر دونوں نوع واحد میں داخل ہوں اور انکے بچے ایسے ہوں کہ اس نوع سے بکلی خارج ہوں۔ ایسا ہی اگر چھپکلی کو (جس کو پنجاب میں کرلے کہتے ہیں) درمیان سے کاٹا جائے تو اس کا نیچے اور اوپر کا دھڑ دونوں الگ الگ تڑپتے ہیں اور مضطربانہ حرکت کرتے ہیں۔ اگر بقول پنڈت دیانند صاحب روح بھی جسم کی قسم ہے تو اس سے ضرور لازم آتا ہے کہ روح دو ٹکڑے ہو گیا ہو اور اگر روح کو جسم اور جسمانی ہونے سے منزہ خیال کریں اور اس کا تعلق جسم سے ایسا ہی مجہول الکیفیت و برتر از عقل وفہم خیال کریں جیسے روح کا حدوث برتر از عقل وفہم ہے تو پھر البتہ کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا۔

(سرمہ چشم آریہ۔ روحانی خزائن جلد۲ صفحہ۱۸۱۔۱۸۲ حاشیہ)

موت کا لفظ ایسی چیزوں کے فنا کی نسبت بھی بولا جاتا ہے جن پر فنا طاری ہونے کے بعد کوئی روح ان کی باقی نہیں رہتی۔ اسی وجہ سے جب نباتات اور جمادات اپنی صورت نوعیہ کو

چھوڑ کر کوئی اور صُوَر قبول کر لیں تو ان پر بھی موت کا لفظ اطلاق پاتا ہے۔ جیسے کہتے ہیں کہ یہ لوہا مر گیا اور کشتہ ہو گیا اور چاندی کا ٹکڑا مر گیا اور کشتہ ہو گیا۔ ایسا ہی تمام جاندار اور کیڑے مکوڑے جن کی روح مرنے کے بعد باقی نہیں رہتی اور مورد ثواب و عقاب نہیں ہوتے ان کے مرنے پر بھی توفّی کا لفظ نہیں بولتے بلکہ صرف یہی کہتے ہیں کہ فلاں جانور مر گیا یا فلاں کیڑا مر گیا۔ چونکہ خدا تعالیٰ کو اپنے کلام عزیز میں یہ منظور ہے کہ کھلے کھلے طور پر یہ ظاہر کرے کہ انسان ایک ایسا جاندار ہے کہ جس کی موت کے بعد بکلّی اس کی فنا نہیں ہوتی بلکہ اس کی روح باقی رہ جاتی ہے جس کو قابضِ ارواح اپنے قبضہ میں لے لیتا ہے۔ اس وجہ سے موت کے لفظ کو ترک کر کے بجائے اس کے توفّی کا لفظ استعمال کیا ہے تا اس بات پر دلالت کرے کہ ہم نے اس پر موت وارد کر کے بکلّی اس کو فنا نہیں کیا بلکہ صرف جسم پر موت وارد کی ہے اور روح کو اپنے قبضہ میں کر لیا ہے۔

(ازالہ اوہام۔ روحانی خزائن جلد ۳ صفحہ ۲۷۰۔۲۷۱)

تمام قسم کے علم یعنی طب و طبعیات و فلسفہ و ریاضی جو دسویں صدی سے یورپ میں جاری ہوئے ہیں یہ سب اصل میں اہل عرب مسلمانوں کے فلسفی مدارس سے سیکھے گئے تھے خصوصاً ہسپانیہ کے اہل اسلام بانی فلسفہ یورپ خیال کئے جاتے ہیں۔ اہل اسلام کو علمی ترقی بھی ایسی ہی جلدی حاصل ہوئی جیسے ان ملکوں پر فتحیں حاصل ہوتی تھیں۔ سول سے اصفہان تک اہل عرب کا علم بہت جلد پھیل گیا اور بغداد اور کوفہ اور قاہرہ اور بصرہ اور فنیز اور مراکو اور گوردووا اور گرینڈا اور وین شیا اور سول میں اہل عرب کی حکمت نے بہت جلد رواج پایا۔ حقیقت میں اہل عرب مسلمانوں نے تمام علوم کو نئے سرے ترقی دی اور یونان اور روما کے علوم میں دوبارہ جان ڈالی۔ نویں صدی سے چودھویں صدی تک عرب کے علم و فضل سے یہ نور حاصل ہوتا رہا اور اہل یورپ کو تاریکی جہالت سے روشنی علم و عقل میں لایا۔ اگر آٹھواں خلیفہ عبدالرحمٰن ہسپانیہ میں مدرسے اور مکتب خانے جاری نہ کرتا تو ہمیں بے شک اہل عرب کے علم و فضل سے مطلق فائدہ نہ ہوتا کیونکہ بغداد اور بخارا اور مصر کے مدارس بہت مشہور تھے مگر

وہ اس قدر دور تھے کہ طلباء یورپ کو واں جانے میں بہت دقت پڑتی تھی۔ مذہب اسلام اپنی ترقی کے زمانہ میں ہی نہیں بلکہ اپنی ابتدائی حالت میں ہی اور مذہبوں کی نسبت علم کی طرف بہت مائل تھا۔ آنحضرت نے خود فرمایا ہے کہ جس آدمی میں علم نہ ہو وہ قالب بے روح ہے۔ یہ تمام عبارت جان بورٹ صاحب کی ہے۔

(سرمہ چشم آریہ۔ روحانی خزائن جلد۲ صفحہ۱۹۴)

یہ ایک فیصلہ شدہ بات ہے کہ اگر علم سائنس یعنی طبعی خدا تعالیٰ کے تمام عمیق کاموں پر احاطہ کر لے تو پھر وہ خدا ہی نہیں۔ جس قدر انسان اس کی باریک حکمتوں پر اطلاع پاتا ہے وہ انسانی علم اس قدر بھی نہیں کہ جیسے ایک سوئی کو سمندر میں ڈبویا جائے اور اس میں کچھ سمندر کی پانی کی تری باقی رہ جائے۔ اور یہ کہنا کہ اس کی تمام باریک قدرتوں پر اطلاع پانے کے لئے ہمارے لئے راہ کشادہ ہے اس سے زیادہ کوئی حماقت نہیں۔ باوجودیکہ ہزارہا قرن اس دنیا پر گزر چکے ہیں پھر بھی انسان نے صرف اس قدر خدا کی حکمتوں پر اطلاع پائی ہے جیسا کہ ایک عالمگیر بارش میں سے صرف اس قدر تری جو ایک بال کی نوک کو بمشکل تر کر سکے۔ پس اس جگہ اپنی حکمت اور دانائی کا دم مارنا جھوٹی شیخی اور حماقت ہے۔ انسان باوجودیکہ ہزارہا برسوں سے اپنے علوم طبعیہ اور ریاضیہ کے ذریعہ سے خدا کی قدرتوں کے دریافت کرنے کیلئے جان توڑ کوششیں کر رہا ہے مگر ابھی اس قدر اس کے معلومات میں کمی ہے کہ اس کو نامراد اور ناکام ہی کہنا چاہیے۔ صدہا اسرار غیبیہ اہل کشف اور اہل مکالمہ الٰہیہ پر کھلتے ہیں اور ہزارہا راستباز ان کے گواہ ہیں مگر فلسفی لوگ اب تک ان کے منکر ہیں۔ جیسا کہ فلسفی لوگ تمام مدار ادراک معقولات اور تدبر اور تفکر کا دماغ پر رکھتے ہیں مگر اہل کشف نے اپنی صحیح رویت اور روحانی تجارب کے ساتھ معلوم کیا ہے کہ انسانی عقل اور معرفت کا سرچشمہ دل ہے۔

(چشمۂ معرفت۔ روحانی خزائن جلد۲۳ صفحہ۲۸۲۔۲۸۳)

کچھ عجائبات آسمان میں یا زمین میں ظاہر ہوتے ہیں جو بڑے بڑے فیلسوفوں کو حیرت میں ڈالتے ہیں اور پھر فلسفی لوگ انکے قطعی ثبوت اور مشاہدہ سے خیرہ اور متندّم ہو کر کچھ نہ کچھ

تکلفات کر کے طبعی یا ہیئت میں انکو گھسیڑ دیتے ہیں تا انکے قانون قدرت میں کچھ فرق نہ آ جائے۔ ایسا ہی یہ لوگ ادھر کے ادھر لگا کر اور نئی باتوں کو کسی علمی قاعدہ میں جبراً دہنسا کر گزارہ کر لیتے ہیں۔ جب تک پر دار مچھلی نہیں دیکھی گئی تھی تب تک کوئی فلسفی اس کا قائل نہ تھا اور جب تک متواتر دُم کے کٹنے سے دُم کٹے کتے پیدا نہ ہونے لگے تب تک اس خاصیت کا کوئی فلاسفر اقراری نہ ہوا۔ اور جب تک بعض زمینوں میں کسی سخت زلزلہ کی وجہ سے کوئی ایسی آگ نہ نکلے کہ وہ پتھروں کو پگھلا دیتی تھی مگر لکڑی کو جلا نہیں سکتی تھی تب تک فلسفی لوگ ایسی خاصیت کا آگ میں ہونا خلاف قانون قدرت سمجھتے رہے۔ جب تک اسپیریٹر کا آلہ نہیں نکلا تھا کس فلسفی کو معلوم تھا کہ عمل ٹرانسفیوزن آف بلڈ (یعنے ایک انسان کا خون دوسرے انسان میں داخل کرنا) قانون فطرت میں داخل ہے۔ بھلا اس فلاسفر کا نام لینا چاہیے جو الیکٹرک مشین یعنی بجلی کی کل نکلنے سے پہلے اس بجلی لگانے کے عمل کا قائل تھا۔

(سرمہ چشم آریہ۔ روحانی خزائن جلد۲ صفحہ۹۴۔۹۵)

اکثر یونانی فلسفی (آسمانوں کے ماننے والے) اور انہیں میں سے افلاطون اور ارسطو بھی اس بات پر متفق ہیں کہ حادث چیزوں کی مبادی آسمانوں کی حرکتیں اور انکے مختلف دورے ہیں۔ اسی جہت سے علوی اور سفلی چیزوں کے حکم اور حال مختلف ہوتے ہیں اور اسی بنا پر ان کے مذہب کے رو سے ممکن ہے کہ ایک دور میں ایسی عجائب چیزیں یا عجائب شکلوں کے جانور پیدا ہوں کہ نہ تو دور سابق میں اور نہ دور لاحق میں انکی نظیر پائی جائے۔ غرض نادرالظہور اشیاء کا سلسلہ اس وضع عالم کو لازمی پڑا ہوا ہے۔

(سرمہ چشم آریہ۔ روحانی خزائن جلد۲ صفحہ۹۷)

حکیم فاضل قرشی یا شاید علامہ نے ایک جگہ لکھا ہے کہ ایک بیمار ہم نے دیکھا جس کا کان ماؤف ہو کر بہرہ ہو گیا تھا پھر کان کے نیچے ایک ناسور سا پیدا ہو گیا جو آخر وہ سوراخ سے ہو گئے۔ اس سوراخ کی راہ سے وہ برابر سن لیتا تھا گویا خدا نے اس کے لئے دوسرا کان عطا کیا۔

(سرمہ چشم آریہ۔ روحانی خزائن جلد۲ صفحہ۹۹)

جب گرمی کمال کو پہنچتی ہے اور اس درجہ کے قریب اپنا قدم رکھنے لگتی ہے کہ جس سے قریب ہے کہ بنی آدم ہلاک ہو جائیں تب اس صانع قدیم کی حکمت کاملہ سے اس گرمی کا ایک تیز اثر سمندروں میں پڑتا ہے اور بوجہ شدت اس گرمی کے سمندروں میں سے بخارات اٹھتے ہیں تب سمندروں کی ہوا جو کہ سرد اور بھاری اور امساک کی قوت اپنے اندر رکھتی ہے ان بخارات کو اپنے میں جذب کر کے ایک حاملہ عورت کی طرح ان سے بھر جاتی ہے اور قرب وجوار کی ہوائیں قدرتی طور پر متحرک ہو کر اس کو دھکیلتی اور حرکت میں لاتی ہیں اور خود واسطہ بن کر اس بات کیلئے موجب ٹھہرتی ہیں کہ تا وہ ہوا بادلوں کی صورت میں ہو کر اپنے تئیں طبعًا اسی زمین کی طرف لاوے جہاں کی ہوا اس کی نسبت زیادہ گرم اور لطیف اور کم وزن اور کم مزاحم ہو۔ تب اسی قدر کے موافق بارش ہوتی ہے کہ جس قدر گرمی ہوتی ہے۔

(آئینہ کمالات اسلام۔ روحانی خزائن جلد۵ صفحہ ۵۰)

قانون قدرت میں ہمیشہ یہ بات مشہود اور مرئی ہے کہ ضرورتوں کے وقت آسمان سے بارش ہوتی ہے اور تمام مدار زمین کی سرسبزی کا آسمان کی بارش پر ہے۔ اگر آسمان سے بارش نہ ہو تو رفتہ رفتہ کنویں بھی خشک ہو جاتے ہیں۔ پس دراصل زمین کے پانی کا وجود بھی آسمان کی بارش پر موقوف ہے۔ اسی وجہ سے جب کبھی آسمان سے پانی برستا ہے تو زمین کے کنوؤں کا پانی چڑھ آتا ہے۔ کیوں چڑھ آتا ہے؟ اس کا یہی سبب ہے کہ آسمانی پانی زمین کے پانی کو اوپر کی طرف کھینچتا ہے۔

(اسلامی اصول کی فلاسفی۔ روحانی خزائن جلد۱۰ صفحہ ۴۲۹)

اگرچہ زمین کے نیچے پانی بھی ہے مگر اس پانی کا بقاء اور وجود آسمانی پانی سے وابستہ ہے۔ جب کبھی ایسا اتفاق ہوتا ہے کہ آسمان سے پانی نہیں برستا تو زمینی پانی بھی خشک ہو جاتے ہیں۔ اور جب آسمان سے پانی برستا ہے تو زمین میں بھی پانی جوش مارتا ہے۔

(حقیقۃ الوحی۔ روحانی خزائن جلد۲۲ صفحہ ۱۱۵)

ڈاکٹر برنی آر نے اپنے سفر نامہ کشمیر میں پیر پنجال کی چڑھائی کی تقریب بیان پر بطور ایک

عجیب حکایت کے لکھا ہے جو ترجمہ کتاب مذکور کے صفحہ ۸۰ میں درج ہے کہ ایک جگہ پتھروں کے ہلانے جلانے سے ہم کو ایک بڑا سیاہ بچھو نظر پڑا جس کو ایک نوجوان مغل نے جو میری جان پہچان والوں میں تھا اٹھا کر اپنی مٹھی میں دبا لیا اور پھر میرے نوکر کے اور میرے ہاتھ میں دیدیا مگر اس نے ہم میں سے کسی کو بھی نہ کاٹا۔ اس نوجوان سوار نے اس کا باعث یہ بیان کیا کہ میں نے اس پر قرآن کی ایک آیت پڑھ کر پھونک دی ہے اور اسی عمل سے اکثر بچھوؤں کو پکڑ لیتا ہوں۔ اور صاحب کتاب فتوحات وفصوص جو ایک بڑا بھارا نامی فاضل اور علوم فلسفہ وتصوف میں بڑا ماہر ہے وہ اپنی کتاب فتوحاؔت میں لکھتا ہے کہ ہمارے مکان پر ایک فلسفی اور کسی دوسرے کی خاصیت احراق آگ میں کچھ بحث ہو کر اس دوسرے شخص نے یہ عجیب بات دکھلائی کہ فلسفی کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیکر کوئلوں کی آگ میں جو ہمارے سامنے مجمر میں پڑی ہوئی تھی ڈال دیا اور کچھ عرصہ اپنا اور فلسفی کا ہاتھ آگ پر رہنے دیا۔ مگر آگ نے ان دونوں ہاتھوں میں سے کسی پر ایک ذرا بھی اثر نہ کیا۔ اور راقم اس رسالہ نے ایک درویش کو دیکھا کہ وہ سخت گرمی کے موسم میں یہ آیت قرآنی پڑھ کر وَاِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِیْنَ[29] زنبور کو پکڑ لیتا تھا اور اسکی نیش زنی سے بکلّی محفوظ رہتا تھا۔ اور خود اس راقم کے تجربہ میں بعض تاثیرات عجیبہ آیت قرآنی کی آ چکی ہیں جن سے عجائبات قدرت حضرت باری جل شانہٗ معلوم ہوتے ہیں۔ غرض یہ عجائب خانہ دنیا کا بے شمار عجائبات سے بھرا ہوا ہے۔ جو دانا اور شریف حکیم گذرے ہیں انہوں نے اپنے چند معدود معلومات پر ہرگز ناز نہیں کیا اور وہ اس بات کو بہت بے شرمی اور گستاخی سمجھتے رہے ہیں کہ اپنے محدود تجربہ کا نام خدائے تعالیٰ کا قانون قدرت رکھیں۔

(سرمہ چشم آریہ۔ روحانی خزائن جلد۲ صفحہ ۱۰۰۔۱۰۱)

شق القمر تو ہم پہلے بھی لکھ آئے ہیں کہ یہ وہ معجزہ ہے کہ جو عرب کے ہزاروں کافروں کے روبرو بیان کیا گیا ہے۔ پس اگر یہ امر خلاف واقعہ ہوتا تو یہ ان لوگوں کا حق تھا کہ وہ

29. الشعرآء: ۱۳۱ (مرتب)

اعتراض پیش کرتے کہ یہ معجزہ ظہور میں نہیں آیا۔ خاص کر اس حالت میں کہ شق القمر کی آیت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ کافروں نے یہ معجزہ دیکھا اور کہا کہ یہ پکا جادو ہے جو آسمان تک پہنچ گیا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ[30] یعنی قیامت نزدیک آئی اور چاند پھٹ گیا اور جب یہ لوگ خدا کا کوئی نشان دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ایک پکا جادو ہے۔ اب ظاہر ہے کہ اگر شق القمر ظہور میں نہ آیا ہوتا تو ان کا حق تھا کہ وہ کہتے کہ ہم نے تو کوئی نشان نہیں دیکھا اور نہ اس کو جادو کہا۔ اس سے ظاہر ہے کہ کوئی امر ضرور ظہور میں آیا تھا جس کا نام شق القمر رکھا گیا۔

(چشمۂ معرفت۔ روحانی خزائن جلد۲۳ صفحہ۲۳۲)

بعض نادان شق القمر کے معجزہ پر قانون قدرت کی آڑ میں چھپ کر اعتراض کرتے ہیں۔ لیکن ان کو اتنا معلوم نہیں کہ خدا تعالیٰ کی قدرتوں اور قوانین کا احاطہ اور اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ ایک وقت تو وہ منہ سے خدا بولتے ہیں لیکن دوسرے وقت چہ جائیکہ ان کے دل، ان کی روح خدائے تعالیٰ کی عظیم الشان اور وراء الوراء قدرتوں کو دیکھکر سجدہ میں گر پڑے اسے مطلق بھول جاتے ہیں۔ اگر خدا کی ہستی اور بساط یہی ہے کہ اسکی قدرتیں اور طاقتیں ہمارے ہی خیالات اور اندازہ تک محدود ہیں تو پھر دعا کی کیا ضرورت رہی؟ لیکن نہیں۔ میں تمہیں بتلاتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی قدرتوں اور ارادوں کا کوئی احاطہ نہیں کر سکتا۔ ایسا انسان جو یہ دعویٰ کرے وہ خدا کا منکر ہے۔ لیکن کس قدر واویلا ہے اس نادان پر جو اللہ تعالیٰ کو لا محدود قدرتوں کا مالک سمجھ کر بھی یہ کہے کہ شق القمر کا معجزہ قانون قدرت کے خلاف ہے۔ سمجھ لو کہ ایسا آدمی فکر سلیم اور دور اندیش دل سے بہرہ مند نہیں۔ خوب یاد رکھو کہ کبھی قانون قدرت پر بھروسہ نہ کر لو۔ یعنی کہیں قانون قدرت کی حد نہ ٹھہرا لو کہ بس خدا کی خدائی کا سارا راز یہی ہے پھر تو سارا تاروپود کھل گیا۔ نہیں۔ اس قسم کی دلیری اور جسارت نہ کرنی چاہیے جو انسان کو عبودیت کے درجہ سے گرادے جس کا نتیجہ ہلاکت ہے۔ ایسی بیوقوفی اور حماقت کہ خدا کی

---

30. القمر: ۲-۳ (مرتب)

قدرتوں کو محصور اور محدود کرنا کسی مومن سے نہیں ہوسکتی۔ امام فخرالدین رازی کا یہ قول بہت درست ہے کہ جو شخص خدا تعالیٰ کو عقل کے پیمانہ سے اندازہ کرنے کا ارادہ کرے گا وہ بیوقوف ہے۔ دیکھو نطفہ سے انسان کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا۔ یہ لفظ کہہ دینے آسان اور بالکل آسان ہیں اور یہ بالکل معمولی سی بات نظر آتی ہے مگر یہ ایک سرّ اور راز ہے کہ ایک قطرۂ آب سے انسان کو پیدا کرتا ہے اور اس میں اس قسم کے قویٰ رکھ دیتا ہے۔ کیا کسی عقل کی طاقت ہے کہ وہ اسکی کیفیت اور کنہ تک پہنچے؟ طبیعیوں اور فلاسفروں نے بہتیرا زور مارا لیکن وہ اسکی ماہیّت پر اطلاع نہ پا سکے۔ اسی طرح ایک ایک ذرہ خدا تعالیٰ کے تابع ہے۔ اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ یہ ظاہری نظام بھی اسی طرح رہے اور ایک خارقِ عادت امر بھی ظاہر ہو جاوے۔ عارف لوگ ان کیفیتوں کو خوب دیکھتے اور ان سے حظ اٹھاتے ہیں۔ بعض لوگ ایک ادنیٰ ادنیٰ اور معمولی باتوں پر اعتراض کر دیتے ہیں اور شک میں پڑ جاتے ہیں۔ مثلاً ابراہیم علیہ السلام کو آگ نے نہیں جلایا۔ یہ امر بھی ایسا ہے جیسا شق القمر کے متعلق۔ خدا خوب جانتا ہے کہ اس حد تک آگ جلاتی ہے اور ان اسباب کے پیدا ہونے سے فرو ہو جاتی ہے۔ اگر ایسا مصالحہ ظاہر ہو جاوے یا بتلا دیا جاوے تو فی الفور مان لیں گے لیکن ایسی صورت میں ایمان بالغیب اور حسن ظن کا لطف اور خوبی کیا ظاہر ہو گی۔ ہم نے یہ کبھی نہیں کہا کہ خدا خلق اسباب نہیں کرتا مگر بعض اسباب ایسے ہوتے ہیں کہ نظر آتے ہیں اور بعض اسباب نظر نہیں آتے۔ غرض یہ ہے کہ خدا کے افعال گونا گوں ہیں۔ خدا تعالیٰ کی قدرت کبھی درماندہ نہیں ہوتی اور وہ نہیں تھکتا وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ (یٰسٓ: ۸۰) اَفَعَيِينَا بِالْخَلْقِ الْاَوَّلِ (قٓ: ۱۶) اسکی شان ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بے انتہا قدرتوں اور افعال کا، کیسا ہی صاحب عقل اور علم کیوں نہ ہو، اندازہ نہیں کر سکتا بلکہ اسکو اظہار عجز کرنا پڑتا ہے ...... انسان جہانتک ممکن ہو علم پڑھے اور فلسفہ کی تحقیقات میں محو ہو جاوے لیکن بالآخر اسکو معلوم ہو گا کہ اس نے کچھ ہی نہیں کیا۔ حدیث میں آیا ہے کہ جیسے سمندر کے کنارے ایک چڑیا پانی کی چونچ بھرتی ہو اسی طرح خدا تعالیٰ کے کلام اور فعل کے معارف اور اسرار سے حصہ ملتا ہے۔ پھر کیا عاجز انسان،

ہاں، نادان فلسفی اسی حیثیت اور شیخی پر خدا تعالیٰ کے ایک فعل شق القمر پر اعتراض کرتا اور اسے قانون قدرت کے خلاف ٹھہراتا ہے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ اعتراض نہ کرو۔ نہیں کرو اور ضرور کرو۔ شوق سے اور دل کھول کر کرو۔ لیکن دو باتیں زیر نظر رکھ لو۔ اول خدا کا خوف (اور اسکی لامحدود طاقت)۔ دوسرے (انسان کی نیستی اور محدود علم)۔ بڑے بڑے فلاسفر بھی آخر یہ اقرار کرنے پر مجبور ہوئے ہیں کہ ہم جاہل ہیں۔ انتہائے عقل ہمیشہ انتہائے جہل پر ہوتی ہے۔ مثلاً ڈاکٹروں سے پوچھو کہ عصبۂ مجوفہ کو سب وہ جانتے اور سمجھتے ہیں مگر نور کی ماہیت اور اس کا کنہ تو بتلاؤ کہ کیا ہے؟ آواز کی ماہیت پوچھو تو یہ تو کہدیں گے کہ کان کے پردہ پر یوں ہوتا ہے اور وُوں ہوتا ہے لیکن ماہیت آواز خاک بھی نہ بتلاسکیں گے۔ آگ کی گرمی اور پانی کی ٹھنڈک پر کیوں کا جواب نہ دے سکیں گے۔ کنہ اشیا تک پہنچنا کسی حکیم یا فلاسفر کا کام نہیں ہے۔ دیکھئے ہماری شکل آئینہ میں منعکس ہوتی ہے لیکن ہمارا سر ٹوٹ کر شیشہ کے اندر نہیں چلا جاتا۔ ہم بھی سلامت ہیں اور ہمارا چہرہ بھی آئینہ کے اندر نظر آتا ہے۔ پس یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ ایسا ہوسکتا ہے کہ چاند شق ہو اور شق ہو کر بھی انتظام دنیا میں خلل نہ آوے۔

(ملفوظات جلد اول۔ جدید ایڈیشن صفحہ ۵۶۔۵۷)

ہمارے اجسام اور ہماری تمام ظاہری قوتوں پر آفتاب اور ماہتاب اور دیگر سیاروں کا اثر ہے۔ ایسا ہی ہمارے دل اور دماغ اور ہماری تمام روحانی قوتوں پر یہ سب ملائک ہماری مختلف استعدادوں کے موافق اپنا اپنا اثر ڈال رہے ہیں۔ جو چیز کسی عمدہ جوہر بننے کی اپنے اندر قابلیت رکھتی ہے وہ اگرچہ خاک کا ایک ٹکڑہ ہے یا پانی کا وہ قطرہ جو صدف میں داخل ہوتا ہے یا پانی کا وہ قطرہ جو رحم میں پڑتا ہے وہ ان ملائک اللہ کی روحانی تربیت سے لعل اور الماس اور یاقوت اور نیلم وغیرہ یا نہایت درجہ کا آبدار اور وزنی موتی یا اعلیٰ درجہ کے دل اور دماغ کا انسان بن جاتا ہے۔

(توضیح مرام۔ روحانی خزائن جلد۳ صفحہ ۶۸)

طب

ایک دفعہ مجھے بعض محقق اور حاذق طبیبوں کی بعض کتابیں کشفی رنگ میں دکھلائی گئیں جو طب جسمانی کے قواعد کلیّہ اور اصول علمیہ اور ستّہ ضروریہ وغیرہ کی بحث پر مشتمل اور متضمن تھیں جن میں طبیب حاذق قرشی کی کتاب بھی تھی اور اشارہ کیا گیا کہ یہی تفسیر قرآن ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ علم الابدان اور علم الادیان میں نہایت گہرے اور عمیق تعلقات ہیں اور ایک دوسرے کے مصدق ہیں۔ اور جب میں نے ان کتابوں کو پیش نظر رکھ کر جو طب جسمانی کی کتابیں تھیں قرآن شریف پر نظر ڈالی تو وہ عمیق در عمیق طب جسمانی کے قواعد کلیہ کی باتیں نہایت بلیغ پیرایہ میں قرآن شریف میں موجود پائیں۔

(چشمہ معرفت۔ روحانی خزائن جلد ۲۳ صفحہ ۱۰۳)

اللہ تعالیٰ کسی علاج سے منع نہیں کرتا بلکہ شہد اور مشک وغیرہ کا خود ذکر کرتا ہے۔

(ملفوظات جلد دوم۔ جدید ایڈیشن صفحہ ۳۲۱)

میرا مذہب یہ ہے کہ کوئی بیماری لا علاج نہیں۔ ہر ایک بیماری کا علاج ہو سکتا ہے۔ جس مرض کو طبیب لا علاج کہتا ہے اس سے اسکی مراد یہ ہے کہ طبیب اسکے علاج سے آگاہ نہیں ہے۔ ہمارے تجربہ میں یہ بات آچکی ہے کہ بہت سی بیماریوں کو اطبا اور ڈاکٹروں نے لاعلاج بیان کیا مگر اللہ تعالیٰ نے اس سے شفا پانے کے واسطے بیمار کیلئے کوئی نہ کوئی راہ نکال دی۔ بعض بیمار بالکل مایوس ہو جاتے ہیں۔ یہ غلطی ہے۔ خدا تعالیٰ کی رحمت سے کبھی مایوس نہیں ہونا چاہئے۔ اسکے ہاتھ میں سب شفا ہے۔

سیٹھ عبدالرحمٰن صاحب مدراس والے ایک ضعیف آدمی ہیں۔ ان کو مرض ذیابیطس بھی ہے اور ساتھ ہی کاربنکل نہایت خوف ناک شکل میں نمودار ہوا اور پھر عمر بھی بڑھاپے کی ہے۔ ڈاکٹروں نے نہایت گہرا چیرا دیا اور ان کی حالت نہایت خطرناک ہو گئی یہانتک کہ ان کی

نسبت خطرہ کے اظہار کے خطوط آنے لگے۔ تب میں نے ان کے واسطے بہت دعا کی تو ایک روز اچانک ظہر کے وقت الہام ہوا ’’ آثارِ زندگی‘‘۔ اس الہام کے بعد تھوڑی دیر میں مدراس سے تار آیا کہ اب سیٹھ صاحب موصوف کی حالت روبصحت ہے۔

(ملفوظات جلد پنجم ۔جدید ایڈیشن صفحہ ۵۹)

ہماری شریعت نے اگرچہ اسباب سے منع نہیں کیا بلکہ فِيهِ شِفَاءٌ لِّلنَّاسِ (نحل: ۷۰) سے معلوم ہوتا ہے کہ دواؤں میں خداتعالیٰ نے خواص شفاء مرض بھی رکھے ہوئے ہیں۔ اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ دواؤں میں تاثیرات ہوتی ہیں اور امراض کے معالجات ہوا کرتے ہیں۔مگر ان اسباب پر بھروسہ کر لینا اور یہ گمان کرنا کہ انہیں کے ذریعہ سے نجات اور کامیابی ہو جاوے گی یہ سخت شرک اور کفر ہے۔ بھروسہ اسباب پر ہرگز نہ چاہئے بلکہ یوں چاہئے کہ اسباب کو مہیا کر کے پھر بھروسہ خدا تعالیٰ پر کرنا چاہئے اور اگر وہ چاہے تو ان اسباب کو مفید بنا دے اور اسی سے پھر بھی دعا کرنی چاہئے کیونکہ اسباب پر نتائج مرتب کرنا تو اسی کا کام ہے اور یہی توکّل ہے۔

(ملفوظات جلد سوم۔ جدید ایڈیشن صفحہ۱۸۸)

رعایت اسباب ہماری اسلامی شریعت میں منع نہیں ہے۔کسی شخص نے حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ ہم دوا کریں۔ آپؐ نے جواب میں فرمایا کہ ہاں دوا کرو۔کوئی مرض ایسا نہیں جس کی دوا نہ ہو۔ ہاں یہ بالکل سچی بات ہے کہ کوئی بید یا ڈاکٹر یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اسکی فلاں دوا ضرور فائدہ کرے گی۔ اگر ایسا ہوتا تو پھر کوئی شخص کیوں مرتا۔طبیبوں اور ڈاکٹروں کو چاہئے کہ متقی بن جاویں۔ دوا بھی کریں اور دعا بھی۔تنہائی میں بہت بہت دعائیں مانگیں۔ جن لوگوں نے گھمنڈ کیا تھا اللہ تعالیٰ نے انکو ہی ذلیل کیا۔لکھا ہے کہ جالینوس کو اسہال کے بند کرنے کا بڑا دعویٰ تھا۔ خدا کی شان کہ وہ خود اسی مرض کا شکار ہوا۔ اسی طرح بعض طبیب مدقوق ہو کر اور بعض مسلول ہو کر اس دنیا سے چل دیئے۔

(ملفوظات جلد اول۔ جدید ایڈیشن صفحہ۱۶۵)

رعایت اسباب کرنی قدیم سنت انبیا کی ہے جیسے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جنگ میں جاتے تو خود زرہ وغیرہ پہنتے۔ خندق کھودتے۔ بیماری میں دوائیں استعمال کرتے۔ اگر کوئی ترک اسباب کرتا ہے تو وہ خدا کا امتحان کرتا ہے جو کہ منع ہے۔

(ملفوظات جلد سوم۔ جدید ایڈیشن صفحہ ۶۳۵۔۶۳۶)

علم طب یونانیوں سے مسلمانوں کے ہاتھ آیا مگر مسلمان چونکہ موحد اور خدا پرست قوم تھی انہوں نے اسی واسطے اپنے نسخوں پر ھوالشافی لکھنا شروع کر دیا۔ ہم نے اطبا کے حالات پڑھے ہیں۔ علاج الامراض میں مشکل امر تشخیص کو لکھا ہے۔ پس جو شخص تشخیص مرض میں ہی غلطی کریگا وہ علاج میں بھی غلطی کرے گا۔ کیونکہ بعض امراض ایسے ادق اور باریک ہوتے ہیں کہ انسان ان کو سمجھ ہی نہیں سکتا۔ پس مسلمان اطباء نے ایسے وقتوں کے واسطے لکھا ہے کہ دعاؤں سے کام لے۔ مریض سے سچی ہمدردی اور اخلاص کی وجہ سے اگر انسان پوری توجہ اور درد دل سے دعا کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس پر مرض کی اصلیت کھول دے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ سے کوئی غیب مخفی نہیں۔

(ملفوظات جلد پنجم۔ جدید ایڈیشن صفحہ ۶۱۳)

طبیب کے واسطے بھی مناسب ہے کہ اپنے بیمار کے واسطے دعا کیا کرے۔ کیونکہ سب ذرہ ذرہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ خدا تعالیٰ نے اسکو حرام نہیں کیا کہ تم حیلہ کرو۔ اس واسطے علاج کرنا اور اپنے ضروری کاموں میں تدابیر کرنا ضروری امر ہے۔ لیکن یار رکھو کہ مؤثر حقیقی خدا تعالیٰ ہی ہے۔ اسی کے فضل سے سب کچھ ہو سکتا ہے۔ بیماری کے وقت چاہئے کہ انسان دوا بھی کرے اور دعا بھی کرے۔ بعض وقت اللہ تعالیٰ مناسب حال دوائی بھی بذریعہ الہام یا خواب بتلا دیتا ہے اور اس طرح دعا کرنے والا طبیب علم طب پر ایک بڑا احسان کرتا ہے۔ کئی دفعہ اللہ تعالیٰ ہم کو بعض بیماریوں کے متعلق بذریعہ الہام کے علاج بتا دیتا ہے۔ یہ اس کا فضل ہے۔

(ملفوظات جلد پنجم۔ جدید ایڈیشن صفحہ ۵۳۔۵۴)

ہر یک شخص اپنے اندازۂ استعداد پر فرشتوں کے القاء سے فیضیاب ہوتا ہے اور جس فن یا علم کی طرف کسی کا روئے خیال ہے اسی میں فرشتہ سے مدد پاتا ہے۔ مثلاً جب اللہ جلّشانہ کا ارادہ ہوتا ہے کہ کسی دوا سے کسی کو دست آویں تو طبیب کے دل میں فرشتہ ڈال دیتا ہے کہ فلاں مسہل کی دوا اس کو کھلا دو۔ تب وہ تربد یا خیاشیر[1] یا شیرخشت یا سقمونیا یا سنا یا کسٹرائل یا کوئی اور چیز جیسے دل میں ڈالا گیا ہو اس بیمار کو بتلا دیتا ہے اور پھر فرشتوں کی تائید سے اس دوا کو طبیعت قبول کر لیتی ہے۔ قے نہیں آتی۔ تب فرشتے اس دوا پر اپنا اثر ڈال کر بدن میں اسکی تاثیرات پہنچاتے ہیں اور مادہ موذیہ کا اخراج باذنہٖ تعالیٰ شروع ہو جاتا ہے۔

(آئینہ کمالات اسلام۔ روحانی خزائن جلد ۵ صفحہ ۱۸۷۔۱۸۸ حاشیہ)

طب اور معالجات کا تذکرہ تھا۔ فرمایا:

یہ سب ظنّی باتیں ہیں۔ علاج وہی ہے جو خدا تعالیٰ اندر ہی اندر کر دیتا ہے۔ جو ڈاکٹر کہتا ہے کہ یہ علاج یقینی ہے وہ اپنے مرتبہ اور حیثیت سے آگے بڑھکر قدم رکھتا ہے۔ بقراط نے لکھا ہے کہ میرے پاس ایک دفعہ ایک بیمار آیا۔ میں نے بعد دیکھنے حالات کے حکم لگایا کہ یہ ایک ہفتہ کے بعد مر جائے گا۔ تیس سال کے بعد میں نے اسکو زندہ پایا۔ بعض ادویہ کو بعض طبائع کے ساتھ مناسبت ہوتی ہے۔ اسی بیماری میں ایک کے واسطے ایک دوا مفید پڑتی ہے اور دوسرے کے واسطے ضرر رساں ہوتی ہے۔ جب برے دن ہوں تو مرض سمجھ میں نہیں آتا اور اگر مرض سمجھ میں آ جائے تو پھر علاج نہیں سوجھتا۔ اسی واسطے مسلمان جب ان علوم کے وارث ہوئے تو انہوں نے ہر امر میں ایک بات بڑھائی۔ نبض دیکھنے کے وقت سُبۡحٰنَکَ لَاعِلۡمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمۡتَنَا (البقرہ: ۳۳) کہنا شروع کیا اور نسخہ لکھنے کے وقت هُوَ الشَّافِی لکھنا شروع کیا۔

(ملفوظات جلد چہارم۔ جدید ایڈیشن صفحہ ۲۹۶۔۲۹۷)

1. سہو کاتب ہے۔ صحیح ”شنبر“ ہے۔ (مرتب)

ایک بیمار اور اسکے علاج کا ذکر تھا۔ فرمایا:

ہر ایک مرض اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلّط ہوتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ چاہتا ہے مرض ہٹ جاتا ہے۔

(ملفوظات جلد چہارم۔ جدید ایڈیشن صفحہ ۲۹۵)

اصل میں انسان جوں جوں اپنے ایمان کو کامل کرتا ہے اور یقین میں پکا ہوتا جاتا ہے توں توں اللہ تعالیٰ اسکے واسطے خود علاج کرتا ہے۔ اسکو ضرورت نہیں رہتی کہ دوائیں تلاش کرتا پھرے۔ وہ خدا تعالیٰ کی دوائیں کھاتا ہے اور خدا تعالیٰ خود اس کا علاج کرتا ہے۔ بھلا کوئی دعویٰ سے کہہ سکتا ہے کہ فلاں دوا سے فلاں مریض ضرور ہی شفا پا جائے گا۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ بعض اوقات دیکھا جاتا ہے کہ دوا الٹا ہلاکت کا موجب ہو جاتی ہے۔ بعض وقت تشخیص میں غلطی ہوتی ہے۔ بعض وقت دواؤں کے اجزا میں غلطی ہوجاتی ہے غرض حتمی علاج نہیں ہوسکتا۔ ہاں خدا تعالیٰ جو علاج فرماتا ہے وہ حتمی ہوتا ہے۔ اس سے نقصان نہیں ہوتا۔ مگر یہ بات ذرا مشکل ہے۔ کامل ایمان کو چاہتی ہے اور یقین کے پہاڑ سے پیدا ہوتی ہے۔ ایسے لوگوں کا اللہ تعالیٰ خود معالج ہوتا ہے۔ مجھے یاد ہے ایک دفعہ دانت میں سخت درد تھا۔ میں نے کسی سے دریافت کیا کہ اس کا کیا علاج ہے۔ اس نے کہا کہ موٹا علاج مشہور ہے۔ علاج دنداں اخراج دنداں۔[2] اس کا یہ فقرہ میرے دل پر بہت گراں گزرا۔ کیونکہ دانت بھی ایک نعمت الٰہی ہے۔ اسے نکال دینا ایک نعمت سے محروم ہونا ہے۔ اسی فکر میں تھا کہ غنودگی آئی اور زبان پر جاری ہوا۔ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ.[3] اس کے ساتھ ہی معاً درد ٹھہر گیا اور پھر نہیں ہوا۔

(ملفوظات جلد دوم۔ جدید ایڈیشن صفحہ ۵۳۹۔۵۴۰)

انسان جب تک اپنی خواہشات، ارادوں اور علموں کو ترک کر کے خدا میں فنا نہ ہو جاوے اور خدا کی قدرت کاملہ اور قادر مطلق ہونے اور سننے اور قبول کرنے والا ہونے پر یقین کامل اور

2. دانت کے درد کا علاج اس کے سوا کچھ نہیں کہ اسے نکال دیا جائے۔ (مرتب)
3. جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہی ہے جو مجھے شفا دیتا ہے۔ (مرتب)

پورا وثوق نہ رکھتا ہو تب تک دعا بھی ایک بے حقیقت چیز ہے۔فلسفیوں کو کیوں قبولیت دعا پر ایمان نہیں ہوتا؟ اسکی یہی وجہ ہے کہ ان کو خدا کی وسیع قدرت اور باریک در باریک سامانوں کے پیدا کر دینے والا ہونے پر ایمان نہیں ہوتا اور وہ خدا کی قدرت کو محدود جانتے ہیں اور اپنے تجارب اور علوم پر بھی بھروسہ کر بیٹھتے ہیں۔ ان کو اپنے تجارب کے مقابلہ میں یہ خیال بھی نہیں ہوتا کہ خدا بھی ہے اور وہ بھی کچھ کر سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض اوقات بعض سخت مہلک امراض میں وہ لوگ یقینی اور قطعی حکم لگا دیتے ہیں کہ یہ شخص بچ نہیں سکتا یا اتنے عرصے میں مر جاوے گا یا اس طرز سے مریگا۔مگر بیسیوں مثالیں ایسی خود ہماری چشم دید ہیں اور بعض کو ہم جانتے ہیں جن میں باوجود انکے یقینی اور قطعی حکم لگا دینے کے خدا تعالیٰ نے ان بیماروں کے واسطے ایسے اسباب پیدا کر دیئے کہ وہ آخر کار بچ گئے۔ اور بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ بعض وہ بیمار جن کے حق میں یہ لوگ موت کا قطعی اور اٹل فتویٰ دے چکے تھے زندہ سلامت ہو گئے اور کسی دوسرے موقع پر ان کو ملکر شرمندہ کیا اور ان کے علم و دعویٰ کو بھی شرمندہ کیا ہے۔

حدیث میں آیا ہے مَا مِنْ داءٍ الاّ ولہٗ دَواء ایک مشہور ڈاکٹر کا ہمیں قول یاد ہے وہ کہتا ہے کہ کوئی مرض بھی نا قابل علاج نہیں ہے بلکہ یہ ہماری سمجھ اور عقل وعلم کا نقص ہے کہ ہمارے علم کی رسائی وہاں تک نہیں ہوتی۔ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس مرض کے واسطے بعض ایسے ایسے اسباب پیدا کئے ہوں جن سے وہ شخص جس کو ہم نا قابل علاج یقین خیال کرتے ہیں قابل علاج اور صحت یاب ہو کر تندرست ہو جاوے۔ پس قطعی حکم ہرگز نہ لگانا چاہئے بلکہ اگر رائے ظاہر بھی کرنی ہو تو یوں کہدو کہ ہمیں ایسا شک پڑتا ہے مگر ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کوئی ایسے سامان پیدا کر دے کہ جن سے یہ روک اٹھ جاوے اور بیمار اچھا ہو جاوے۔ دعا ایک ایسا ہتھیار خدا تعالیٰ نے بنایا ہے کہ انہونے کام بھی جن کو انسان ناممکن خیال کرتا ہے ہو جاتے ہیں کیونکہ خدا کیلئے کوئی بات بھی انہونی نہیں۔

(ملفوظات جلد پنجم۔ جدید ایڈیشن صفحہ ۵۰۰)

گھی اور شہد اور سوہاگہ میں یہ خاصیت ہے کہ ان تینوں کے ملانے سے یہ خاصہ پیدا ہو جاتا ہے کہ اگر کسی کشتۂ زر یا نقرہ وغیرہ کو جو بالکل خاکستر و خاک ہو گیا ہو اس میں رکھ کر بوتہ میں آگ دی جائے تو وہ زندہ ہو جاتا ہے۔

(سرمہ چشم آریہ۔ روحانی خزائن جلد ۲ صفحہ ۲۴۵)

ایک اعلیٰ درجہ کی شہادت جو حضرت مسیح کے صلیب سے بچنے پر ہم کو ملی ہے اور جو ایسی شہادت ہے کہ بجز ماننے کے کچھ بن نہیں پڑتا وہ ایک نسخہ ہے جس کا نام مرہم عیسیٰ ہے جو طب کی صدہا کتابوں میں لکھا ہوا پایا جاتا ہے ...... اور یہ خدا کی عجیب قدرت ہے کہ ہر ایک مذہب کے فاضل طبیب نے کیا عیسائی کیا یہودی اور کیا مجوسی اور کیا مسلمان سب نے اس نسخہ کو اپنی کتابوں میں لکھا ہے اور سب نے اس نسخہ کے بارے میں یہی بیان کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے ان کے حواریوں نے طیار کیا تھا اور جن کتابوں میں ادویہ مفردہ کے خواص لکھے ہیں ان کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نسخہ ان چوٹوں کیلئے نہایت مفید ہے جو کسی ضربہ یا سقطہ سے لگ جاتی ہیں اور چوٹوں سے جو خون رواں ہوتا ہے وہ فی الفور اس سے خشک ہو جاتا ہے اور چونکہ اس میں مُرّ بھی داخل ہے اس لئے زخم کیڑا پڑنے سے بھی محفوظ رہتا ہے اور یہ دوا طاعون کے لئے بھی مفید ہے اور ہر قسم کے پھوڑے پھنسی کو اس سے فائدہ ہوتا ہے۔ یہ معلوم نہیں کہ یہ دوا صلیب کے زخموں کے بعد خود ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے الہام کے ذریعہ سے تجویز فرمائی تھی یا کسی طبیب کے مشورہ سے طیار کی گئی تھی۔ اس میں بعض دوائیں اکسیر کی طرح ہیں خاص کر مُرّ جس کا ذکر توریت میں بھی آیا ہے۔

(مسیح ہندوستان میں۔ روحانی خزائن جلد ۱۵ صفحہ ۵۶۔۵۷)

میں نے طاعون کے علاج کے لئے ایک مرہم بھی طیار کی ہے۔ یہ ایک پرانا نسخہ ہے جو حضرت مسیح علیہ السلام کے وقت سے چلا آتا ہے اور اس کا نام مرہم عیسیٰ ہے۔ اگرچہ امتداد زمانہ کے سبب سے بعض دواؤں میں تبدیلی ہو گئی ہے یعنی طب کی بہت سی کتابوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک طبیب نے کوئی دوا اس نسخہ میں داخل کی ہے اور دوسرے نے بجائے اسکے کوئی

اور داخل کر دی ہے لیکن یہ تغیر صرف ایک دو دواؤں میں ہوا ہے۔ اس کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایک دوا ہر ایک ملک میں پائی نہیں جاتی یا کم پائی جاتی ہے یا بعض موسموں میں پائی نہیں جاتی۔ سو جس جگہ یہ اتفاق ہوا کہ ایک دوا مل نہیں سکی تو کسی طبیب نے اس کا بدل کوئی اور دوا ڈال دی۔ اور درحقیقت قرابادینوں کے تمام مرکبات میں جو بعض جگہ اختلاف نسخوں کا پایا جاتا ہے اس کا یہی سبب ہے مگر ہم نے بڑی کوشش سے اصل نسخہ طیار کیا ہے۔ اس مرکب کا نام مرہم عیسیٰ ہے اور مرہم حواریین بھی اسے کہتے ہیں اور مرہم الرسل بھی اس کا نام ہے۔

(ایام الصلح۔ روحانی خزائن جلد۱۴ صفحہ ۳۴۷)

مرہم عیسیٰ حضرت عیسیٰ کے معجزات میں سے ایک معجزہ ہے۔ اور اس میں اب تک وہ تاثیر زخموں اور چوٹوں کو اچھا کرنے کی باقی ہے اور یہ مرہم طاعون کو بہت فائدہ کرتی ہے اور طریق استعمال یہ ہے کہ ان مقامات پر اس کی مالش کی جائے جہاں اکثر طاعون کا دانہ نکلتا ہے۔ جیسا کہ کانوں کے آگے اور گردن کے نیچے اور بغلوں کے اندر اور کنج ران۔ اور ما سوا اس کے جدوار کی سرکہ کے ساتھ گولیاں بنا کر چھ رتی کے قریب ہر روز وہ گولیاں چھاچھ کے ساتھ کھایا کریں۔ اور سپرٹ کیمفر اور کلورافارم اور وائنم اپیکاک باہم ملا کر جو بیس بیس قطرہ سے زیادہ نہ ہو سات تولہ اس میں پانی ڈال دیں اور یاقوت رمّانی کی اس دوا کے ساتھ جس کا نام ہم نے تریاق الٰہی رکھا ہے تین وقت صبح دوپہر شام استعمال کریں۔ اور اگر تریاق الٰہی مل نہ سکے تو صرف ان عرقیات کو طریق مذکورہ بالا کے ساتھ پی لینا۔ اور جدوار کی گولیاں بھی کھاتے رہنا انشاء اللہ فائدہ سے خالی نہ ہو گا۔ اور بچے جن کی عمر دس بارہ سال تک ہے ان کے لئے تین تین قطرے کافی ہے۔

(ایام الصلح۔ روحانی خزائن جلد۱۴ صفحہ ۳۵۷)

اس مرض[4] کی اصل حقیقت ابھی تک کامل طور پر معلوم نہیں ہوئی اس لئے اس کی تدابیر اور معالجات میں بھی اب تک کوئی کامیابی معلوم نہیں ہوئی۔ مجھے ایک روحانی طریق سے معلوم

4. طاعون (مرتب)

ہوا ہے کہ اس مرض اور مرض خارش کا مادہ ایک ہی ہے اور میں گمان کرتا ہوں کہ غالباً یہ بات صحیح ہو گی۔ کیونکہ مرض جرب یعنی خارش میں ایسی دوائیں مفید پڑتی ہیں جن میں کچھ پارہ کا جزو ہو یا گندھک کی آمیزش ہو۔ اور خیال کیا جاتا ہے کہ اس قسم کی دوائیں اس مرض کیلئے بھی مفید ہوسکیں۔ اور جبکہ دونوں مرضوں کا مادہ ایک ہے تو کچھ تعجب نہیں کہ خارش کے پیدا ہونے سے اس مرض میں کمی پیدا ہو جائے۔ یہ روحانی قواعد کا ایک راز ہے جس سے میں نے فائدہ اٹھایا ہے۔ اگر تجربہ کرنے والے اس امر کی طرف توجہ کریں اور ٹیکا لگانے والوں کی طرح بطور حفظ ماتقدم ایسے ملک کے لوگوں میں جو خطرۂ طاعون میں ہوں خارش کا مرض پھیلا دیں تو میرے گمان میں ہے کہ وہ مادہ اس راہ سے تحلیل پا جائے اور طاعون سے امن رہے۔ مگر حکومت اور ڈاکٹروں کی توجہ بھی خدا تعالیٰ کے ارادے پر موقوف ہے۔ میں نے محض ہمدردی کی راہ سے اس امر کو لکھ دیا ہے کیونکہ میرے دل میں یہ خیال ایسے زور کے ساتھ پیدا ہوا جس کو میں روک نہیں سکا۔

(ایام الصلح۔ روحانی خزائن جلد۱۴ صفحہ ۳۶۰)

شہد کے تذکرے پر آپ نے فرمایا کہ:

دوسری تمام شیرینیوں کو تو اطباء نے عفونت پیدا کرنے والی لکھا ہے مگر یہ ان میں سے نہیں ہے۔ آم وغیرہ اور دیگر پھل اس میں رکھکر تجربے کئے گئے ہیں کہ وہ بالکل خراب نہیں ہوتے۔ سالہا سال ویسے ہی پڑے رہتے ہیں۔ فرمایا کہ ایک دفعہ میں نے انڈے پر تجربہ کیا تو تعجب ہوا کہ اسکی زردی تو ویسی ہی رہی مگر سفیدی انجماد پا کر مثل پتھر کے سخت ہو گئی۔ جیسے پتھر نہیں ٹوٹتا ویسے ہی وہ بھی نہیں ٹوٹتی تھی۔

خدا تعالیٰ نے اسے شِفَاءٌ لِلنَّاسِ کہا ہے۔ واقعہ میں عجیب اور مفید شے ہے تو کہا گیا ہے۔ یہی تعریف قرآن شریف کی فرمائی ہے۔ ریاضت کش اور مجاہدہ کرنیوالے اکثر اسے استعمال کرتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ ہڈیوں وغیرہ کو محفوظ رکھتا ہے۔

(ملفوظات جلد سوم۔ جدید ایڈیشن صفحہ ۵۵۳)

ذیابیطس کی مرض کا ذکر حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ:
اس سے مجھے سخت تکلیف تھی۔ ڈاکٹروں نے اس میں شیرینی کو سخت مضر بتلایا ہے۔ آج میں اس پر غور کر رہا تھا تو خیال آیا کہ بازار میں جو شکر وغیرہ ہوتی ہے اسے تو اکثر فاسق فاجر لوگ بناتے ہیں۔ اگر اس سے ضرر ہوتا ہے تو تعجب کی بات نہیں۔ مگر عسل (شہد) تو خدا تعالیٰ کی وحی سے تیار ہوا ہے۔ اس لئے اسکی خاصیت دوسری شیرینیوں کی سی ہرگز نہ ہوگی۔ اگر یہ ان کی طرح ہوتا تو پھر سب شیرینی کی نسبت شِفَاءٌ لِّلنَّاس فرمایا جاتا مگر اس میں صرف عسل ہی کو خاص کیا ہے۔ پس یہ خصوصیت اس کے نفع پر دلیل ہے اور چونکہ اسکی تیاری بذریعہ وحی کے ہے اس لئے مکھی جو پھولوں سے رس چوستی ہوگی تو ضرور مفید اجزا کو ہی لیتی ہوگی۔ اس خیال سے میں نے تھوڑے سے شہد میں کیوڑا ملا کر اسے پیا تو تھوڑی دیر کے بعد مجھے بہت فائدہ حاصل ہوا حتیٰ کہ میں نے چلنے پھرنے کے قابل اپنے آپ کو پایا اور پھر گھر کے آدمیوں کو لیکر باغ تک چلا گیا اور وہاں دس رکعت اشراق نماز کی ادا کیں۔

(ملفوظات جلد چہارم۔ جدید ایڈیشن صفحہ ۱۹۱۔۱۹۲)

ایک صاحب نے عرض کی کہ میرے سر میں درد رہتا ہے۔ گرمی کے وقت سخت تکلیف رہتی ہے۔ دعا فرمائی جائے۔ حضرت اقدس نے فرمایا۔ علاج بھی کیا ہے؟ اس نے عرض کی ہاں کیا ہے۔ مگر فائدہ نہیں ہوا۔ فرمایا کہ۔
ہڈیوں کا شوربہ پیا کرو۔ ہڈیاں ایسی لیں جن میں کچھ گوشت چمٹا ہوا ہو۔ ان کو ابال کر شوربہ ٹھنڈا کرو کہ چربی جم جائے۔ اس چربی کو نکال دو۔ باریک رومال پانی میں تر کر کے شوربہ اس میں چھانو کہ چربی اس میں لگ جائے اور خالص شوربہ رہ جائے وہ پیا کرو۔ ہم دعا بھی کریں گے۔

(ملفوظات جلد دوم۔ جدید ایڈیشن صفحہ ۵۴۳)

جناب نواب صاحب کے لڑکے کے گلے میں ایک ہڈی کا ٹکڑا پھنس گیا تھا۔ مولوی صاحب اس کے علاج کے لئے گئے ہوئے تھے۔ جب نواب صاحب کے ساتھ واپس آئے تو انہوں

نے ذکر کیا کہ ہڈی پھنس گئی تھی اور شکر ہے کہ نکل گئی۔ فرمایا۔
مچھلی کی ہڈی کا علاج تو سہل ہے کہ دہی سرکہ ملا کر پلایا جاوے تو فوراً نکل جاتی ہے۔

(ملفوظات جلد دوم۔ جدید ایڈیشن صفحہ ۳۱۶)

علم طب کی رو سے زنجبیل وہ دوا ہے جس کو ہندی میں سونٹھ کہتے ہیں۔ وہ حرارت غریزی کو بہت قوت دیتی ہے اور دستوں کو بند کرتی ہے اور اس کا زنجبیل اسی واسطے نام رکھا گیا ہے کہ گویا وہ کمزور کو ایسا قوی کرتی ہے اور ایسی گرمی پہنچاتی ہے جس سے وہ پہاڑوں پر چڑھ سکے ......کافور زہریلے مواد کو دبا لیتا ہے۔ اسی لئے وہ ہیضہ اور محرقہ تپوں میں مفید ہے۔

(اسلامی اصول کی فلاسفی۔ روحانی خزائن جلد ۱۰ صفحہ ۳۸۷۔۳۸۸)

طبعی تحقیق کے لحاظ سے نیند آنے کے اسباب محض مادی ہیں اور جب وہ کم ہو جاتے ہیں تو نیند بھی کم ہو جاتی ہے اور ان کے بحال کرنے کیلئے مسکن دماغ اور مرطّب چیزیں استعمال کرتے ہیں جیسے برومائڈ اور روغن خشخاش اور روغن تخم کدو اور روغن بادام وغیرہ۔

(چشمہ معرفت۔ روحانی خزائن جلد ۲۳ صفحہ ۱۱۱)

یہ دونوں چیزیں[5] طب کے قواعد کے رُو سے بالخاصیت طاعون پیدا کرتی ہیں۔ اسی وجہ سے طبیب لوگ امراض جلدیہ میں جہاں ثبور اور پھوڑوں کی بیماریاں ہوں ترنجبین دینے سے پرہیز کیا کرتے ہیں۔

(ایام الصلح۔ روحانی خزائن جلد ۱۴ صفحہ ۳۴۰)

نماز کا پڑھنا اور وضو کا کرنا طبی فوائد بھی اپنے ساتھ رکھتا ہے۔ اطبّاء کہتے ہیں کہ اگر کوئی ہر روز منہ نہ دھوئے تو آنکھ آ جاتی ہے اور یہ نزول الماء کا مقدمہ ہے اور بہت سی بیماریاں اس سے پیدا ہوتی ہیں۔ پھر بتلاؤ کہ وضو کرتے ہوئے کیوں موت آتی ہے۔ بظاہر کیسی عمدہ بات ہے۔ منہ میں پانی ڈال کر کلی کرنا ہوتا ہے۔ مسواک کرنے سے منہ کی بدبو دور ہوتی ہے۔ دانت مضبوط ہو جاتے اور دانتوں کی مضبوطی غذا کے عمدہ طور پر چبانے اور جلد ہضم

5. ترنجبین اور بٹیر (مرتب)

ہو جانے کا باعث ہوتی ہے۔ پھر ناک صاف کرنا ہوتا ہے۔ ناک میں کوئی بدبو داخل ہو تو دماغ کو پراگندہ کر دیتی ہے۔

(ملفوظات جلد اول۔ جدید ایڈیشن صفحہ۴۰۷)

قرآن کریم میں جو آیا ہے وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ (المدثر:٦) کہ ہر ایک قسم کی پلیدی سے پرہیز کرو۔ ہجر دور چلے جانے کو کہتے ہیں جس سے یہ معلوم ہوا کہ روحانی پاکیزگی چاہنے والوں کیلئے ظاہری پاکیزگی اور صفائی بھی ضروری ہے۔ کیونکہ ایک قوت کا اثر دوسری پر اور ایک پہلو کا اثر دوسرے پر ہوتا ہے۔ انسان کی دو حالتیں ہوتی ہیں۔ جو شخص باطنی طہارت پر قائم ہونا چاہتا ہے وہ ظاہری پاکیزگی کا بھی لحاظ رکھے۔ پھر ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَیُحِبُّ الْمُتَطَھِّرِیْنَ (البقرہ:۲۲۳) یعنی جو لوگ باطنی اور ظاہری پاکیزگی کے طالب ہیں میں ان کو دوست رکھتا ہوں۔ ظاہری پاکیزگی باطنی طہارت کی ممدّ اور معاون ہے۔ اگر انسان اسے ترک کر دے اور پاخانہ پھر کر بھی طہارت نہ کرے تو باطنی پاکیزگی پاس بھی نہیں پھٹکتی۔ پس یاد رکھو کہ ظاہری پاکیزگی اندرونی طہارت کو مستلزم ہے۔ اس لئے ہر مسلمان کے لئے لازم ہے کہ کم از کم جمعہ کے دن ضرور غسل کرے۔ ہر نماز میں وضو کرے۔ جماعت کھڑی ہو تو خوشبو لگائے۔ عیدین اور جمعہ میں جو خوشبو لگانے کا حکم ہے وہ اسی بنا پر قائم ہے۔ اصل وجہ یہ ہے کہ لوگوں کے اجتماع کے وقت عفونت کا اندیشہ ہوتا ہے اس لئے غسل کرنے اور صاف کپڑے پہننے اور خوشبو لگانے سے سمّیت (زہر) اور عفونت سے روک ہوگی۔

(ملفوظات جلد اول۔ جدید ایڈیشن صفحہ۱۶۴)

عمل الترب میں جس کو زمانۂ حال میں مسمریزم کہتے ہیں ایسے ایسے عجائبات ہیں کہ اس میں پوری پوری مشق کرنے والے اپنی روح کی گرمی دوسری چیزوں پر ڈال کر ان چیزوں کو زندہ کے موافق کر دکھاتے ہیں۔ انسان کی روح میں کچھ ایسی خاصیت ہے کہ وہ اپنی زندگی کی گرمی ایک جماد پر جو بالکل بے جان ہے ڈال سکتی ہے۔ تب جماد سے وہ بعض حرکات صادر

ہوتی ہیں جو زندوں سے صادر ہوا کرتی ہیں۔ راقم رسالہ ہذا نے اس علم کے بعض مشق کرنے والوں کو دیکھا ہے جو انہوں نے ایک لکڑی کی تپائی پر ہاتھ رکھ کرایسا اپنی حیوانی روح سے اسے گرم کیا کہ اس نے چارپایوں کی طرح حرکت کرنا شروع کر دیا اور کتنے آدمی گھوڑے کی طرح اس پر سوار ہوئے اور اسکی تیزی اور حرکت میں کچھ کمی نہ ہوئی۔ سو یقینی طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ اگر ایک شخص اس فن میں کامل مشق رکھنے والا مٹی کا ایک پرندہ بنا کر اس کو پرواز کرتا ہوا بھی دکھا دے تو کچھ بعید نہیں کیونکہ کچھ اندازہ نہیں کیا گیا کہ اس فن کے کمال کی کہاں تک انتہا ہے۔ اور جب کہ ہم بچشم خود دیکھتے ہیں کہ اس فن کے ذریعہ سے ایک جماد میں حرکت پیدا ہو جاتی ہے اور وہ جانداروں کی طرح چلنے لگتا ہے تو پھر اگر اس میں پرواز بھی ہو تو بعید کیا ہے۔ مگر یاد رکھنا چاہئے کہ ایسا جانور جو مٹی یا لکڑی وغیرہ سے بنایا جاوے اور علم الترب سے اپنی روح کی گرمی اس کو پہنچائی جاوے وہ درحقیقت زندہ نہیں ہوتا بلکہ بدستور بے جان اور جماد ہوتا ہے۔ صرف عامل کے روح کی گرمی بارود کی طرح اس کو جنبش میں لاتی ہے۔ اور یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ ان پرندوں کا پرواز کرنا قرآن شریف سے ہرگز ثابت نہیں ہوتا بلکہ ان کا ہلنا اور جنبش کرنا بھی بپایہ ثبوت نہیں پہنچتا اور نہ درحقیقت ان کا زندہ ہو جانا ثابت ہوتا ہے۔ اس جگہ یہ بھی جاننا چاہئے کہ سلب امراض کرنا یا اپنی روح کی گرمی جماد میں ڈال دینا درحقیقت یہ سب عمل الترب کی شاخیں ہیں۔ ہر یک زمانہ میں ایسے لوگ ہوتے رہتے ہیں اور اب بھی ہیں جو اس روحانی عمل کے ذریعہ سے سلب امراض کرتے رہے ہیں اور مفلوج، مبروص، مدقوق وغیرہ ان کی توجہ سے اچھے ہوتے رہے ہیں۔ جن لوگوں کے معلومات وسیع ہیں وہ میرے اس بیان پر شہادت دے سکتے ہیں کہ بعض فقراء نقشبندی و سہروردی وغیرہ نے بھی ان مشقوں کی طرف بہت توجہ کی تھی اور بعض ان میں یہانتک مشّاق گذرے ہیں کہ صدہا بیماروں کو اپنے یمین و یسار میں بٹھا کر صرف نظر سے اچھا کر دیتے تھے اور محی الدین ابن عربی صاحب کو بھی اس میں خاص درجہ کی مشق تھی۔

(ازالہ اوہام۔ روحانی خزائن جلد۳ صفحہ ۲۵۶۔۲۵۷ حاشیہ)

پانچواں نشان جو ان دنوں میں ظاہر ہوا وہ ایک دعا کا قبول ہونا ہے جو درحقیقت احیائے موتٰی میں داخل ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ عبدالکریم نام ولد عبدالرحمٰن ساکن حیدرآباد دکھن ہمارے مدرسہ میں ایک لڑکا طالب العلم ہے۔ قضاء قدر سے اسکو سگِ دیوانہ کاٹ گیا۔ ہم نے اسکو معالجہ کیلئے کسولی بھیج دیا۔ چند روز تک اس کا کسولی میں علاج ہوتا رہا۔ پھر وہ قادیان میں واپس آیا۔ تھوڑے دن گزرنے کے بعد اس میں وہ آثار دیوانگی کے ظاہر ہوئے جو دیوانہ کتے کے کاٹنے کے بعد ظاہر ہوا کرتے ہیں اور پانی سے ڈرنے لگا اور خوفناک حالت پیدا ہوگئی۔ تب اس غریب الوطن عاجز کیلئے میرا دل سخت بیقرار ہوا اور دعا کے لئے ایک خاص توجہ پیدا ہوگئی۔ ہر ایک شخص سمجھتا تھا کہ وہ غریب چند گھنٹہ کے بعد مر جائیگا۔ ناچار اسکو بورڈنگ سے باہر نکال کر ایک الگ مکان میں دوسروں سے علیحدہ ہر ایک احتیاط سے رکھا گیا اور کسولی کے انگریز ڈاکٹروں کی طرف تار بھیجدی اور پوچھا گیا کہ اس حالت میں اس کا کوئی علاج بھی ہے۔ اس طرف سے بذریعہ تار جواب آیا کہ اب اس کا کوئی علاج نہیں۔ مگر اس غریب اور بے وطن لڑکے کے لئے میرے دل میں بہت توجہ پیدا ہوگئی اور میرے دوستوں نے بھی اس کیلئے دعا کرنے کے لئے بہت ہی اصرار کیا کیونکہ اس غربت کی حالت میں وہ لڑکا قابل رحم تھا اور نیز دل میں یہ خوف پیدا ہوا کہ اگر وہ مر گیا تو ایک برے رنگ میں اسکی موت شماتت اعداء کا موجب ہوگی۔ تب میرا دل اسکے لئے سخت درد اور بے قراری میں مبتلا ہوا اور خارق عادت توجہ پیدا ہوئی جو اپنے اختیار سے پیدا نہیں ہوتی بلکہ محض خدا تعالیٰ کی طرف سے پیدا ہوتی ہے اور اگر پیدا ہو جائے تو خدا تعالیٰ کے اذن سے وہ اثر دکھاتی ہے کہ قریب ہے کہ اس سے مردہ زندہ ہو جائے۔ غرض اسکے لیے اقبال علی اللہ کی حالت میسر آ گئی اور جب وہ توجہ انتہا تک پہنچ گئی اور درد نے اپنا پورا تسلط میرے دل پر کر لیا تب اس بیمار پر جو درحقیقت مردہ تھا اس توجہ کے آثار ظاہر ہونے شروع ہو گئے۔ اور یا تو وہ پانی سے ڈرتا اور روشنی سے بھاگتا تھا اور یا یکدفعہ طبیعت نے صحت کی طرف رخ کیا اور اس نے کہا کہ اب مجھے پانی سے ڈر نہیں آتا۔ تب اسکو پانی دیا گیا تو اس

نے بغیر کسی خوف کے پی لیا بلکہ پانی سے وضو کر کے نماز بھی پڑھ لی اور تمام رات سوتا رہا اور خوفناک اور وحشیانہ حالت جاتی رہی۔ یہانتک کہ چند روز تک بکلی صحت یاب ہو گیا۔ میرے دل میں فی الفور ڈالا گیا کہ یہ دیوانگی کی حالت جو اس میں پیدا ہو گئی تھی یہ اس لئے نہیں تھی کہ وہ دیوانگی اسکو ہلاک کرے بلکہ اس لئے تھی کہ تا خدا تعالیٰ کا نشان ظاہر ہو۔ اور تجربہ کار لوگ کہتے ہیں کہ کبھی دنیا میں ایسا دیکھنے میں نہیں آیا کہ ایسی حالت میں کہ جب کسی کو دیوانہ کتے نے کاٹا ہو اور دیوانگی کے آثار ظاہر ہو گئے ہوں پھر کوئی شخص اس حالت سے جانبر ہو سکے۔ اور اس سے زیادہ اس بات کا اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ جو ماہر اس فن کے کسولی میں گورنمنٹ کی طرف سے سگِ گزیدہ کے علاج کے لئے ڈاکٹر مقرر ہیں انہوں نے ہمارے تار کے جواب میں صاف لکھدیا ہے کہ اب کوئی علاج نہیں ہو سکتا۔

اس جگہ اس قدر لکھنا رہ گیا کہ جب میں نے اس لڑکے کے لئے دعا کی تو خدا نے میرے دل میں القاء کیا کہ فلاں دوا دینی چاہئے۔ چنانچہ میں نے چند دفعہ وہ دوا بیمار کو دی آخر بیمار اچھا ہو گیا یا یوں کہو کہ مردہ زندہ ہو گیا۔ اور جو کسولی کے ڈاکٹروں کی طرف سے ہماری تار کا جواب آیا تھا ہم ذیل میں وہ جواب جو انگریزی میں ہے معہ ترجمہ کے لکھ دیتے ہیں۔ اور وہ یہ ہے

To Station Batala	From Station Kasauli
To Peson Sherali Kadian	From Person Pasteur

Sorry nothing can be done for Abdul Karim

(انگریزی الفاظ اُردو میں) ٹو سٹیشن ۔ بٹالہ — فرام سٹیشن۔ کسولی

ٹو پرسن۔ شیر علی قادیان — فرام پرسن۔ پیسٹیور

سارِی نہ تھنگ کین بی ڈن فار عبد الکریم

(ترجمہ) مقام بٹالہ — از مقام کسولی
بنام شیر علی قادیان — از جانب پسٹیپور

افسوس ہے کہ عبدالکریم کے واسطے کچھ بھی نہیں کیا جا سکتا۔

اور دفتر علاج سگِ گزیدگان سے ایک مسلمان نے متعجب ہو کر کسولی سے ایک کارڈ بھیجا ہے جس میں لکھا ہے کہ ”سخت افسوس تھا کہ عبدالکریم جس کو دیوانہ کتے نے کاٹا تھا اسکے اثر میں مبتلا ہو گیا۔ مگر اس بات کے سننے سے بڑی خوشی ہوئی کہ وہ دعا کے ذریعہ سے صحت یاب ہو گیا۔ ایسا موقعہ جانبر ہونے کا کبھی نہیں سنا۔ یہ خدا کا فضل اور بزرگوں کی دعا کا اثر ہے۔ الحمدللہ۔ راقم عاجز عبداللہ از کسولی۔“

(حقیقۃ الوحی۔ روحانی خزائن جلد۲۲ صفحہ ۴۸۰۔۴۸۲)

طاعون اور ہیضہ وغیرہ وباؤں کا ذکر تھا۔ فرمایا۔

بدقسمت ہے وہ انسان کہ ان بلاؤں سے بچنے کے واسطے سائنس، طبی یا ڈاکٹروں وغیرہ کی طرف توجہ کر کے سامان تلاش کرتا ہے اور خوش قسمت ہے وہ جو خدا تعالیٰ کی پناہ لیتا ہے۔ اور کون ہے جو بجز خدا تعالیٰ کے ان آفات سے پناہ دے سکتا ہو؟ اصل میں یہ لوگ جو فلسفی طبع یا سائنس کے دلدادہ ہیں ایسی مشکلات کے وقت ایک قسم کی تسلی اور اطمینان پانے کے واسطے بعض دلائل تلاش کر لیتے ہیں اور اس طرح سے ان وباؤں کے اصل بواعث اور اغراض سے محروم رہ جاتے ہیں اور خدا تعالیٰ سے پھر بھی غافل ہی رہتے ہیں۔ ہماری جماعت کے ڈاکٹروں سے میں چاہتا ہوں کہ ایسے معاملات میں اپنے ہی علوم کو کافی نہ سمجھیں بلکہ خدا کا خانہ بھی خالی رکھیں اور قطعی فیصلے اور یقینی رائے کا اظہار نہ کر دیا کریں۔ کیونکہ اکثر ایسا تجربہ میں آیا ہے کہ بعض ایسے مریض جن کے حق میں ڈاکٹروں نے متفقہ طور سے قطعی اور یقینی حکم موت کا لگا دیا ہوتا ہے ان کے واسطے خدا کچھ ایسے اسباب پیدا کر دیتا ہے کہ وہ بچ جاتے ہیں اور بعض ایسے لوگوں کی نسبت جو کہ اچھلے بھلے اور بظاہر ڈاکٹروں کے نزدیک ان کی موت کے کوئی آثار نہیں نظر آتے خدا قبل از وقت ان کی موت کی نسبت کسی

مومن کو اطلاع دیتا ہے۔ اب اگرچہ ڈاکٹروں کے نزدیک اس کا خاتمہ نہیں مگر خدا کے نزدیک اس کا خاتمہ ہوتا ہے۔ اور چنانچہ ایسا ہی ظہور میں آ جاتا ہے۔

(ملفوظات جلد پنجم۔ جدید ایڈیشن صفحہ ۶۱۲۔۶۱۳)

مولوی عبدالکریم صاحب کی علالت طبع کا ذکر تھا۔ فرمایا:
میں بہت دعا کرتا ہوں۔ دعا ایسی شے ہے کہ جن امراض کو اطبا اور ڈاکٹر لا علاج کہہ دیتے ہیں ان کا علاج بھی دعا کے ذریعہ سے ہوسکتا ہے۔

(ملفوظات جلد چہارم۔ جدید ایڈیشن صفحہ ۲۶۵)

ہم یقیناً جانتے ہیں کہ کسی مرض کے متعلق ڈاکٹروں اور طبیبوں کے ہاتھ میں کوئی ایسی دوا نہیں جس پر دعویٰ کرسکیں کہ وہ قضاوقدر کے ساتھ پوری لڑائی کر کے تمام قسم کی طبائع کو ضرور کسی مرض سے حکماً نجات دے دیگی بلکہ ہمارا یقین ہے کہ اب تک طبیبوں کو ایسی دوا میسر ہی نہیں آئی اور نہ آ سکتی ہے کہ جو حکماً ہر ایک طبیعت اور عمر اور ہر ایک ملک کے آدمی کو مفید پڑے اور ہرگز خطا نہ جائے۔ لہٰذا باوجود تدبیر کے بہر حال دعا کا خانہ خالی ہے۔ .... پھر جبکہ قانون قدرت ہی بتلا رہا ہے کہ علم طب ظنّی ہے اور تمام تدابیر اور معالجات بھی ظنی تو اس صورت میں کس قدر بدنصیبی ہے کہ ایسے ظنیات پر بھروسہ کر کے مبدء فیض اور رحمت سے بذریعہ دعا طلب فضل نہ کیا جائے۔ دعا سے ہم کیا چاہتے ہیں؟ یہی تو چاہتے ہیں کہ وہ عالم الغیب جس کو اصل حقیقت مرض کی بھی معلوم ہے اور دوا بھی معلوم ہے وہ ہماری دستگیری فرماوے اور چاہے تو وہ دوائیں ہمارے لئے میسّر کرے جو نافع ہوں اور یا اپنے فضل اور کرم سے وہ دن ہی ہم کو نہ دکھلاوے کہ ہمیں دواؤں اور طبیبوں کی حاجت پڑے۔ کیا اس میں شک ہے کہ ایک اعلیٰ ذات تمام طاقتوں والی موجود ہے جس کے ارادہ اور حکم سے ہم جیتے اور مرتے ہیں اور جس طرف اس کا ارادہ جھکتا ہے تمام نظام زمین اور آسمان کا اسی طرف جھک جاتا ہے۔ اگر وہ چاہتا ہے کہ کسی ملک کی حالت صحت کسی وقت عمدہ ہو تو ایسے اسباب پیدا کر دیتا ہے جس سے پانی اس ملک کا ہر ایک عفونت سے محفوظ

رہے اور ہوا میں کوئی تغیر غیر طبعی پیدا نہ ہو اور غذائیں صالحہ میسر آویں۔ اور دوسرے تمام مخفی اسباب کیا ارضی اور کیا سماوی جو مضر صحت ہیں ظہور اور بروز نہ کریں۔ اور اگر وہ کسی ملک کے لئے وبا اور موت کو چاہتا ہے تو وبا کے پیدا کرنے والے اسباب پیدا کر دیتا ہے کیونکہ تمام ملکوت السمٰوٰت والارض اسی کے ہاتھ میں ہے اور ہر ایک ذرّہ دوا اور غذا اور اجرام اور اجسام کا اس کی آواز سنتا ہے۔

(ایام الصلح۔ روحانی خزائن جلد ۱۴ صفحہ ۲۳۴۔۲۳۵)

طب تو ظاہری محکمہ ہے۔ ایک اس کے وراء محکمہ پردہ میں ہے۔ جب تک وہاں دستخط نہ ہو کچھ نہیں ہوتا۔

(ملفوظات جلد چہارم۔ جدید ایڈیشن صفحہ ۳۵۴)

تحصیل دین کے بعد طبابت کا پیشہ بہت عمدہ ہے۔

(ملفوظات جلد سوم۔ جدید ایڈیشن صفحہ ۳۳۴)

"اَلْحِکْمَةُ ضَالَّةُ الْمُؤْمِنِ" حکمت کی بات تو مومن کی اپنی ہے ...... ہمارا مطلب صرف یہ ہے کہ بموجب حدیث کے انسان کو چاہئے کہ مفید بات جہاں سے ملے وہیں سے لے لے۔ ہندی، جاپانی، یونانی، انگریزی ہر طب سے فائدہ حاصل کرنا چاہئے ......تب ہی انسان کامل طبیب بنتا ہے طبیبوں نے تو عورتوں سے بھی نسخے حاصل کئے ہیں۔

(ملفوظات جلد چہارم۔ جدید ایڈیشن صفحہ ۵۰۷۔۵۰۸)

علاج کی چار صورتیں تو عام ہیں دوا سے، غذا سے، عمل سے، پرہیز سے علاج کیا جاتا ہے۔ ایک پانچویں قسم بھی جس سے سلب امراض ہوتا ہے، وہ توجہ ہے ...... دعا بھی توجہ ہی کی ایک قسم ہوتی ہے توجہ کا سلسلہ کڑیوں کی طرح ہوتا ہے جو لوگ حکیم اور ڈاکٹر ہوتے ہیں ان کو اس فن میں مہارت پیدا کرنی چاہئے۔

(ملفوظات جلد دوم۔ جدید ایڈیشن صفحہ ۲۸۰)

تداخل طعام درست نہیں ہے یعنی ایک کھانا کھایا پھر کچھ اور کھا لیا پھر کچھ اور۔ اس کا نتیجہ یہی ہوگا کہ سوءِ ہضم ہو کر ہیضہ یا قے یا کسی اور بیماری کی نوبت آئے۔

(ملفوظات جلد دوم۔ جدید ایڈیشن صفحہ ۸۱)

حکیم لکھتے ہیں کہ ریاضات بدنی ادویہ کی مشق سے بہتر ہوتی ہیں۔

(ملفوظات جلد پنجم۔ جدید ایڈیشن صفحہ ۲۹۰)

ہر ایک شخص چاہتا ہے کہ اس کی عمر دراز ہو ...... قرآن شریف نے ایک اصول بتایا ہے وَ اَمَّا مَا یَنۡفَعُ النَّاسَ فَیَمۡکُثُ فِی الۡاَرۡضِ (الرعد:۱۸) یعنی جو نفع رساں وجود ہوتے ہیں ان کی عمر دراز ہوتی ہے ...... ہمدردی خلائق یہی ہے کہ محنت کر کے دماغ خرچ کر کے ایسی راہ نکالے کہ دوسروں کو فائدہ پہنچا سکے تا کہ عمر دراز ہو۔

(ملفوظات جلد دوم۔ جدید ایڈیشن صفحہ ۲۲۱)

انسان کو لازم ہے کہ وہ خَیۡرُ النَّاسِ مَنۡ یَّنۡفَعُ النَّاسَ بننے کے واسطے سوچتا رہے اور مطالعہ کرتا رہے۔ جیسے طبابت میں حیلہ کام آتا ہے اسی طرح نفع رسانی اور خیر میں بھی حیلہ ہی کام دیتا ہے اس لئے ضروری ہے کہ انسان ہر وقت اس تاک اور فکر میں لگا رہے کہ کس راہ سے دوسرے کو فائدہ پہنچا سکتا ہے۔

(ملفوظات جلد اول۔ جدید ایڈیشن صفحہ ۳۵۴)

[حضرت اقدس نے 14 جون 1902 کی مجلس عرفان میں پان، حقہ، زردہ، تمباکو افیون وغیرہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ:] ''عمدہ صحت کو کسی بے ہودہ سہارے سے کبھی ضائع کرنا نہیں چاہئے۔ شریعت نے خوب فیصلہ کیا ہے کہ ان مضر صحت چیزوں کو مضر ایمان قرار دیا ہے اور ان سب کی سردار شراب ہے۔''

(ملفوظات جلد دوم۔ جدید ایڈیشن صفحہ ۲۱۹)